الطلاع :۔ یہ رسالہ باجازت صدر انجمن احمدیہ قادیان شائع کیا گیا + تمام حقوق محفوظ ہیں +

انبیاء روشن گہر ہستند لیک | ہست احمد زان ہمہ روشن ترے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

بغیر مہر یا دستخط قلمی مؤلف کے مال مسروقہ سمجھا جاوے گا

عصمت انبیاء

جسکو

شیخ صلاح الدین لاہوری سابق ہیڈ ڈرافٹسمین پشاور

ملٹری ورکس نے مشہور و معروف رسالہ ریویو آف ریلیجنز

کے

مضامین کو فائدہ عام کیلئے

[illegible]

ربیع الاول سنہ ۱۳۲۴ ہجری مطابق مئی سنہ ۱۹۰۶ء

تعداد ایکہزار .... قیمت فی جلد



اول آدم آخر شان احمد ست | اے خنک آنکس کہ بیند آخرے

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

عصمت انبیاء علیہم السلام

نجات اور شفاعت کی حقیقی فلاسفی

مذہبی مسائل میں سے نجات اور شفاعت کا مسئلہ ایک ایسا عظیم الشان اور مدار الہام مسئلہ ہے کہ مذہبی پابندی کے تمام اغراض اسی پر جا کر ختم ہو جاتے ہیں اور کسی مذہب کے صدق اور سچائی کے پرکھنے کیلئے وہی ایک ایسا صاف اور کھلا کھلا نشان ہے جس کے ذریعہ سے پوری تسلی اور اطمینان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں مذہب درحقیقت سچا اور منجانب اللہ ہے اور یہ بات بالکل راست اور درست ہے کہ جس مذہب نے اس مسئلہ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا یا اپنے فرقہ میں نجات یافتہ لوگوں کے موجودہ نمونے کھلے کھلے امتیاز کے ساتھ دکھلا نہیں سکا اُس مذہب کے باطل ہونے کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں مگر جس مذہب نے کمال صحت سے نجات کی اصل

حقیقت دکھلائی ہے اور نہ صرف اِس قدر بلکہ اپنے موجودہ زمانے میں ایسے انسان بھی پیش کیئے ہیں جن میں کامل طور پر نجات کی روح پھونکی گئی ہے اُس نے مہر لگادی ہے کہ وہ سچا اور منجانب اللہ ہے +

یہ تو ظاہر ہے کہ ہر ایک اِنسان طبعاً اپنے دل میں محسوس کرتا ہے کہ وہ صدہا طرح کی غفلتوں اور پردوں اور نفسانی حملوں اور لغزشوں اور کمزوریوں اور جہالتوں اور قدم قدم پر تاریکیوں اور ٹھوکروں اور مسلسل خطرات اور وساوس کیوجہ سے اور نیز دنیا کی انواع و اقسام کی آفتوں اور بلاؤں کے سبب سے ایک ایسے زبردست ہاتھ کا ضرور محتاج ہے جو اِس کو اِن تمام مکروہات سے بچاوے کیونکہ انسان اپنی فطرت میں ضعیف ہے اور وہ کبھی ایکدم کے لیئے بھی اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کر سکتا کہ وہ خود بخود نفسانی ظلمات سے باہر آسکتا ہے۔ یہ تو انسانی کانشنس کی شہادت ہے اور ماسوا اِسکے اگر غور اور فکر سے کام لیا جاوے تو عقل سلیم بھی اِسی کو چاہتی ہے کہ نجات کیلئے شفیع کی ضرورت ہے کیونکہ خدا تعالےٰ نہایت درجہ تقدس اور تطہر کے مرتبہ پر ہے اور انسان نہایت درجہ ظلمت اور معصیت اور آلودگی کے گڑھے میں ہے اور بوجہ فقدان مناسبت اور مشابہت عام طبقہ اِنسانی گروہ کا اس لائق نہیں کہ وہ براہ راست خدا تعالےٰ سے فیض پا کر مرتبہ نجات کا حاصل کرلیں۔ پس اس لیئے حکمت اور رحمت الٰہی نے یہ تقاضہ فرمایا کہ نوع انسان اور خدا تعالےٰ میں بعض افراد کاملہ جو اپنی فطرت میں ایک خاص فضیلت رکھتے ہوں درمیانی واسطہ ہوں اور وہ اِس قسم کے اِنسان ہوں جنکی فطرت نے کچھ حصہ صفات لاہوتی سے لیا ہو اور کچھ حصہ صفات ناسوتی سے تا بباعث لاہوتی مناسبت کے خدا سے فیض حاصل کریں اور بباعث

ناسوتی مناسبت کے اُس فیض کو جو اوپر سے لیا ہے نیچے کو یعنے بنی نوع کو پہونچاویں اور یہ کہنا واقعی صحیح ہے کہ اس قسم کو انسان بوجہ بیاد کمال لاہوتی اور ناسوتی کے دوسرے انسانوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے ہیں گویا یہ ایک مخلوق ہی الگ ہے کیونکہ جسقدر اِن لوگوں کو خدا کا جلال اور عظمت ظاہر کرنے کیلئے جوش دیا جاتا ہے اور جس قدر انکے دلوں میں وفاداری کا مادہ بھرا جاتا ہے اور پھر جسقدر بنی نوع کی ہمدردی کا جوش اِنکو عطا کیا جاتا ہے وہ ایک ایسا امر فوق العادت ہے جو دوسرے کے لئے اِس کا تصوّر کرنا بھی مشکل ہے۔ ہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ یہ تمام اشخاص ایک مرتبہ پر نہیں ہوتے بلکہ اِن فطرتی فضائل میں کوئی اعلیٰ درجہ پر ہے کوئی اس سے کم اور کوئی اُس سے کم ✣

ایک سلیم العقل کا پاک کانشنس سمجھ سکتا ہے کہ شفاعت کا مسئلہ کوئی بناوٹی اور مصنوعی مسئلہ نہیں ہے بلکہ خدا کے مقرر کردہ انتظام میں اندر سے اِسکی نظیریں موجود ہیں اور قانون قدرت میں اِس کی شہادتیں صریح طور پر ملتی ہیں۔ اب شفاعت کی فلاسفی یوں سمجھنی چاہیئے کہ شفع لغت میں جفت کو کہتے ہیں پس شفاعت کے لفظ میں اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ وہ ضروری امر جو شفیع کی صفات میں سے ہوتا ہے یہ ہے کہ اُسکو دو طرفہ اتحاد حاصل ہو یعنے ایک طرف اُس کے نفس کو خدا تعالےٰ سے تعلق شدید ہو ایسا کہ گویا وہ کمال اتحاد کے سبب حضرت احدیت کے لئے بطور جفت اور پیوند کے ہو اور دوسری طرف اِس کو مخلوق سے بھی شدید تعلق ہو گویا وہ اُن کے اعضا کی ایک جز ہو۔ پس شفاعت کا امر مترتب ہونے کے لئے درحقیقت یہی دو جُز ہیں جنپر ترتب اثر موقوف ہے ✣

یہی راز ہے جو حکمت الہیہ نے آدم کو ایسے طور سے بنایا کہ فطرت کی ابتدا سے ہی اُسکی سرشت میں دو قسم کے تعلق قائم کر دیئے یعنے ایک تعلق تو خدا سے قائم کیا جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ یعنے جب میں اِس کو ٹھیک ٹھیک بنالوں اور میں اپنی روح اس میں پھونک دوں تو اے فرشتو اسی وقت تم سجدہ میں گر جاؤ +

مذکورہ بالا آیت سے صاف ثابت ہے کہ خدا نے آدم میں اُسکی پیدایش کے

حاشیہ

اِس آیت میں ایک عمیق راز کیطرف اشارہ ہے جو انتہائی درجہ کے کمال کا ایک نشان ہے اور وہ یہ کہ انسان ابتدا میں صرف صورت انسان کی ہوتی ہے مگر اندر سے وہ بیجان ہوتا ہے اور کوئی روحانیت اُس میں نہیں ہوتی اور اس صورت میں فرشتے اِسکی خدمت نہیں کرتے کیونکہ وہ ایک پوست بے مغز ہے لیکن بعد اِسکے رفتہ رفتہ سعید انسان پر یہ زمانہ آجاتا ہے کہ وہ خدا سے بہت ہی قریب جا رہتا ہے تب جب ٹھیک ٹھیک ذوالجلال کی روشنی کے مقابل پر اس کا نفس جا پڑتا ہے اور کوئی حجاب درمیان نہیں ہوتا کہ اُس روشنی کو روکدے تو بلا توقف الوہیت کی روشنی جسکو دوسرے لفظوں میں خدا کی روح کہہ سکتے ہیں اِس انسان کے اندر داخل ہو جاتی ہے اور وہی ایک خاص حالت ہے جسکی نسبت کلام الہی میں کہا گیا کہ خدا نے آدم میں اپنی روح پھونکدی اِس حالت پر نہ کسی تکلف سے اور نہ ایسے امر سے جو شریعت کے احکام کے رنگ میں ہوتا ہے فرشتوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ اِسکے آگے سجدہ میں گریں یعنے کامل طور پر اِسکی اطاعت کریں گویا وہ اِس کو سجدہ کر رہے ہیں یہ حکم فرشتوں کی فطرت کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے کوئی مستحدث امر نہیں ہوتا یعنے ایسے شخص کے

ساتھ ہی اپنی روح پھونک کر اُسکی فطرت کو اپنے ساتھ ایک تعلق قایم کر دیا۔ سو یہ اِسلئے کیا گیا کہ تا اِنسان کو فطرتاً خدا سے تعلق پیدا ہو جاوے ایسا ہی دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ ان لوگوں سے بھی فطرتی تعلق ہو جو بنی نوع کہلائیں گے کیونکہ جب کہ اِن کا وجود آدم کی ہڈی میں سے ہڈی اور گوشت میں سے گوشت ہوگا تو وہ ضرور اِس روح میں سے بھی حصہ لینگے جو آدم میں پھونکی گئی۔ پس اِس لئے آدم طبعی طور پر اُن کا شفیع

بقیہ حاشیہ

مقابل پر جسکا وجود خدا کی صورت پر آجاتا ہے خود فرشتے طبعاً محسوس کر لیتے ہیں کہ اب اسکی خدمت کیلئے ہمیں گرنا چاہئیے ورایسے قصے درحقیقت قصے نہیں ہیں بلکہ قرآن کریم میں عادت الٰہی اسیطرح واقع ہے کہ اُن قصوں کے نیچے کوئی علمی حقیقت ہوتی ہے پس اسجگہ یہی علمی حقیقت ہے کہ خدا تعالے نے اِس قصے کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہا ہے کہ کامل اِنسان کی نشانی کیا ہے۔ پس فرمایا کہ اِنسان کامل کی پہلی نشانی یہ ہے کہ اِنسانی خلقت کے کسی حصہ میں وہ کم نصیب نہو اور اسکے روحانی جسمانی اعضائے بشری بناوٹ سے پورا حصہ لیا ہو اور کمال اعتدال پر اِسکی فطرت واقع ہو (۲) اور دوسری یہ نشانی ہے کہ الٰہی روح نے اِسکے اندر دخول کیا ہو (۳) اور تیسری یہ نشانی ہے کہ فرشتے اسکو سجدہ کریں یعنے تمام فرشتے جو زمین اور آسمان کے کام میں لگے ہوئے ہیں اُسکے خادم ہوں اور اِسکی منشار کے موافق کام کریں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب خدا تعالے کسی بندہ کے ساتھ ہوتا ہے تو اِس کا تمام لشکر ملائک کا بھی اس شخص کے ساتھ ہو جاتا ہے اور اِسکی طرف جھک جاتا ہے تب ایک میدانمیں اور ہر ایک مشکل کیوقت میں فرشتے اسکی مدد کرتے ہیں اور اِسکی اطاعت کیلئے ہر دم کمربستہ رہتے ہیں گویا وہ ہر وقت اُسکے سامنے سجدہ میں ہیں کیونکہ وہ خدا کا خلیفہ ہے لیکن ان باتوں کو زمینی خیال کے لوگ سمجھ نہیں سکتے کیونکہ آسمانی روح سے اُن کو حصہ نہیں دیا گیا۔ منہ

ٹھیریگا کیونکہ بباعث نفخ روح جو استبازی آدم کی فطرت کو دیگئی ہے ضرور ہے
کہ اس کی راستبازی کا کچھ حصّہ اس شخص کو بھی ملے جو اس میں سے نکلا ہے جیسا
کہ ظاہر ہے کہ ہر ایک جانور کا بچہ اسکی صفات اور افعال میں سے حصّہ لیتا ہے۔
اور در اصل شفاعت کی حقیقت بھی یہی ہے کہ فطرتی وارث اپنے مورث سے حصّہ
لے کیونکہ ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ شفاعت کا لفظ شفع کے لفظ سے نکلا ہے جو
زوج کو کہتے ہیں پس جو شخص فطرتی طور پر ایک دوسرے شخص کا زوج ٹھیر جائیگا ضرور
اسکی صفات میں سے حصّہ لیگا۔

اسی اصول پر تمام سلسلہ خلقی توارث کا جاری ہے یعنے انسان کا بچہ انسانی
قوے میں سے حصّہ لیتا ہے اور گھوڑے کا بچہ گھوڑے کے قوے میں سے حصہ لیتا
ہے اور اسی وراثت کا نام دوسرے لفظوں میں شفاعت سے فیضیاب ہونا ہے
کیونکہ جب کہ شفاعت کی اصل شفع یعنے زوج ہے پس تمام مدار شفاعت
فیض اُٹھانے کا اس بات پر ہے کہ جس شخص کی شفاعت سے آدمی مستفیض ہونا
چاہتا ہے اس سے فطرتی تعلق اسکو حاصل ہو تا جو کچھ اسکی فطرت کو دیا گیا ہے اسکی
فطرت کو بھی وہی ملے یہ تعلق جیسا کہ دہی طور پر انسانی فطرت میں موجود ہے کہ
ایک انسان دوسرے انسان کی جُز ہے ایسا ہی کسی طور پر بھی یہ تعلق زیادت
پذیر ہے یعنے جب ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ جو فطرتی محبت اور فطرتی ہمدردی
بنی نوع کی اس میں موجود ہے اس میں زیادت ہو تو بقدر دائرۂ فطرت اور مناسبت
کے زیادت بھی ہو جاتی ہے اسی بنا پر قوت عشقی کا تموج بھی ہے کہ ایک شخص ایک
شخص سے اس قدر محبت بڑھاتا ہے کہ بغیر اسکے دیکھنے کے آرام نہیں کرسکتا

آخر اُسکی شدت محبت اس دوسرے شخص کے دل پر بھی اثر کرتی ہے اور جو شخص انتہا درجہ پر کسی سے محبت کرتا ہے وہی شخص کامل طور پر اور سچے طور پر اُسکی بھلائی بھی چاہتا ہے چنانچہ یہ امر بچوں کی نسبت اِن کیطرف سے مشہود اور محسوس ہے +

پس اصل جڑ شفاعت کی یہی محبت ہے جب کہ اس کے ساتھ فطرتی تعلق بھی ہو کیونکہ بجز فطرتی تعلق کے محبت کا کمال جو شرط شفاعت ہے غیر ممکن ہے اِس تعلق کو انسانی فطرت میں داخل کرنے کے لئے حوا کو علیحدہ پیدا نکیا بلکہ آدم کی پسلی سے ہی اسکو نکالا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا ہے وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا یعنے آدم کے وجود میں سے ہی ہم نے اِس کا جوڑا پیدا کیا جو حوّا ہے تا آدم کا یہ تعلق حوا اور اُسکی اولاد سے طبعی ہو نہ بناوٹی۔ اور یہ اس لئے کیا کہ تا آدم زادوں کے تعلق اور ہمدردی کو بقا ہو کیونکہ طبعی تعلق غیر منفک ہوتے ہیں مگر غیر طبعی تعلق کے لئے بقا نہیں ہے کیونکہ اِنمیں وہ باہمی کشش نہیں ہے جو طبعی میں ہوتی ہے۔ غرض خدا نے اس طرح پر دونوں قسم کے تعلق جو آدم کے لئے خدا سے اور بنی نوع سے ہونے چاہیئے تھے طبعی طور پر پیدا کئے پس اِس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ کامل انسان جو شفیع ہونے کے لائق ہو وہی شخص ہو سکتا ہے جسنے اِن دونوں تعلقوں سے کامل حصہ لیا ہو اور کوئی شخص بغیر ہر دو قسم کے کمال کے انسان کامل نہیں ہو سکتا اسی لئے آدم کے بعد بھی سنت اللہ اسی طرح پر جاری ہوئی کہ کامل انسان کے لئے جو شفیع ہو سکتا ہے یہ دونوں تعلق ضروری ٹھہرائے گئے یعنے ایک یہ تعلق کہ اُن میں آسمانی روح پھونکی گئی۔ اور خدا نے ایسا اُن سے اتصال کیا کہ گویا اُنمیں اُتر آیا اور دوسرے یہ کہ بنی نوع کی زوجیت کا وہ جوڑ جو حوا اور آدم میں باہمی ہمدردی اور محبت کے ساتھ مستحکم کیا گیا

تھا اِن میں سب سے زیادہ چمکایا گیا اسی تحریک سے اُن کو بیویوں کیطرف بھی رغبت ہوئی اور یہی ایک اول علامت اِس بات کی ہے کہ اِن میں بنی نوع کی ہمدردی کا مادہ ہے اور اِسی کی طرف وہ حدیث اشارہ کرتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ خَیرُکُم خَیرُکُم بِاَھلِہٖ یعنے تم میں سے سب سے زیادہ بنی نوع کے ساتھ بھلائی کرنے والا وہی ہو سکتا ہے کہ پہلے اپنی بیوی کے ساتھ بھلائی کرے مگر جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور شرارت کا برتاؤ رکھتا ہے ممکن نہیں کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی بھلائی کر سکے کیونکہ خدا نے آدم کو پیدا کر کے سب سے پہلے آدم کی محبت کا مصداق اسکی بیوی کو ہی بنایا ہے۔ پس جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا یا اُس کی خود بیوی ہی نہیں وہ کامل انسان ہونے کے مرتبہ سے گرا ہوا ہے اور شفاعت کی دو شرطوں میں سے ایک شرط اس میں مفقود ہے اس لئے اگر عصمت اِس میں پائی بھی جائے تب بھی وہ شفاعت کرنے کے لایق نہیں لیکن جو شخص کوئی بیوی نکاح میں لاتا ہے وہ اپنے لئے بنی نوع کی ہمدردی کی بنیاد ڈالتا ہے کیونکہ ایک بیوی بہت سے رشتوں کا موجب ہو جاتی ہے اور بچے پیدا ہوتے ہیں ان کی بیویاں آتی ہیں اور بچوں کی نانیاں اور بچوں کے ماموں وغیرہ ہوتے ہیں اور اِس طرح پر ایسا شخص خواہ نخواہ محبت اور ہمدردی کا عادی ہو جاتا ہے اور اسکی اس عادت کا دائرہ وسیع ہو کر سب کو اپنی ہمدردی سے حصہ دیتا ہے لیکن جو لوگ جوگیوں کی طرح نشو و نما پاتے ہیں انکو اِس عادت کے وسیع کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا اِسلئے اِن کے دل سخت اور خشک ہو جاتے ہیں +

عِصمت اور شفاعت میں تعلق

یہ امر ظاہر ہے کہ عصمت کو شفاعت سے کوئی تعلق نہیں

کیونکہ عصمت کا مفہوم صرف اِس حد تک ہے کہ اِنسان گنہ سے بچے اور گنہ کی تعریف یہ ہے کہ اِنسان خدا کے حکم کو عمداً توڑ کر لائق سزا ٹھہرے† - پس صاف ظاہر ہے کہ عصمت اور شفاعت میں کوئی تلازم ذاتی نہیں کیونکہ تعریف مذکورہ بالا کے روسے نابالغ بچے اور پیدایشی مجنون بھی معصوم ہیں وجہ یہ کہ وہ اِس لائق نہیں ہیں کہ کوئی گناہ عمداً کریں اور نہ وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک کسی فعل کے ارتکاب سے قابل سزا ٹھہرتے ہیں - پس بلاشبہ وہ حق رکھتے ہیں کہ اِن کو معصوم کہا جائے مگر کیا وہ یہ بھی حق رکھتے ہیں کہ وہ اِنسانوں کے شفیع ہوں اور منجی کہلائیں پس اس سے صاف ظاہر ہے

---

† جبکہ عقل اور انصاف کے روسے گناہ کی تعریف یہ ہے کہ گناہ ایک فعل کو اس وقت کہا جائے گا جب کہ ایک اِنسان اُس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لائق ٹھہرے تو اِس صورت میں ضروری ہوا کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اُس گناہ کے مرتکب کو وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اِس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اُس فعل کے ارتکاب سے درحقیقت وہ سزا کے لائق ٹھہر گیا ہے +

(مثالیں بطور استثناء) زید ایک ایسے دور دراز ملک میں ہے کہ خدا کی شریعت اس کو نہیں پہونچی پس اگر شریعت کے احکام میں سے کسی ایک حکم یا چند حکم کو زید نے توڑ دیا ہے تو اس خلاف ورزی احکام الٰہی سے وہ مجرم نہیں ہے کیونکہ شریعت پر اِس کو اطلاع نہیں لیکن اگر زید عقل اور فہم رکھنے کی حالت میں بت پرستی کرنے لگے اور خدا کی توحید سے برگشتہ ہو جائے

کہ منجی ہونے اور معصوم ہونے میں کوئی تعلق نہیں اور ہرگز عقل سمجھ نہیں سکتی کہ عصمت سے شفاعت کو کوئی حقیقی تعلق ہے ہاں عقل اس بات کو خوب سمجھتی ہے کہ شفیع کے لئے یہ ضروری ہے کہ مذکورہ بالا دو قسم کے تعلق اسمیں پائے جائیں اور عقل بلا تردد یہ حکم کرتی ہے کہ اگر کسی انسان میں یہ دو صفتیں موجود ہوں کہ ایک خدا سے تعلق شدید ہو اور دوسری طرف مخلوق سے بھی محبت اور ہمدردی کا تعلق ہو تو بلاشبہ ایسا شخص ان لوگوں کے لئے جنھوں نے عمداً اُس سے تعلق نہیں توڑا دلی جوش سے شفاعت کریگا اور وہ شفاعت اُسکی منظور کیجائے گی کیونکہ جس شخص کی فطرت کو یہ دو تعلق عطا کئے گئے ہین اُن کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ خدا کی محبت تامہ کیوجہ سے اس فیض کو کھینچے اور پھر مخلوق کی محبت تامہ کیوجہ سے وہ فیض ان تک پہنچائے اور یہی وہ کیفیت ہے جسکو دوسرے لفظوں مین شفاعت کہتے ہیں۔ شخص شفیع کے لئے جیسا کہ ابھی مین نے بیان کیا ہے ضروری ہے کہ خدا سے اس کو ایک ایسا

تو وہ باوجود اسکے کہ شریعت اس کو نہین پہونچی تب بھی مجرم ہے کیونکہ جس توحید کو قرآن لایا ہے وہ عیسائیوں کی تثلیث کیطرح ایسا امر نہین ہے جو انسانی فطرت مین منقوش نہو بلکہ وہ روز ازل سے بشری فطرت مین منقوش ہے۔ لہذا اسکی خلاف ورزی کیلئے شریعت کا پہونچنا ضروری نہین صرف عقل انسانی کا پایا جانا ضروری ہے اور اگر شریعت موجود ہے اور ایک شخص کو پہونچ گئی ہے لیکن وہ نابالغ ہے یا مجنون ہے اور اس حالت میں وہ کسی ایسے فعل کا مرتکب ہوا ہے جو شریعت کی رو سے گناہ کہلاتا ہے تو وہ سزا کے لائق نہین کیونکہ انسانی عقل اسکو دی نہین گئی اس لئے وہ باوجود شریعت کے پھر بھی معصوم ہے۔ منہ

گہرا تعلق ہو کر گویا خدا اِسکے دل میں اُترا ہوا ہو اور اِسکی تمام اِنسانیت مرکر بالکل
میں لاہوتی تجلی پیدا ہوگئی ہو اور اِس کی روح پانی کی طرح گداز ہو کر خدا کیطرف نکلی ہو اور
اِس طرح پر خدائی قرب کے انتہائی نقطہ پر جا پہنچی ہو اور اِسی طرح شفیع کے لئے یہ بھی
ضروری ہے کہ جس کے لئے وہ شفاعت کرنا چاہتا ہے۔ اِس کی ہمدردی مین
اِس کا دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہو ایسا کہ عنقریب اِس پر غشی طاری ہوگی اور گویا شدت
قلق سے اُس کے اعضاء اِس سے علیحدہ ہوتے جاتے ہیں اور اِس کے حواس
منتشر ہین اور اِس کی ہمدردی نے اِسکو اِس مقام تک پہونچایا ہو کہ جو باپ سے
بڑھ کر اور ماں سے بڑھ کر اور ہر ایک غمخوار سے بڑھکر ہے پس جب یہ دونوں حالتیں
اِس مین پیدا ہو جائین گی تو وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا وہ ایک طرف سے لاہوت کے
مقام سے جفت ہے اور دوسری طرف ناسوت کے مقام سے جفت۔ تب دونو
پلہ میزان کے اس مین مساوی ہونگے یعنے وہ مظہر لاہوت کامل بھی ہوگا اور مظہر
ناسوت کامل بھی۔ اور بطور برزخ دونوں حالتوں مین واقع ہوگا۔ اِسطرح پر



قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اِنسان کامل تھے

اِسی مقام شفاعت کیطرف قرآن شریف مین اشارہ فرما کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے اِنسان کامل ہونے کی شان مین فرمایا ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ
اَوْ اَدْنٰی یعنے یہ رسول خدا کیطرف چڑھا اور جہانتک اِمکان مین ہے خدا سے نزدیک

ہوا اور قرب کے تمام کمالات کو طے کیا اور لاہوتی مقام سے پورا حصہ لیا اور پھر ناسوت کیطرف کامل رجوع کیا یعنے عبودیت کے انتہائی نقطہ تک اپنے تئیں پہنچایا اور بشریت کے پاک لوازم یعنے بنی نوع کی ہمدردی اور محبت سے جو ناسوتی کمال کہلاتا ہے پورا حصہ لیا لہذا ایک طرف خدا کی محبت مین اور دوسری طرف بنی نوع کی محبت مین کمال تام تک پہنچا۔ پس چونکہ وہ کامل طور پر خدا سے قریب ہوا اور پھر کامل طور پر بنی نوع سے قریب ہوا اس لئے دونون طرف کے مساوی قرب کیوجہ سے ایسا ہوگیا جیساکہ دو قوسون مین ایک خط ہوتا ہے لہذا وہ شرط جو شفاعت کے لئے ضروری ہے اس مین پائی گئی اور خدا نے اپنے کلام مین اس کے لئے گواہی دی کہ وہ اپنے بنی نوع مین اور اپنے خدا مین ایسے طور سے درمیان ہے جیساکہ وتر دو قوسون کے درمیان ہوتا ہے ٭

اور پھر ایک اور مقام مین آپکے الہی قرب کی نسبت یون فرمایا قُلْ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنے لوگون کو اطلاع دیدے کہ میری یہ حالت ہے کہ مین اپنے وجود سے بالکل کھویا گیا ہون میری تمام عبادتین خدا کے لئے ہوگئی ہین۔ یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ ہر ایک انسان جب تک وہ کامل نہیں خدا کے لئے خالص طور پر عبادت نہیں کرسکتا۔ بلکہ کچھ عبادت اس کی خدا کے لئے ہوتی ہے اور کچھ اپنے نفس کیلئے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کی عظمت اور بزرگی چاہتا ہے جیساکہ خدا کی عظمت اور بزرگی کرنی چاہئے اور یہی عبادت کی حقیقت ہے اور ایسا ہی ایک حصہ اس کی عبادت کا مخلوق کے لئے ہوتا ہے کیونکہ جس عظمت اور بزرگی اور قدرت اور تصرف کو خدا سے

مخصوص کرنا چاہئیے اُس عظمت اور قدرت کا حصہ مخلوق کو بھی دیتا ہے اس لئے جیسا کہ وہ خدا کی پرستش کرتا ہے نفس اور مخلوق کی بھی پرستش کرتا ہے بلکہ عام طور پر جمیع اسباب سفلیہ کو اپنی پرستش سے حصہ دیتا ہے کیونکہ خدا کے ارادہ اور تقدیر کے مقابل ان اسباب کو بھی کارخانہ محو و اثبات مین دخیل سمجھتا ہے پس ایسا انسان خدا تعالے کا سچا پرستار نہین ٹھہر سکتا جو کبھی خدا کی عظمت کا اپنے نفس کو شریک ٹھہراتا ہے۔ اور کبھی مخلوق اور کبھی اسباب کو بلکہ سچا پرستار وہ ہے جو خدا کی تمام عظمتین اور تمام بزرگیان اور تمام تصرف خدا کو ہی دیتا ہے نہ کسی اور کو۔ اور جب اس مرتبہ توحید پر انسان کی پرستش پہنچ جائے تب حقیقی طور پر وہ خدا کا پرستار کہلاتا ہے اور ایسا انسان جیسا کہ زبان سے کہتا ہے کہ خدا وحدہ لا شریک ہے ایسا ہی وہ اپنے فعل سے یعنے اپنی عبادت سے بھی خدا کی توحید پر گواہی دیتا ہے پس اسی مرتبہ کاملہ کیطرف اشارہ ہے جو آیت مذکورہ بالا مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ تو لوگوں کو کہدے کہ میری تمام عبادتین خدا کیلئے ہین یعنے نفس کو اور مخلوق کو اور اسباب کو میری عبادت مین سے کوئی حصہ نہین +

اور پھر بعد اسکے فرمایا کہ میری قربانی بھی خاص خدا کے لئے ہے اور میرا جینا بھی خدا کے لئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لئے۔ یاد رہے کہ نسیکہ لغت عرب مین قربانی کو کہتے ہین اور لفظ نسک جو آیت مین موجود ہے اسکی جمع ہے اور نیز دوسرے معنے اسکے عبادت کے بھی ہین پس اس جگہ ایسا لفظ استعمال کیا گیا جس کے معنے عبادت اور قربانی دونو پر اطلاق پاتے ہین۔ یہ اسبات کیطرف اشارہ ہے کہ کامل عبادت جس مین نفس اور مخلوق اور اسباب شریک نہین ہین درحقیقت ایک قربانی ہے اور

کامل قربانی درحقیقت کامل عبادت ہے اور پھر بعد اسکے جو فرمایا کہ میرا جینا بھی خدا
کے لئے ہے اور میرا مرنا بھی خدا کے لئے۔ یہ آخری فقرہ قربانی کے لفظ کی تشریح ہے
تا کوئی اس وہم مین نہ پڑے کہ قربانی سے مراد بکرے کی قربانی یا گائے کی قربانی یا
اونٹ کی قربانی ہے اور تا اس لفظ سے کہ میرا جینا اور میرا مرنا خاص خدا کے لئے ہے
صاف طور پر سمجھا جائے کہ اس قربانی سے مراد روح کی قربانی ہے اور قربانی کا
لفظ قرب سے لیا گیا ہے اور یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ خدا کا قرب تب
حاصل ہوتا ہے کہ جب تمام نفسانی قوے اور نفسانی جنبشون پر موت آجائے
غرض یہ آیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قرب تام پر ایک بڑی دلیل ہے اور یہ
آیت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس قدر خدا مین گم اور محو ہو گئے
تھے کہ آپ کی زندگی کے تمام انفاس اور آپ کی موت محض خدا کے لئے ہو گئی
تھی اور آپ کے وجود مین نفس اور مخلوق اور اسباب کا کچھ حصہ باقی نہیں رہا تھا
اور آپ کی روح خدا کے آستانہ پر ایسے اخلاص سے گری تھی کہ اس مین غیر کی ایک
ذرہ آمیزش نہین رہی تھی پس اس طرح پر آپنے اس شرط کے ایک حصہ کو پورا کیا جو
شفیع کیلئے ایک لازمی شرط ہے اور آخری فقرہ آیت مذکورہ بالا کا یہ ہے کہ میرا
جینا اور مرنا اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہان کی پرورش میں لگا ہوا ہے اس مین
یہ اشارہ ہے کہ میری قربانی بھی تمام جہان کی بھلائی کے لئے ہے ایسا ہی دوسرا
حصہ شفاعت کا ہمدردی مخلوق ہے اور ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ آیت دَنٰی فَتَدَلّٰی
کا دوسرا لفظ یعنے تدلّٰے اسی ہمدردی پر دلالت کرتا ہے۔ یاد رہے کہ تدلّے کا
مجرد دلو ہے اور دَلو کہتے ہین ڈول کو کوئین کے اندر ڈبونا تا پانی اسکے اندر بھر جائے

اور دوسرے معنے دلوکے یہ ہین کہ کسی کو اپنا شفیع پکڑنا۔ پس تدلّے کے یہ معنے ہین کہ شفاعت کے لئے دور افتادہ لوگوں کیطرف بکمال ہمدردی و غمخواری توجہ کرنا اور اِن سے بہت نزدیک ہوکر اِن کا مکدر پانی اٹھانا اور پاک پانی انکو عطا کرنا +

اور چونکہ خدا سے محبت کرنا اور اس کی محبت مین اعلےٰ مقام قرب تک پہنچنا ایک ایسا امر ہے جو کسی غیر کو اس پر اطلاع نہین ہو سکتی اس لئے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایسے افعال ظاہر کئے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درحقیقت تمام چیزون پر خدا کو اختیار کرلیا تھا اور آپکے ذرہ ذرہ اور رگ و ریشہ مین خدا کی محبت اور خدا کی عظمت ایسی رچی ہوئی تھی کہ گویا آپکا وجود خدا کی تجلّیات کے پورے مشاہدہ کے لئے ایک آئینہ کیطرح تھا خدا کی محبت کاملہ کے آثار جس قدر عقل سوچ سکتی ہے وہ تمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مین موجود تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایک شخص جو کسی دوسرے شخص سے محبت کرتا ہے وہ یا تو اس کے کسی احسان کیوجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور یا اُس کے حُسن کیوجہ سے۔ کیونکہ جب سے کہ انسان پیدا ہؤا ہے اس وقت سے آجتک تمام بنی آدم کا متفق علیہ یہ تجربہ ہے کہ احسان محبت کی تحریک کرتا ہے اور باوجود اس کے کہ بنی آدم اپنی طبایع مین بہت سا اختلاف رکھتے ہین۔ تاہم جمیع افراد انسانی کے اندر یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان سے ضرور بقدر اپنی استعداد کے متاثر ہوکر محسن کی محبت دل مین پیدا کرلیتے ہین یہانتک کہ نہایت خسیس اور سنگدل اور کمینہ فرقہ انسانوں کا جو چور اور ڈاکو اور دیگر جرائم پیشہ لوگ ہین جو بذریعہ مختلف قسم کے جرائم کے وجہ معاش پیدا کرتے ہین وہ بھی احسان

سے متاثر ہو جاتے ہین۔ مثلاً ایک چور جس کا نقب زنی کام ہے اگر اس کو رات کے وقت دو گھروں مین نقب لگانے کا موقعہ ملے اور ان دونون مین سے ایک ایسا شخص ہو جو کبھی اس نے اس کے ساتھ نیکی کی تھی اور دوسرا محض اجنبی ہو تو اس چور کی فطرت باوجود سخت ناپاک ہونے کے ہرگز اس بات کو پسند نہین کرے گی کہ نقب کے وقت اجنبی کے گھر کو تو عمداً چھوڑ دے اور اس اپنے دوست کے گھر مین نقب لگا دے بلکہ انسان تو انسان حیوانات اور درندون مین بھی یہ خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ احسان کرنے والے پر حملہ نہین کرتے چنانچہ اس بارہ مین کتے کی سیرت اور خصلت اکثر انسانون کے تجربہ مین آچکی ہے کہ کس قدر وہ اپنے محسن کی اطاعت اختیار کرتا ہے پس اس مین کچھ بھی شک نہین کہ احسان موجب محبت ہے ایسا ہی حسن کا موجب محبت ہونا بھی ظاہر ہے کیونکہ حسن کے مشاہدے مین ایک لذت ہے اور انسان ایسی چیز کیطرف طبعاً میل کرتا ہے جس سے اس کو لذت پیدا ہوتی ہے اور حسن سے مراد صرف جسمانی نقوش نہین ہین کہ آنکھ ایسی ہو اور ناک ایسی ہو اور پیشانی ایسی ہو اور رنگ ایسا ہو بلکہ اس سے مراد ایک ذاتی خوبی اور ذاتی کمال اور ذاتی لطافت ہے جو کمال اعتدال اور بے نظیری سے ایسے مرتبہ پر واقع ہو جو اس مین ایک کشش پیدا ہو جاوے پس تمام وہ خوبیان جن کو انسانی فطرت تعریف مین داخل کرتی ہے حسن مین داخل ہوتی ہین اور انسان کا دل ان کی طرف کھینچا جاتا ہے مثلاً ایک شخص ایک ایسا پہلوان بہادر سرآمد روزگار نکلا ہے کہ کوئی شخص کشتی مین اس کے ساتھ برابری نہین کر سکتا اور نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ شیرون کو بھی ہاتھ سے پکڑ لیتا ہے اور میدان جنگ مین

اپنی شجاعت اور طاقت سے ہزار آدمی کو بھی شکست دیسکتا ہے اور ہزارون دشمنون کے محاصرہ مین آکر جان بچا کر نکلجاتا ہے تو ایسا شخص بالطبع دلون کو اپنی طرف کھینچیگا اور لوگ ضرور اس سے محبت کرینگے اور گو لوگون کو اس کی بے مثل پہلوانی اور شجاعت سے کچھ بھی فایدہ نہ ہو بلکہ وہ کسی دور دراز ملک کا رہنے والا ہو جسکو دیکھا بھی نہ ہو یا اس زمانہ سے وہ پہلے گذر چکا ہو مگر تاہم لوگ اس کے قصون کو محبت سے سنینگے اور اس کے ان کمالات کیوجہ سے اس سے محبت کرینگے سو اس محبت کی کیا وجہ ہے ؟ !!

کیا اس نے کسی پر احسان کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ احسان تو اس نے کسی پر نہین کیا پس بجز حسن کے اس کی کوئی اور وجہ نہین پس کچھ شک نہین کہ یہ تمام روحانی خوبیان حسن ہین اور ان کا نام حسن اخلاق اور حسن صفات ہے جو حسن اعضا کے مقابل پر واقع ہے اور احسان مین اور حسن اخلاق اور حسن صفات مین فرق یہ ہے کہ کسی شخص کے نیک خلق یا نیک صفت کو اس وقت اور اس شخص کی نسبت احسان کے نام سے موسوم کیا جائے گا جب کہ ایک شخص اس نیک خلق یا نیک صفت سے متمتع ہو جائے اور اس سے کوئی فایدہ اٹھالے ۔ پس وہ شخص جو اس نیک خلق یا نیک صفت سے فایدہ اٹھائے گا اس کی نسبت وہ نیک خلق یا نیک صفت احسان ہوگا جس کا ذکر بطور مدح اور شکر کے وہ کریگا ۔ لیکن دوسرے لوگون کی نسبت وہ نیک خلق اس کا حسن مین داخل ہوگا ۔ مثلاً صفت فیاضی اور سخاوت اس شخص کے حق مین احسان ہے جو فیضیاب ہوا مگر دوسرون کی نظر مین حسن صفات سمجھا جائے گا +

غرض خدا کا قانون قدرت اور صحیفۂ فطرت جس کا سلسلہ قدیم سے انسان کی بنیاد کے وقت سے چلا آتا ہے وہ ہمین یہ سکھاتا ہے کہ خدا کے ساتھ تعلق شدید پیدا ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کے احسان اور حسن سے تمتع اٹھایا ہو اور ابھی ہم لکھ چکے ہین کہ احسان سے مراد خدا تعالےٰ کے اخلاقی نمونے ہین جو کسی انسان نے اپنی ذات کی نسبت بچشم خود دیکھے ہون مثلاً بیکسی اور عاجزی اور کمزوری اور یتیمی کیوقت مین خدا اس کا متولی ہوا ہو اور حاجتون اور ضرورتون کے وقت مین خدا نے خود اس کی حاجت برآری کی ہو اور سخت اور کمر شکن غمون کے وقت مین خدا نے خود اس کی مدد کی ہو اور خدا طلبی کے وقت مین بغیر توسط کسی مرشد اور ہادی کے خدا نے اس کی رہنمائی کی ہو اور حسن سے مراد بھی خدا تعالےٰ کی وہی صفات حسنہ ہین جو احسان کے رنگ مین ملاحظہ ہوتی ہین۔ مثلاً خدا کی قدرت کاملہ اور رفق اور وہ لطف اور وہ ربوبیت اور وہ رحم جو خدا مین پایا جاتا ہے اور وہ عام ربوبیت اسکی جو مشاہدہ ہو رہی ہے اور وہ عام نعمتین اس کی جو انسانون کے آرام کے لئے بکثرت موجود ہین اور وہ علم اس کا جس کو انسان نبیون کے ذریعہ سے حاصل کرتا اور اس کے ذریعہ موت اور تباہی سے بچتا ہے اور اسکی یہ صفت کہ وہ بیقرارون درماندون کی دعائین قبول کرتا ہے اور اس کی یہ خوبی کہ جو لوگ اس کی طرف جھکتے ہین وہ ان سے زیادہ ان کی طرف جھکتا ہے یہ تمام صفات خدا کی اسکے حسن مین داخل ہیں اور پھر وہی صفات ہین کہ جب ایک شخص خاص طور پر ان سے فیضیاب بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس کی نسبت احسان بھی کہلاتی ہین گو دوسرے کی نسبت فقط حسن مین داخل ہین اور جو شخص خدا تعالےٰ کی ان صفات کو جو

در حقیقت اس کا حسن اور جمال ہے احسان کے رنگ مین بھی دیکھ لیتا ہے تو اس کا
ایمان نہایت درجہ قوی ہوجاتا ہے اور وہ خدا کی طرف ایسا کھینچا جاتا ہے
جیسا کہ ایک لوہا آہن ربا کی طرف کھینچا جاتا ہے اس کی محبت خدا سے بہت
بڑھ جاتی ہے اور اس کا بھروسہ خدا پر بہت قوی ہوجاتا ہے اور چونکہ وہ اس
بات کو آزما لیتا ہے کہ اس کی تمام بھلائی خدا مین ہے اس لئے اس کی امیدین
خدا پر نہایت مضبوط ہوجاتی ہین اور وہ طبعًا نہ کسی تکلف اور بناوٹ سے خدا
کی طرف جھکا رہتا ہے اور اپنے تئین ہر دم خدا سے مدد پانے کا محتاج دیکھتا ہے
اور اس کی ان صفات کاملہ کے تصور سے یقین رکھتا ہے - کہ وہ ضرور کامیاب
ہوگا کیونکہ خدا کے فیض اور کرم اور جود کے بہت سے نمونے اس کا چشم دید مشاہدہ ہوتا
ہے اس لیئے اس کی دعائین قوت اور یقین کے چشمہ سے نکلتی ہین اور اس کا عقد
ہمت نہایت مضبوط اور مستحکم ہوتا ہے اور آخر کار بمشاہدہ آلاء اور نعماء الہی کے نور
یقین بہت زور کے ساتھ اس کے اندر داخل ہوجاتا ہے اور اس کی ہستی بکلی
جل جاتی ہے اور بباعث کثرت تصور عظمت اور قدرت الہی کے اس کا دل خدا
کا گھر ہوجاتا ہے اور جس طرح انسان کی روح اس کے زندہ ہونے کی حالت مین کبھی
اس کے جسم سے جدا نہین ہوتی اسی طرح خدائے قادر ذوالجلال کی طرف سے جو یقین
اس کے اندر داخل ہوا ہے وہ کبھی اس سے علیحدہ نہین ہوتا اور ہر وقت پاک
روح اس کے اندر جوش مارتی رہتی ہے اور اسی پاک روح کی تعلیم سے وہ بولتا اور
حقائق اور معارف اس کے اندر سے نکلتے ہین اور خدائے ذوالعزت والجبروت کا خیمہ
ہر وقت اس کے دل مین لگا رہتا ہے اور یقین اور صدق اور محبت کی لذت ہر وقت

پانی کی طرح اس کے اندر بہتی ہے جس کی آبپاشی سے ہر ایک عضو اُس کا سیراب نظر آتا ہے آنکھوں میں ایک جدا سیرابی مشہود ہوتی ہے پیشانی پر الگ ایک نور اُس سیرابی کا لہراتا دکھائی دیتا ہے اور چہرہ پر محبت الٰہی کی ایک بارش برستی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور زبان بھی اُس نور کی سیرابی سے پورا حصہ لیتی ہے اِسی طرح تمام اعضا پر ایک ایسی شگفتگی نظر آتی ہے جیسا کہ ابر بہار کے برسنے کے بعد موسم بہار میں ایک دلکش تازگی درختوں کی ٹہنیوں اور پتوں اور پھولوں اور پھلوں میں محسوس ہوتی ہے لیکن جس شخص میں یہ روح نہیں اُتری اور یہ سیرابی اُس کو حاصل نہیں اُس کا تمام جسم مردار کی طرح ہوتا ہے اور یہ سیرابی اور تازگی اور شگفتگی جسکی قلم تشریح نہیں کر سکتی یہ اِس مردار دل کو مل ہی نہیں سکتی جس کو نور یقین کے چشمہ نے شاداب نہیں کیا بلکہ ایک طرح کی سڑی ہوئی بدبو اِس سے آتی ہے مگر وہ شخص جس کو نور دیا گیا ہے۔ اور جس کے اندر یہ چشمہ پھوٹ نکلا ہے اِس کی علامات سے یہ ایک علامت ہے کہ اِس کا جی ہر وقت یہی چاہتا ہے کہ ہر ایک بات میں اور ہر ایک قول میں اور ہر ایک فعل میں خدا سے قوت پاوے اِسی میں اِس کی لذت ہوتی ہے اور اِسی میں اِس کی راحت ہوتی ہے وہ اُس کے بغیر جی ہی نہیں سکتا۔ اور قوت پانے کے لیے جو الفاظ خدا کے کلام میں مقرر کئے گئے ہیں وہی ہیں جو استغفار کے نام سے مشہور ہیں ⁂

اِستغفار

استغفار کے حقیقی اور اصلی معنے یہ ہیں کہ خدا سے درخواست کرنا کہ بشریت کی کوئی کمزوری ظاہر نہ ہو اور خدا فطرت کو اپنی طاقت کا سہارا دے اور اپنی حمایت اور نصرت کے حلقہ کے اندر لے لے۔

یہ لفظ غفر سے لیا گیا ہے جو ڈھانکنے کو کہتے ہین سو اس کے یہ معنے ہین کہ خدا اپنی قوت کے ساتھ شخص مستغفر کی فطرتی کمزوری کو ڈھانک لے۔ لیکن بعد اس کے عام لوگون کے لئے اس لفظ کے معنے اور بھی وسیع کیے گئے اور یہ بھی مراد کہ خدا گناہ کو جو صادر ہو چکا ہے ڈھانک لے۔ لیکن اصل اور حقیقی معنے یہی ہین کہ خدا اپنی خدائی کی طاقت کے ساتھ مستغفر کو جو استغفار کرتا ہے فطرتی کمزوری سے بچاوے اور اپنی طاقت سے طاقت بخشے اور اپنے علم سے علم عطا کرے اور اپنی روشنی سے روشنی دے کیونکہ خدا انسان کو پیدا کرکے اس سے الگ نہین ہوا بلکہ وہ جیسا کہ انسان کا خالق ہے اور اس کے تمام قوے اندرونی اور بیرونی کا پیدا کرنے والا ہے ویسا ہی وہ انسان کا قیوم بھی ہے یعنے جو کچھ بنایا ہے اس کو خاص اپنے سہارے سے محفوظ رکھنے والا ہے پس جب کہ خدا کا نام قیوم بھی ہے یعنے اپنے سہارے سے مخلوق کو قائم رکھنے والا۔ اس لئے انسان کے لیئے لازم ہے کہ جیسا کہ وہ خدا کی خالقیت سے پیدا ہوا ہے ایسا ہی وہ اپنی پیدایش کے نقش کو خدا کی قیومیت کے ذریعہ سے بگڑنے سے بچاوے کیونکہ خدا کی خالقیت نے انسان پر یہ احسان کیا کہ اس کو خدا کی صورت پر بنایا پس اسی طرح خدا کی قیومیت نے تقاضا کیا کہ وہ اس پاک نقش انسانی کو جو خدا کے دونون ہاتھون سے بنایا گیا ہے پلید اور خراب نہ ہونے دے لھذا انسان کو تعلیم دی گئی کہ وہ استغفار کے ذریعہ سے قوت طلب کرے پس اگر دنیا مین گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا۔ تب بھی استغفار رہتا کیونکہ دراصل استغفار اس لیئے ہے کہ جو خدا کی خالقیت نے بشریت کی عمارت بنائی ہے وہ مسمار نہ ہو اور قائم رہے اور بغیر خدا کے سہارے کے کسی چیز کا قائم رہنا

ممکن نہین +

پس انسان کے لیئے یہ ایک طبعی ضرورت تھی جس کے لیئے استغفار کی ضرورت ہے اسی کی طرف قرآن شریف مین یہ اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ یعنے خدا ہی ہے جو قابل پرستش ہے کیونکہ وہی زندہ کرنے والا ہے اور اسی کے سہارے سے انسان زندہ رہ سکتا ہے یعنے انسان کا ظہور ایک خالق کو چاہتا تھا اور ایک قیوم کو۔ تا خالق اس کو پیدا کرے اور قیوم اس کو بگڑنے سے محفوظ رکھے سو وہ خالق بھی ہے اور قیوم بھی اور جب انسان پیدا ہو گیا تو خالقیت کا کام تو پورا ہو گیا مگر قیومیت کا کام ہمیشہ کے لیئے ہے اس لئے دائمی استغفار کی ضرورت پیش آئی غرض خدا کی ہر ایک صفت کے لئے ایک فیض ہے اور استغفار صفت قیومیت کا فیض حاصل کرنے کے لئے اسی کی طرف اشارہ سورہ فاتحہ کی اس آیت مین ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یعنے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہین اور تجھ ہی سے اس بات کی مدد چاہتے ہین کہ تیری قیومیت اور ربوبیت ہمین مدد دے اور ہمین ٹھوکر سے بچاوے تا ایسا نہ ہو کہ کمزوری ظہور مین آوے اور ہم عبادت نہ کر سکین +

اس تمام تفصیل سے ظاہر ہے کہ استغفار کی درخواست کے اصل معنے یہی ہین کہ وہ اس لئے نہین ہوتی کہ کوئی حق فوت ہو گیا ہے بلکہ اس خواہش سے ہوتی ہے کہ کوئی حق فوت نہ ہو اور انسانی فطرت اپنے تئین کمزور دیکھکر طبعاً خدا سے طاقت طلب کرتی ہے جیسا کہ بچہ ماں سے دودھ طلب کرتا ہے پس جیسا کہ خدا نے ابتدا سے انسان کو زبان آنکھ دل کان وغیرہ عطا کئے ہین ایسا ہی استغفار

کی خواہش بھی ابتدا سے ہی عطا کی ہے اور اِس کو محسوس کرایا ہے کہ وہ اپنے وجود کے ساتھ خدا سے مدد پانے کا محتاج ہے اِسی کی طرف اِس آیت مین اشارہ ہے ۔ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یعنے خدا سے درخواست کر کہ تیری فطرت کو بشریت کی کمزوری سے محفوظ رکھے اور اپنی طرف سے فطرت کو ایسی قوت دے کہ وہ کمزوری ظاہر نہ ہونے پاوے اور ایسا ہی ان مردون اور عورتون کیلئے جو تیرے پر ایمان لاتے ہین بطور شفاعت کے دعا کرتا رہ کہ تا جو فطرتی کمزوری سے اِن سے خطائین ہوتی ہین اِن کی سزا سے وہ محفوظ رہین اور آیندہ زندگی ان کی گناہون سے بھی محفوظ ہو جائے یہ آیت معصومیت اور شفاعت کے اعلے درجہ کی فلاسفی پر مشتمل ہے اور یہ اِس بات کیطرف اشارہ کرتی ہے کہ انسان اعلے درجہ کے مقام عصمت پر اور مرتبۂ شفاعت پر تب ہی پہونچ سکتا ہے کہ جب اپنی کمزوری کے روکنے کے لئے اور نیز دوسرون کو گناہ کی زہر سے نجات دینے کے لیئے ہردم اور ہر آن دعا مانگتا رہتا ہے اور تضرعات سے خدا تعالے کی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اِس طاقت سے دوسرون کو بھی حصہ ملے جو بوسیلہ ایمان اِس سے پیوند پیدا کرتے ہین معصوم انسان کو خدا سے طاقت طلب کرنے کی اِس لئے ضرورت ہے کہ انسانی فطرت اپنی ذات مین تو کوئی کمال نہین رکھتی بلکہ ہر دم خدا سے کمال پاتی ہے اور اپنی ذات مین کوئی قوت نہین رکھتی بلکہ ہردم خدا سے قوت پاتی ہے اور اپنی ذات مین کوئی کامل روشنی نہین رکھتی بلکہ خدا سے اُس پر روشنی اُترتی ہے اس مین اصل راز یہ ہے کہ کامل فطرت کو صرف ایک کشش دیجاتی ہے تا وہ طاقتِ بالا کو اپنی طرف کھینچ سکے مگر طاقت کا خزانہ محض خدا کی ذات ہے اِسی خزانہ سے

فرشتے بھی اپنے لئے طاقت کھینچتے ہین اور ایسا ہی انسان کامل بھی اسی سرچشمہ طاقت سے عبودیت کی نالی کے ذریعہ سے عصمت اور فضل کی طاقت کھینچتا ہے لھذا انسانون مین سے وہی معصوم کامل ہے جو استغفار سے الہی طاقت کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اس کشش کیلئے تضرع اور خشوع کا ہر دم سلسلہ جاری رکھتا ہے تا اُس پر روشنی اُترتی ہے اور ایسے دل کو اس گھر سے تشبیہ دے سکتے ہین جسکے شرق اور غرب اور ہر ایک طرف سے تمام دروازے آفتاب کے سامنے ہین پس ہر وقت آفتاب کی روشنی اس مین پڑتی ہے لیکن جو شخص خدا سے طاقت نہین مانگتا وہ اس کوٹھڑی کی مانند ہے جسکے چارون طرف سے دروازے بند ہین اور جس مین ایک ذرہ روشنی نہین پڑسکتی پس استغفار کیا چیز ہے یہ اس آلہ کی مانند ہے جس کی راہ سے طاقت اُترتی ہے تمام راز توحید اسی اصول سے وابستہ ہے کہ صفت عصمت کو انسان کی ایک مستقل جائداد قرار نہ دیا جائے بلکہ اس کے حصول کے لیئے محض خدا کو سرچشمہ سمجھا جائے ذات باری تعالے کو تمثیل کے طور پر دل سے مشابہت ہے جس مین مصفے خون کا ذخیرہ جمع رہتا ہے اور انسان کامل کا استغفار اُن شرائین اور عروق کی مانند ہے جو دل کے ساتھ پیوستہ ہین اور خون صاف اس مین سے کھینچتی ہین اور تمام اعضا پر تقسیم کرتی ہین جو خون کے محتاج ہین +

زبان عربی کی ناواقفیت اور اس سچے تعلق کو جو اللہ تعالے اور اس کے بندون مین ہوتا ہے نہ سمجھنے کے باعث بہت لوگون نے استغفار کے معنون مین غلطی کھائی ہے **استغفار** جیسا کہ اسکے باب استفعال سے ہونے سے صاف ظاہر ہے کسی شے کی طلب یا دعا ہے۔ شے مطلوب کے سمجھنے کیلئے لفظ کے اصل معنون کو

دیکھنا ضروری ہے استغفار غفر سے نکلا ہے جس سے مغفرت غفران وغیرہ
دوسرے مصدر بھی آئے ہین لفظ غفر کے اصل اور اول معنے جس سے تمام دوسرے
مفہوم نکالے گئے ہین ڈھانکنے یا حفاظت کے ہین لہذا استغفار کے اصلی معنے
حفاظت کے لئے دعا یا طلب حفاظت ہوئے۔ باقی رہے یہ امر کہ کس سے حفاظت
طلب کی جاتی ہے اور کس بارے مین حفاظت طلب کی جاتی ہے سو اِن مین سے
امر اول کے متعلق تو اتنا کہدینا کافی ہے کہ یہ اصطلاح مذہب اسلام کی ہے اور
اِس لئے یہ دعا بھی خدائے تعالے کے سوائے اور کسی کے آگے نہین ہو سکتی۔
کیونکہ اسلام نے صرف اللہ تعالے کو ہی وہ ہستی قرار دیا ہے جس سے تمام دعائین
مانگی جانی چاہئین۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسلام مین مروج طریق استغفار کا استغفر اللہ
ہی ہے جس سے بھی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار مین حفاظت اللہ تعالیٰ
سے ہی مانگی جاتی ہے۔ اِس لئے یہانتک تو کسی عیسائی کو بھی انکار کی گنجائش
نہین ہو سکتی کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم اللہ تعالے سے حفاظت طلب
کرنا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ حفاظت کس بارے مین ہے آیا اِس کا منشاء
صرف یہ ہے کہ اِن بدیون کی سزا سے حفاظت طلب کی جاوے جن کا کوئی شخص
مرتکب ہو چکا ہے یا اولاً حفاظت خود بدی اور گناہ سے طلب کی جاتی ہے اور
اور پھر معنون کو وسعت دینے سے وہ حفاظت بھی اِس مین شامل ہو جاتی ہے جو
بدیون کی سزا سے طلب کی جاوے ؛

اِن سوالون کے جواب کے لیئے سب سے پہلے ہمین یہ دیکھنا چاہیئے کہ
اللہ تعالے کا اپنی مخلوق سے کیا تعلق ہے آیا اللہ تعالے نے اِنسان کو پیدا

کر کے پھر اس سے کوئی تعلق رکھتا ہے یا نہین سو واضح ہو کہ اللہ تعالے صرف خالق ہی نہین بلکہ وہ قیوم بھی ہے اور جس چیز کو اُس نے پیدا کیا ہے اِس کی حفاظت بھی کرتا ہے جیسا کہ انسان بغیر خدا ئے تعالے کی خالقیت کے عدم سے وجود مین نہ آسکتا تھا ایسا ہی بغیر اللہ تعالے کی حفاظت کے وہ پیدا ہونے کے بعد رہ نہ سکتا تھا۔ اللہ تعالے کی صفت خالقیت کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اِنسان کو پیدا کرے اور صفت قیومی کا یہ تقاضا تھا کہ جس چیز کو اُس نے اپنی صورت پر پیدا کیا تھا اِس کو بگڑنے اور ہمیشہ کی تباہی سے بچائے۔ اِنہی دو صفات کے بیان کے لیئے قرآن شریف مین اللہ تعالے کے اسماء حیّ اور قیوم آئے ہین یعنے عدم سے وجود مین لانے والا۔ اور حفاظت کرنے والا۔ اِس مین کوئی شک نہین کرسکتا کہ اِنسان کی زندگی کے لیئے جیسا کہ خالق کی ضرورت ہے قیوم کی بھی ضرورت ہے۔ اب جیسا کہ خدا تعالے مین یہ حفاظت کی صفت موجود ہے اِسی تقاضا کو پورا کرنے کے لئے اِنسانی فطرت مین ایک کمزوری ہے جو اِسکے مخلوق ہونے کا لازمی نتیجہ ہے۔ فطرت کی کمزوری چاہتی ہے کہ اِس کا سہارا کِسی پر ہو قرآن شریف نے انسانی فطرت کی کمزوری کو اِن الفاظ مین بیان کیا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یعنے انسان کی پیدائیش مین ہی کمزوری رکھی گئی ہے۔ اِنسان کا مخلوق ہونا ہی اِس کمزوری کو چاہتا تھا تا اِس کا سہارا اپنے خالق پر ہو۔ اِنسان ہر قدم مین اسی طرح اپنے خالق کا محتاج ہے جس طرح بچہ اپنی مان کا۔ پس ایک طرف تو اللہ تعالے کی صفت قیوم ہونے کی ہے اور دوسری طرف اِنسانی فطرت کی کمزوری ہے جو کِسی سہارے اور مدد کو چاہتی ہے۔ اب اگر چہ

اللہ تعالےٰ نے انسان کی بیرونی اور اندرونی حفاظت کے لیئے ہزارہا قسم کے اسباب پیدا کئے ہین اور بن مانگے انسان کو وہ وسائل عطا کئے ہین جن سے اسکی زندگی کا قیام ہے مگر اس مین کچھ شک نہین ہوسکتا کہ انسانون کو چونکہ عقل دی گئی ہے اس لئے خدا تعالےٰ کی بعض عنایات ایسی ہین کہ وہ انسان کو بھی طلب کرنی چاہئین تاکہ وہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکے۔ ہر ایک سمجھدار آدمی اپنی فطرت کی کمزوری کو محسوس کرتا ہے۔ اور اس بات کا احساس رکھتا ہے کہ انسانی فطرت خود بخود بُری کششون کو روکنے کی طاقت نہین رکھتی بلکہ ایسی طاقت صرف خدائے تعالیٰ سے مل سکتی ہے جو تمام طاقتون کا سرچشمہ ہے۔ اس لیئے پھر اگر جان بوجھکر وہ خدائے تعالےٰ سے طاقت طلب نہین کرتا تو وہ خود خدا تعالےٰ کے اس عطیہ سے اپنے تئین محروم رکھتا ہے جس کو وہ طلب کرتا تو اُس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ اسی مانگنے کی ضرورت کی طرف ہی قرآن شریف کی اس آیت مین اشارہ ہے جہاں یہ دعا سکھلائی گئی ہے کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْن۔ گویا اس آیت مین اللہ تعالیٰ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ فطرتی کمزوری کو پورا کرنے کے لیئے وہ اللہ تعالےٰ کی حفاظت اور مدد مانگا کرے جیسا جیسا کسی انسان کو اس فطرتی کمزوری کا احساس زیادہ ہوگا۔ ویسا ویسا ہی خدائے تعالےٰ سے زیادہ طاقت مانگے گا اور اتنا ہی زیادہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اور مدد کو پائے گا ✝

یہانتک یہ دلیل اس قدر روشن اور واضح ہے کہ ہم نہین سمجھتے کہ جو شخص خدا تعالےٰ کی ہستی پر ایمان لاتا ہو اس کو اس کے ماننے سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے۔ خدا تعالےٰ مین قیوم ہونے کی صفت ہے اور انسان کی فطرت مین کمزوری ہے جو کسی سہارے

کو چاہتی ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ فطرتی کمزوری کے بداثر سے محفوظ رہنے کے لیئے انسان خدا تعالےٰ کی مدد اور حفاظت کو طلب کرے۔ دوسرے لفظوں مین جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ گناہ سے بچا رہے اُسے خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دعا کرنی چاہیئے یہی بعینہٖ استغفار کے اصلی اور سچے معنے ہین کیونکہ استغفار کے اصلی معنے لغت کی رو سے ہم دکھا چکے ہین یہی ہو سکتے ہین کہ انسان خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرے۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اور مدد کا کرنا بدی سے بچنے کے لیئے ضروری ہے تو گویا استغفار بدی سے بچنے کے لیئے ضروری ہوا بغیر اس بحث کے کہ کوئی انسان جو ایسی حفاظت طلب کرتا ہے گنہگار ہے یا نہین۔ اگر گناہ کا وجود بھی نہ ہوتا تو بھی چونکہ انسان کا اصل سہارا خدا ہی ہے۔ خدا تعالےٰ سے حفاظت طلب کرنا ضروری ہوتا یا دوسرے الفاظ مین استغفار ضروری ہوتا۔ استغفار دائمی ہے تاکہ وہ عمارت جس کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے ضائع نہ ہو جاوے۔ لیکن یہ بغیر خدا تعالیٰ کی مدد اور حفاظت کے ممکن ہی نہ تھا انسانی فطرت مین ایک طبعی تقاضا تھا جس کو پورا کیئے بغیر وہ کمال کو حاصل ہی نہ کر سکتا تھا اسی تقاضے کو پورا کرنے کے لیئے اس کو استغفار کی ہدایت کی گئی تاکہ خدا تعالےٰ کی مدد کے ساتھ فطرتی کمزوری کا ازالہ ہو جائے۔ خدا تعالےٰ کی صفت خالقیت کا ظہور تو صرف پیدا کرنے کے وقت ہی ہوتا ہے۔ لیکن اُس کی صفت قیومیت چونکہ انسان کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے اس لیئے اِس کا ظہور بھی ہر وقت ضروری ہے۔ یہان سے استغفار کی دائمی ضرورت پیدا ہوتی ہے +

اِس تمام بحث سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ استغفار کی سچی اور اصلی

ضرورت بدی سے بچنے کے لیئے ہے اور اِس لیئے جو سوال ہم نے ابتدا مین اُٹھایا
تھا کہ استغفار مین دعا کس امر سے حفاظت کے لیئے مانگی جاتی ہے اس کا جواب یہ ہوا
کہ اوّلاً وہ امر جس سے حفاظت طلب کی جاتی ہے انسانی فطری کمزوری ہی ہے -
انسان کی فطرت اور اللہ تعالےٰ کے صفات دونون اس امر کے مقتضے ہین کہ بدی سے
بچنے کے لئے استغفار کیا جاوے ۔ جس پہلو سے سوچا جائے یہی امر حق معلوم ہوتا ہے -
انسانی دل مین یہ خواہش ہے کہ جو بدی وہ کر چکا ہے اُس سے بچنے کے لیئے دعا کرے
تو اس سے بدرجہا بڑھ کر یہ تڑپ اُس کے دل مین لگی ہوئی ہے کہ وہ بدی سے بچایا
جاوے اور نفس اَمّارہ کی تمام خواہشین دبی رہ کر وہ ایک پاکیزہ زندگی بسر کرے بلکہ یہ
دوسری خواہش انسانی فطرت مین منقوش ہے اور ہمیشہ وہان موجود ہے اور ہر
ایک شخص کو خواہ اِس نے گناہ کیا ہو یا نہ کیا ہو لگی ہوئی ہے - حالانکہ گناہ کی سزا
سے بچنے کی خواہش صرف گناہ کرنے کے بعد پیدا ہوتی ہے اور اِس لیئے یہ ایک
عارضی چیز ہے - گناہ سے نجات پا جانا ہی نجات ہے اور چونکہ ہر ایک دل مین نجات
کی خواہش فطرتی طور پر لگی ہوئی ہے اِس لیئے تمام اِنسانون کی پہلی اور سب سے بڑی
خواہش یہی ہے گی کہ وہ گناہون سے نجات حاصل کریں علاوہ اِس کے گناہ کی سزا سے
بچنے کی سچی خواہش کبھی دل مین پیدا ہوتی ہی نہین جب تک کہ اُس کے ساتھ یہ
سچی خواہش نہ ملی ہوئی ہو کہ خود گناہ سے ہی نجات مل جائے سچی توبہ یہی ہے کہ انسان
کا دل بدی سے بیزار ہو جائے اور گناہ سے اُس کو سخت نفرت ہو جائے اِن تمام
باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑی خواہش جو انسانی دل مین ہے وہ یہی
ہے کہ وہ بدی سے بچایا جاوے اور اِس لیئے اگر استغفار کے ایک ہی معنے ہوتے

اور اُس کے معنون مین وسعت نہوتی تو وہ معنے اِس کے سوائے کچھ نہو سکتے تھے کہ خدا تعالےٰ سے بدی سے بچنے کے لیئے دعا کی جاوے اور اِس لیئے بدی کے نتائج سے محفوظ رکھے جانے کے معنے استغفار کی اہم غرض اور اصل مفہوم نہین ہین +

جس نتیجہ پر ہم پہونچے ہین اِس کی تائید اور طرح پر بھی ہوتی ہے اگر ہم یہ دیکھین کہ انبیار کی بعثت کی اصل غرض کیا ہوتی ہے تو معلوم ہوگا کہ یہ غرض کبھی صرف یہی ہوتی ہے کہ وہ انسانون کو گناہ سے نجات دیوین اور یہ غرض نہیں ہوتی کہ لوگ گناہ کرتے جاوین اور انبیار اِن کے گناہ معاف کرا کر اِن کو سزا سے بچلاتے جاوین - اِس لئے جو کام کسی نبی نے کیا ہے اُس کا اندازہ صرف اِسی سے ہوسکتا ہے کہ کس قدر اِس کے ذریعہ سے دنیا نے گناہ سے نجات پائی ہے اور اسی ایک معاملہ مین اِن کی فضیلتون کا بھی مقابلہ ہوسکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو وہ بزرگی اور فضیلت حاصل ہے جو اور کسی نبی کو نہین ہوئی آپ ایسے وقت مین مبعوث ہوئے جب دنیا پر ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عملی اور اعتقادی طور پر دنیا ضلالت مین پڑی ہوئی تھی عرب کے لوگ جو بلا واسطہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب تھے اِن کی یہ حالت تھی کہ بدیون مین غرق ہوئے ہوئے تھے اور اخلاق فاضلہ کا نام تک بھی نہ جانتے تھے - لیکن تھوڑے ہی عرصہ مین آپ نے ایک عظیم الشان تبدیلی اِنکی زندگی مین کر دکھائی اور تمام بدیون سے جن مین وہ مبتلا تھے اُن کو نجات دی بدی کے اتھہ گڑھے سے نکال کر آپ نے اِن کو تہذیب کے اعلےٰ معراج پر پہونچایا اور دنیا کو گناہ سے نجات دینے کا وہ نمونہ دیا جو محسوس اور مشہود ہے - اِسی ایک

بات مین یسوع کی ناکامی نظر آتی ہے۔ عیسائی اُس کے متعلق صرف یہی کہ سکتے ہین کہ اس کے ذریعہ گناہ معاف ہوگئے لیکن گناہ سے نجات دینے کا نمونہ انجیل کے مطابق اِن کی زندگی مین کہیں نہین ملتا اور نہ انجیلین اِس امر پر کچھ روشنی ڈالتی ہین کہ کتنے ہزار آدمیون کو یسوع نے اپنی زندگی مین اور اپنے وعظ اور نمونہ سے بدی سے بچایا۔ اور یہ جو بار بار کہا جاتا ہے کہ اُس کی موت کے بعد اُس کے پیروؤن مین تبدیلی پیدا ہوگئی تھی بالکل ناقابل اعتبار بیان ہے۔ کیونکہ جب وہ زندگی مین کچھ نہین کر سکا تو کون عقلمند کہہ سکتا ہے کہ مرکر وہ کوئی اثر ڈال سکا ہو زندگی مین تو وہ اپنے خاص مریدون کو بھی گناہ سے نہ چھوڑا سکا۔ بلکہ گیاران حواری بھی (بارھوان تو قابل ذکر ہی نہین) عین موقعہ پر اپنے اُستاد کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور اِس طرح سے ایک بڑے گناہ کے مرتکب ہوئے +

غرضیکہ انبیاء کی بعثت کی علت غائی گناہ سے نجات دینا ہوتا ہے اور قرآن مین ایسی آیتین بکثرت موجود ہین لیکن چونکہ یہ غرض بغیر اِس کے کہ گناہ سے نجات حاصل کرنے کے لیئے دعا سکھلائی جائے حاصل ہی نہ ہوسکتی تھی جیسا کہ خود مخالفین کے نزدیک بھی مسلّم ہے کیونکہ خدا تعالےٰ سے ہی وہ طاقت ملتی ہے جس سے انسان شیطان پر غلبہ پاسکتا ہے۔ اِس لیئے یہ ایک حیرت انگیز بات ہوگی کہ خدا کا ایک نبی اِس غرض کے لیئے دنیا مین آئے اور نبی بھی وہ جس نے سب سے زیادہ دنیا کو گناہ سے نجات دی ہو اور پھر وہ بغیر اس قسم کی دعا کے سکھانے کے دنیا سے چلا جائے قرآن شریف جو بار بار تزکیہ نفس پر اور پاکیزگی کی زندگی پر زور دیتا ہے تو کیا اس مین وہ ذریعہ نہین بتایا گیا جس سے

انسان پاک زندگی حاصل کر سکتا ہے ؟ پھر ہم پوچھتے ہین کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو لاکھوں مخلوق کو کھلے کھلے طور پر جس سے انکار نہین ہو سکتا گناہ سے نجات دی تو کیا یہ بغیر اِس ذریعے کے سکھانے کے تھی جس سے اِنسان کو گناہ سے نجات مِل سکتی ہے ؟ اگر اِن سوالون کا جواب ہم ہاں مین دین تو گویا متضاد امور کو اور متضاد باتون کو اکٹھا کرین گے +

یہ تمام امور اِسی بات پر شاہد ہین کہ استغفار کی علت غائی بدی سے بچے رہنا ہے۔ استغفار دعا ہے جو سب دعاؤن سے افضل ہے۔ یہ روز کی روٹی کے لئے دعا نہین بلکہ خدا تعالےٰ کی حفاظت اور قوت کے لئے دعا ہے گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جانے کے لیئے دعا ہے اور سب سے اعلیٰ اور اکمل برکات حاصل کرنے کے لئے دعا ہے۔ یہ خدا تعالےٰ اور اس کے بندے مین شدید اور مضبوط تعلق پیدا کرنے والی دعا ہے اور اِنسانی روح کا اس مقام تک پرواز کراتی ہے جو سب سے بلند مقام ہے جو شخص استغفار کرتا ہے وہ اپنے مولےٰ کے سامنے عاجز ہو کر گر جاتا ہے وہ اپنے نفس کی کمزوری رستہ کے خطرون اور اپنے مولےٰ کی طاقتون کو خوب دیکھتا اور سمجھتا ہے وہ اپنی قوت پر بھروسہ نہین کرتا بلکہ ایک طاقت ور ہستی کی حفاظت مین آجاتا ہے اور اِسی سے مدد طلب کرتا ہے اِس کی تمام خوشی بلکہ اِس کا بہشت اِسی مین ہے کہ وہ اِس مضبوط چٹان پر قائم ہو جائے اور بغیر خدا تعالےٰ کی حفاظت کے اِس کی زندگی ہی نہین ہوتی۔ وہ خدا تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ اسے نفس کی کمزوریوں کا مطیع ہونے سے بچاوے اور اپنی پناہ اور اپنے سایہ میں اسکو لے لیوے وہ اپنے

آپ کو بالکل نیست کر دیتا ہے اور اُس کے لیئے جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی ہوتا ہے
اس کی ہر دم یہی دُعا ہوتی ہے کہ وہ اپنی طاقت سے اُسے انسانی کمزوریون کی
لغزش سے بچائے اور اپنی قوت مین سے اِس کو قوت دے اور اپنے نور سے اِس کو
نور دے اور خود ہی اُسے ہدایت کرے۔ جو شخص ہمیشہ استغفار کرتا ہے وہ اپنی کمزوری
کو جان لیتا ہے اور اِس لئے مدد اور حفاظت کے لئے ہر لمحہ خدا کی طرف دوڑتا
ہے اور اُس کا استغفار اِس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ نفس کی کمزوریون پر غالب
آگیا اور بدی کی کششون کو دور کر دیا کیونکہ وہ اپنی قوت سے نہین بلکہ خدا کی قوت سے
بڑھا اور اُس کے نور نے نازل ہو کر اُن تمام کمزوریون کو دبا دیا جو اُس کے گناہ
کا باعث ہو سکتی تھین دانشمند انسان چونکہ اپنے نفس کی کمزوری پر آگاہی رکھتا ہے
اِس لیئے وہ اپنی طاقت پر بھروسہ نہین کرتا بلکہ خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرتا ہے
کہ وہ گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچایا جاوے اور استغفار پر اُس کا سہارا ہوتا ہے۔
معصوم وہی ہے جو مدد کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور بھاگتا ہے وہ اس بات کو یقیناً جانتا
ہے کہ انسانی فطرت خود بخود کمال اپنے اندر نہین رکھتی۔ بلکہ یہ کمال اُسے خدا تعالےٰ
سے حاصل ہوتا ہے اور کہ وہ خود بخود طاقت نہین رکھتی بلکہ ایسی طاقت اُسے ہر لمحہ خدا
سے ملتی ہے اور کہ خود بخود اِس کے اندر کامل روشنی نہین بلکہ کامل روشنی اُسے خدا تعالےٰ
سے ملتی ہے انسانون مین سے وہی کامل طور پر معصوم ہے جو ہر وقت اور ہر لحظ خدا تعالےٰ
سے قوت طلب کرتا اور قوت پاتا ہے اور اِسی کے لیئے چِلاتا اور دُعا کرتا ہے یہی
خدائے تعالےٰ کی توحید کے راز کا اصل اصول ہے کہ عصمت کو کسی انسان کی ملکیت
خاص نہ کیا جاوے بلکہ اِس کا اصل سرچشمہ خدا ہی ہے اور جو اِس سے طلب کرتے

ہین وہی پاتے ہین +

ہم اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہین کہ استغفار کے معنے بعض حالتون مین وسیع کیئے جاتے ہین لیکن معنون کی اس وسعت کے ساتھ اس کے اصل مفہوم پر کچھ اثر نہین پڑتا اور نہ اس مین کوئی تغیر ہی آتا ہے۔ وسیع معنون مین استغفار سے یہ مراد ہوتی ہے کہ جو گناہ انسان سے ہو چکے ہین اُن کی سزا سے اور بد نتایج سے اللہ تعالےٰ سے حفاظت طلب کیجاوے۔ یہان بھی حفاظت کے طلب کرنے کا مفہوم جو اُسکے اصل معنون مین موجود ہے پایا جاتا ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ اس صورت مین گناہ کے بد نتایج سے حفاظت طلب کیجاتی ہے۔ لیکن ان معنون مین یہ لفظ اُن لوگون پر کبھی نہین بولا گیا جن کو خدا تعالےٰ اپنے برگزیدہ اور اپنے پیارے اور مقرب لوگ بیان کرتا ہے۔ کیونکہ اِن کے ساتھ خدا تعالےٰ کے یہ وعدے ہین کہ کسی قسم کی سزا اِن کو چھوئے گی اور خدا تعالےٰ کے رحم کی گود مین بٹھائے جاینگے۔ پھر ان کے استغفار کے یہ معنے کیونکر ہو سکتے ہین کہ اِن کو دوزخ سے بچایا جائے جب کہ خدا تعالےٰ خود ان کو فرما چکا ہے کہ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا یعنے وہ دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنین گے۔ اگر انکے استغفار کے یہی معنے ہوتے تو پھر گویا اُن کو خدائے تعالےٰ کے وعدون پر کوئی ایمان نہ ہوا۔ وہ جسے خدائے تعالےٰ کہتا ہے کہ ہم نے تجھے تمام جہان کے لیئے رحمت کرکے بھیجا ہے کیونکر شک کرسکتا ہے کہ اسے خدا تعالےٰ کے رحم سے حصہ ملیگا یا نہین +

قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جن سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیا کی اپنی ہستی کچھ نہین ہوتی بلکہ وہ اس طرح بکلی خدا تعالےٰ کے تصرف مین ہوتے ہین جس طرح ایک کَل انسان کے تصرف مین ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ حکم دیتا ہے قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ
رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ترجمہ کہدے کہ میری ایسی حالت ہے کہ میری اپنی ہستی پر بالکل موت
وارد ہو چکی ہے اور میری عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا خالص اور بغیر
کسی ملاوٹ کے اللہ تعالےٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ آیت
قطعی ثبوت اس امر کا ہے کہ انبیار نہیں بولتے جب تک خدا اُن کو نہ بلائے اور کوئی کام
نہین کرتے جب تک خدا اُسے نہ کرائے جو کچھ وہ کہتے ہین یا کرتے ہین وہ خدا تعالےٰ کے
احکام کے نیچے کہتے یا کرتے ہین اور اُن سے وہ طاقت سلب کی جاتی ہے جس سے
خدا تعالےٰ کی مرضی کے خلاف کوئی انسان کرتا ہے وہ خدا کے ہاتھ مین ایسے ہوتے
ہین جیسے مردہ۔ اور اس کی ہستی اُن پر ایسی غالب ہوتی ہے کہ ان کی اپنی ہستی پر فنا
آجاتی ہے اُن کے اقوال و افعال اُسی کی مرضی کے مطابق ہوتے ہین بلکہ وہ تمام
اُسی کیطرف سے ہوتے ہین مثلاً ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت قرآن کریم
مین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ جو کام
تو نے کیا وہ تو نے نہین بلکہ خدا نے کیا اور پھر کہتا ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی
اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ یہ نبی اپنی خواہش سے کلام نہین کرتا بلکہ وہی بات بولتا
ہے جو اُس کو خدا تعالےٰ بذریعہ وحی حکم دیتا ہے۔ ان آیات مین نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے اقوال و افعال کو خدا تعالےٰ اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پس قرآن
کریم مین یہ صاف دعوےٰ ہے کہ انبیا خدا تعالےٰ کے منشا کے مظہر ہوتے ہین انکی
اپنی خواہشات کچھ نہین ہوتین بلکہ ان کا جینا مرنا سب کچھ خدا کی خاطر ہی ہوتا
ہے اور اپنی بڑائی کی اس مین کوئی ملاوٹ نہین ہوتی۔ اِن کی روح خدا تعالےٰ کے

آستانہ پر ایسی گری ہوئی ہوتی ہے اور ایسی خالص عظمت اسی کی چاہتی ہے کہ غیر کا اس مین کوئی حصہ نہین ہوتا ✦

اسی قسم کی اور آیات قرآن شریف مین بکثرت ہین لیکن چونکہ مضمون کے طویل ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے ہم صرف ایک اور موقع اس قسم کا نقل کر کے بس کرتے ہین۔ سورہ انبیار مین یہ آئتین ہین۔ وَمَا اَرْسَلنَا مِنْ قبلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نوحي اِليه اَنَّهٗ لا اِلٰه اِلَّا اَنَا فَاعبُدُوْن ط وَقالوا اتخذ الرحمٰن وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ عِبَادٌ مكرمون ط لا يسبِقونهٗ بالقول وَهُمْ باَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِنْ خَشيتِهٖ مشفِقُوْنَ ط وَمَنْ يقل مِنهم اِنّي اِلٰهٌ مِن دونه فَذٰلِكَ نجزيهِ جهنَّمَ ط كذٰلِكَ نجزي الظّٰلِمِيْن ط ترجمہ۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہین بھیجا جس کو یہ وحی نہ کی ہو کہ سوائے میرے اور کوئی معبود نہین سو میری ہی پرستش کرو اور کہا (عیسائیون نے) رحمٰن نے (یسوع کو) بیٹا بنایا۔ پاک ہے وہ اس سے بلکہ وہ معزز بندے ہین کلام کرنے مین اس سے آگے نہین چلتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہین۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے اور وہ شفاعت نہین کرتے مگر اس کیلئے کہ جس سے وہ خوش ہو اور وہ اسکے خوف سے ڈرتے ہین اور جو کوئی ان مین سے یہ کہے کہ مین خدا ہون (جیساکہ عیسائی سمجھتے ہین عیسیٰ نے کہا) تو ہم اس کو سزائے جہنم دینگے۔ ظالمون کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہین۔ ان آیتون کے لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ ان مین انبیار کا ہی ذکر ہے اور انبیار کی نسبت ہی یہان یہ کہا گیا ہے کہ وہ کوئی کلام نہین کرتے جب تک خدا تعالےٰ کلام نکرے

اور کوئی کام نہین کرتے جب تک خدا تعالےٰ حکم نہ دے۔ گویا انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا نے پھر اس جگہ اپنے اقوال و افعال کہا ہے۔ اور اس لیئے یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ وہ بھی کبھی خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہین اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اُنکے آنے کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگون کو خدا کے احکام پر چلاوین تو گویا وہ خدا کے احکام کو عملدرآمد مین لانے والے ہوتے ہین اس لیئے اگر وہ خود ہی احکام کی خلاف ورزی کرین تو پھر وہ عملدرآمد کرنے والے نہ رہے یا دوسرے لفظون مین یون کہو کہ نبی نہ رہے وہ خدا تعالےٰ کے مظہر اور اُس کے اقوال و افعال کے مظہر ہوتے ہین پس خدا تعالےٰ کے احکام کی خلاف ورزی اُن کی طرف منسوب ہی نہین ہو سکتی۔ ہم یہان یہ بھی بیان کرنا چاہتے ہین کہ اگرچہ آیات کے آخری الفاظ مین کہ جو کوئی کہے کہ مین خدا ہون صرف فرض کیطور پر ایک امر بیان کیا گیا ہے اور پھر ساتھ ہی اسکے ان الفاظ سے کہ ہم اُسے دوزخ مین ڈالینگے اس کی نفی بھی کی گئی ہے۔ (کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اسکے صالح بندے دوزخ کی آہٹ بھی نہ سُنین گے) لیکن تاہم ہم اس سے انکار نہین کر سکتے کہ ان الفاظ مین عیسائی عقیدہ کیطرف ایک لطیف اشارہ ہو جس نے پہلے یسوع کو خدا بنایا اور پھر اُسے دوزخ مین بھیجا ؛

غرض متذکرہ بالا آیات سے اور اسی قسم کی دوسری آیات سے جو بکثرت قرآن کریم مین موجود ہین یہ قطعی ثبوت ملتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال کو خدا تعالےٰ اپنے اقوال و افعال ٹھیراتا ہے۔ اور وہ اسی طرح پھرتے ہین جس طرح وہ اُن کو پھراتا ہے وہ اس کے ہاتھ مین ایسے بے اختیار ہوتے ہین جیسے کہ ایک مردہ اور بکلی اسی کے تصرف مین ہوتے ہین اُن کے اپنے جذبات اور خواہشات کچھ نہین ہوتے

اور نہ اُن کے حرکات ورکلام اور ارادے اُن کے اپنے ہوتے ہین۔ حرکت یا سکون۔ رنج یا راحت۔ خوشی یا غم۔ محبت یا عداوت۔ عفو یا انتقام۔ سخاوت یا بخل۔ شجاعت یا بزدلی۔ رحم یا غضب اِن کی طرف منسوب ہی نہین ہوسکتے کیونکہ اُن کی اپنی مرضی یا اپنے ارادے کچھ نہین ہوتے۔ وہ خدا تعالےٰ کے تصرف تام مین ہوتے ہین اور انکے تمام قوے اُسی کی خدمت مین لگے ہوئے ہوتے ہین +

اِس طرح پر اگرچہ استغفار کا اصلی اور حقیقی مفہوم خدائے تعالےٰ سے حفاظت اور مدد کی دُعا کرنی ہی اور انبیاء علیہم السّلام کے حق مین انھین معنون مین یہ لفظ بولا گیا ہے۔ تاہم اِس کے معنے عام انسانون کے لئے وسیع کئے گئے ہین جن کو دونو دعاؤن کی ضرورت ہے یعنے گناہ سے حفاظت کی دُعا اور گناہ کی سزا سے حفاظت کی دُعا۔ اِن دونو دعاؤن کا ایک ہی لفظ مین اکٹھا کر دینا انسانی فطرت کے صحیح علم کو ظاہر کرتا ہے اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے نزدیک صرف گذشتہ گناہوں کے لئے پچھتانے یا افسوس کرنے کا ہی نام توبہ نہین ہے بلکہ سچی توبہ وہ ہے جس کے ساتھ سچی اور دلی خواہش گناہ سے بچنے کی اور سچا اور مضبوط ارادہ بدی سے پرہیز کرنے کا ہو استغفار ہی ہے جو انسانی فطرت کے دونو تقاضونکو پورا کرتا ہے اور انسان کو نجات کے لئے جن دو چیزون کی ضرورت ہے وہ دونو مہیا کرتا ہے اِس طرح پر استغفار ہر ایک طبقہ کے انسانون کے لیئے اعلیٰ سے اعلےٰ دُعا ہے +

استغفار کے معنے جو قرآن کریم کے رو سے اوپر بیان کئے گئے ہین اِن معنون کے لحاظ سے استغفار ہی ایک سچا ذریعہ خدا تعالےٰ سے قوت اور

طاقت طلب کرنے کا ہے اور استغفار ہی وہ راستہ ہے جس مین چلکر انسان معصوم رہ سکتا ہے اور کوئی سمجھدار آدمی اِس سے انکار نہین کرسکتا لیکن جو لوگ بجائے خدائے تعالےٰ پر بھروسہ کرنے کے ایک انسان کے خون پر بھروسہ کر بیٹھے ہین وہ استغفار کی برکات کو نہین سمجھ سکتے۔ اِن کا سہارا اور قوت خدا مین نہین ہے بلکہ ایک کمزور انسان مین جو اِن کے زعم کے مطابق صلیب پر مارا گیا وہ استغفار کو گناہ کا علاج نہین سمجھتے انبیاء کو گنہ گار ٹھیراتے ہین اور خدا تعالےٰ کی بے ادبی کرتے ہین اور کہتے ہین کہ لاکھون آدمیون مین سے جو ہر زمانہ مین سوسائٹی کے لئے ضرر رساں ہونے کے سبب سے پھانسی دیئے جاتے اور صلیب پر چڑھائے جاتے ہین ایک انسان جس کو وہ تجویز کرتے ہین ایسا تھا کہ اِس کے صلیب پر مرنے سے تمام دنیا کے گناہ معاف ہوگئے یا کم از کم اِن لوگون کے جو ایسا سمجھ لین۔ وہ انسانون کی طرح پیدا ہؤا۔ انسانون کی کمزوریان اور نقص اِس مین موجود تھے۔ اِسی طرح بیماریان اور دُکھ اُٹھاتا رہا۔ کبھی ایکدفعہ بھی خدائی طاقت نہ دکھا سکا اور آخرکار مجرم کی موت مرگیا۔ لیکن پھر بھی ہمین اِسے خدا سمجھ لینا چاہئے کیونکہ پادری صاحبان کا یہ خیال ہے۔ اگر اِن لوگون کی سمجھ مین استغفار کا پاکیزہ اور اعلیٰ درجہ کا مفہوم نہ آسکے تو وہ معذور ہین کیونکہ ایک جھوٹے اصول نے اُنکی سمجھ پر پردہ ڈالدیا ہے +

اب ہم قرآن شریف سے چند ایسی آیات پیش کرتے ہین جہان استغفار کو نیک آدمیون کا اعلےٰ درجہ کا وصف بیان کیا گیا ہے اِنَّ المتقین فِی جنّٰتٍ وَعیونٍ اٰخذین مَآ اٰتٰھُمْ ربُّھُمْ اِنَّھُمْ کانوا قَبْلَ ذٰلکَ

مُحسِنِینَ ۝ کَانُوا قَلِیلًا مِّنَ اللَّیلِ مَا یَھجَعُونَ ۝ وَبِالاَسحَارِ ھُم یَستَغفِرُونَ (الذٰریٰت) ترجمہ - متقی باغون اور چشمون کے درمیان ہونگے اور وہ نعمتین حاصل کرینگے جو ان کا رب ان کو دیگا - کیونکہ وہ اس سے پہلے محسن تھے بہت تھوڑا حصہ رات کا سویا کرتے تھے اور صبح کو استغفار کیا کرتے تھے اس آیت مین استغفار کو پرہیزگاری اور نیکی کا بڑا موجب ٹھیرایا گیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نہین بیان کیا گیا کہ اس کے لئے وہ دوزخ سے بچائے گئے بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ ان کے استغفار کی وجہ سے اُن پر خدائے تعالےٰ کیطرف سے بڑے بڑے برکات اور نعما نازل ہوئے اور بڑا اجر اُن کو دیا گیا - لفظ احسان

جو اس آیت مین آیا ہے اس کے معنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کر دیئے ہین یعنے اس طرح پر خدا کی عبادت کرنا کہ گویا انسان اُسے دیکھ رہا ہے یا کم از کم یہ کہ وہ انسان کو دیکھ رہا ہے - لیکن جو شخص اس منزل تک پہونچ جاتا ہے کہ گویا کہ وہ خدا کو دیکھتا ہے تو پھر وہ گناہ بھی نہین کرسکتا - کیونکہ پھر وہ دیکھتا ہے کہ وہ طاقت وہستی جس کے حضور وہ کھڑا ہے ایک دم مین اُس کو تباہ کرسکتی ہے اگر وہ اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرے - اس لیئے وہ گناہ سے ایسا بچتا ہے اور ڈرتا ہے جیسا ایک شخص آگ مین ہاتھ ڈالنے سے ڈرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آگ جلا دے گی - اس آیت مذکورہ بالا مین یہ بیان ہے کہ برکات وانوار الٰہی محسنون کو دیئے جاوینگے اور پھر کہا گیا ہے کہ محسن وہ لوگ ہین جو رات کا بہت تھوڑا حصہ سوتے ہین اور صبح کے وقت استغفار کرتے ہین اگر استغفار کے صرف یہی معنے لئے جاوین کہ گناہون کی سزا سے بچنے کی دُعا

توآیت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو لوگ رات کو خدا تعالےٰ کے حضور کھڑے ہو کر گذارین صبح ہوتے ہی وہ گناہون کی معافی مین لگ جائین گویا کہ وہ اپنی عبادت کو اور خدا کے حضور کھڑا ہونے کو گناہ سمجھتے ہین اور رات کو یہ گناہ کر کے صبح کو اُن کی معافی طلب کرتے ہین لیکن اگر استغفار کے اصل معنے لئے جاوین تو آیت کے معنے بالکل صاف ہین یعنے یہ کہ جن لوگون کو یہ طاقت ملتی ہے کہ وہ رات کو خدا کے حضور کھڑا ہو کر گذارین اور شیطان پر اُن کو غلبہ ملتا ہے وہ صبح کو پھر اُٹھین دعاؤن مین مشغول ہوتے ہین کہ خدائے تعالےٰ اُن کو استقامت کی طاقت بخشے اور اور بھی اُن کو قوت دے کہ وہ اُس کی راہ مین بغیر ٹھوکر کے چل سکین اِن لوگون کو خدا تعالےٰ کی حفاظت کی اور بھی زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک لذت اُن کو خدا تعالےٰ کی عبادت مین ملتی ہے اور وہ خدا تعالےٰ سے دعا کرتے ہین کہ اُن کے نفس کی کمزوری کے سبب وہ لذت جاتی نہ رہے لیکن اگر استغفار کے معنے صرف اِسی قدر ہین کہ جو گناہ کوئی انسان کر چکا ہے اُن کی سزا سے بچنے کے لئے دعا کی جائے تو چاہئے تھا کہ استغفار مانگنے سے پہلے کوئی گناہوں کا ذکر ہوتا نہ کہ عبادت کا۔ تاکہ بعد مین استغفار کا موقعہ ہوتا ؞

ایسا ہی ایک دوسرے موقعہ پر قرآن شریف فرماتا ہے اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ اب یہان امر اوّل غور طلب تو یہی ہے کہ استغفار کو نیکی اور راستبازی کے لئے لازم قرار دیا گیا ہے۔ صبر اور صدق اور فرمانبرداری اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرح استغفار بھی ایک نیکی ہے اور ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح دوسرے نیکی کے کامونکو انسان بجا لاتا ہے۔ اِسی طرح

ہمیشہ استغفار مین بھی لگا ہے اِس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ استغفار صرف سزا سے بچنے کیلئے ہی نہین ہے بلکہ دوسری نیکیون کی طرح یہ بھی بڑے بڑے برکات الٰہی کا موجب ہوتا ہے۔ پھر تمام نیکیون کے بعد استغفار کا ذکر کرنے سے یہ بھی صاف منشاء قرآن کریم کا معلوم ہوتا ہے کہ اِن سب کی جڑھ استغفار ہی ہے اور جو شخص استغفار کرتا ہے اس کو یہ سب باتین حاصل ہو جاتی ہین۔ اِن دونو باتون سے استغفار کے معنے صاف حل ہو جاتے ہین اور یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ کہ استغفار کا اصل اور سچا مفہوم یہی ہے کہ خدا تعالےٰ سے یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ اپنے احکام پر چلنے کی طاقت انسان کو بخشے اور نفس کی کمزوریون سے اسکی حفاظت کرے +

استغفار کے متعلق صرف یہی نہین لکھا کہ وہ انسان کو نیکی کیطرف کھینچتا اور نیکی کی طاقت دیتا ہے بلکہ نیکیون کے لیئے خدا تعالےٰ نے مغفرت کے وعدے بھی دیئے ہین مثلاً سورۃ ھود کی اِس آیت پر غور کرو اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ کَبِیْرٌ۔ صبر کیا چیز ہے اَلصَّبْرُ عَلَی الطَّاعَةِ وَ الصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِیَةِ یعنے نیکیون پر لگے رہنا اور بدیون سے بچے رہنا۔ پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا جو شخص نیکیون مین لگے رہتے ہین اور بدیون سے بچے رہتے ہین اور عمل صالح کرتے ہین ان کو خدا کی طرف سے مغفرت اور بڑے بڑے اجر ملینگے۔ گویا مغفرت اعمال صالح کی جزا ہوئی۔ اس جگہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ مغفرت کے معنون کو گناہ کی سزا سے بچائے جانے تک محدود کرنا غلطی ہے کیونکہ یہاں مغفرت کا وعدہ ان لوگون کے لئے ہے جو اعمال صالح کرتے رہے

ہین اور گناہ سے بچتے رہے ہین۔ پس یہان مغفرت کے معنے سوائے اِس کے کچھ نہین کہ مغفرت خدا تعالےٰ کیطرف سے وہ طاقت اور حفاظت ہے جسکی مدد سے نیک لوگ روحانی طور پر ترقیان کرتے اور روحانیت کے اعلےٰ مدارج جو انسانی کمال کے لئے ضروری ہین طے کرتے ہین۔ الغرض چونکہ مغفرت خدا تعالےٰ کی حفاظت اور طاقت کا نام ہے اِس لئے اِنسان ہمیشہ مغفرت کا ایسا ہی محتاج ہے جیسا کہ خود خدا کا محتاج ہے۔ نہ وہ خدا سے الگ ہو کر رہ سکتا ہے اور نہ کبھی مغفرت کو ترک کر کے رہ سکتا ہے بلکہ جیسا جیسا وہ روحانی ترقی کرتا ہے ویسے ویسے مغفرت کی ضرورت کو اور بھی زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اور چونکہ اس کی روحانی ترقی غیر محدود ہے اِس لیئے کوئی وقت اس پر ایسا نہین آتا جب اِس کو استغفار یا مغفرت کی حاجت نہو اِس لیئے خدا کی مغفرت بہشت مین بھی بہشتیون کو مِلتی رہے گی +

بہشت مین مغفرت کی ضرورت پر قرآن شریف نے دوسری جگہ صاف لفظون مین فرمایا ہے جہان سورہ محمدؐ مین بہشتیون کا ذکر کیا ہے۔ وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ۔ بہشتیوں کے لئے بہشت مین ہر قسم کے میوے اور اپنے رب کی مغفرت ہوگی۔ یہان صاف لفظون فرمایا کہ بہشت مین بہشتیونکو مغفرت ملتی رہے گی۔ اور پھر ایک اور آیت مین سورہ تحریم مین فرمایا ہے۔ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا۔ یعنے جو لوگ بہشت مین داخل ہو جائین گے وہ دعا کرینگے کہ اے رب ہمارے ہمارے نور کو کامل کر اور ہماری مغفرت کر۔ یہ مغفرت کمال کی خواہش جو ہمیشہ

تک رہے گی صاف ظاہر کرتی ہے کہ بہشت مین ترقیات کا سلسلہ غیر متناہی ہوگا۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت مین داخل ہونے کے بعد بھی جو ممکن ہی نہین جب تک کہ جس شخص نے کوئی گناہ کیا ہے اس کا گناہ معاف نہو جائے پھر بھی نیک لوگون کو مغفرت کی خواہش ہوگی اور اُن کو مغفرت ملتی رہے گی۔ یا بالفاظ دیگر بہشتی بہشت مین بھی استغفار کرتے رہین گے حالانکہ اُنکے گناہ معاف ہو چکے ہونگے۔ اب استغفار کے دوسرے معنون کے لحاظ سے جو اسلام کے مخالف کہتے ہین کہ اِس کے سوائے استغفار کے اور کوئی معنے ہی نہین۔ استغفار کی غرض صرف اِن گناہون سے بچائے جانا ہے۔ جو کسی شخص نے کئے ہون۔ اِس لئے جزا و سزا کے پہلے تو کوئی شخص ان معنون کے رو سے مغفرت طلب کر سکتا ہے لیکن جو شخص بہشت مین داخل ہو چکا ہے اور سزا سے بچ چکا ہے اور اُس کے گناہ اُسے معاف ہو چکے ہین اب اُس کو کونسی سزا کا خوف باقی ہے جو وہ بھی استغفار کرے اور خدا اُس کو کونسی سزا سے بچاتا ہے جو مغفرت دیتا ہے۔ جب وہ بہشت مین داخل ہوگیا تو ہر قسم کی تکلیف اور سزا سے بچایا گیا اور ہمیشہ کے لئے سب تکلیفین دور ہوگئین اور کسی سزا کا خطرہ نہ رہا کیونکہ خدا کا وعدہ ہے کہ بہشتی بہشت سے کبھی نکالے نہ جائین گے وَمَا هُمْ مِنهَا بِمُخرَجِين پھر وہ لوگ جو بہشت مین داخل ہو چکے کیوں استغفار کرینگے۔ اور کیون خدا یتعالے بہشت کی نعمتون مین سے مغفرت اپنی بڑی نعمت بیان کرتا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا دو آیتون سے ظاہر ہے یہ قطعی دلیل اِس امر پر ہے کہ اِس جگہ استغفار کے معنے گناہ کی سزا سے بچائے جانے یا گناہ سے

معافی کے نہین ہین +

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت مین مغفرت کے معنے کیا ہ اس دنیا مین اور اِس جسم کے ساتھ تو گناہ کا امکان ہے جس سے حفاظت کے لیئے اِنسان استغفار کرتا ہے مگر بہشت مین تو نہ یہ امکان ہوگا اور نہ شیطان کا خطرہ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف یہ بھی فرماتا ہے کہ اِس دنیا مین بھی ایسے آدمی ہین جن پر شیطان کا کوئی تسلط نہین ہوتا چنانچہ فرمایا اِنَّ عبادی لیس لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَان - لیکن باوجود اِس کے اُن بندون کو بھی اِستغفار کا حکم ہے - ان سوالون کے جواب کے لیئے ہم ناظرین کو پھر استغفار کے اصل معنون کیطرف اور استغفار کیضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہین - اِستغفار کی ضرورت جیسا اوپر دکھا چکے ہین یہ ہے کہ انسان کی فطرت اور خدا کے صفات کا تقاضا بغیر اِستغفار کے پورا ہی نہین ہوتا - ایک تو خالق ہے جو ہر عیب اور نقص اور کمزوری سے پاک ہے اور جس کی ذات مین صفت قیومیت ہے جو چاہتی ہے کہ مخلوق کا اُس پر سہارا ہو پس جب تک مخلوق ہے یہ صفت اپنے تقاضا کو پورا کرے گی - پھر دوسری طرف مخلوق مین سے اِنسان ہے جو اپنی ذات مین کمزوری رکھتے ہین اور کمال کے لیئے وہ اپنے خالق کے محتاج ہین جب تک وہ مخلوق کی حیثیت مین ہین - اِنہی دو باتون سے استغفار کی ضرورت پیدا ہوتی ہے - لیکن یہ امر بھی ظاہر ہے کہ خواہ انسان کتنی ہی ترقی کرے وہ مخلوق ہونے کی حیثیت سے کبھی بھی باہر نہین ہو سکتا - اور ہمیشہ کے لئے خدا کا محتاج ہے جو کمال انسان اِس دنیا مین یا دوسری دنیا مین حاصل کر سکتا ہے وہ کبھی بھی

خدا کے کمال تام کے برابر نہین ہوسکتا۔ خواہ کتنا ہی معراج وہ حاصل کرے پھر بھی
مخلوق ہے اور خدا پھر بھی خالق ہے۔ اِسی لئے ضرورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے
استغفار بھی کرے۔ بہشت مین نیک لوگ ترقیان کرینگے اور ہمیشہ ایک حالت
سے دوسری حالت مین ترقی کرینگے اور اِس لئے جب ایک حالت پر وہ پہونچینگے
تو اُس سے بلند تر حالت کی خواہش کرینگے اور پہلی حالت کو بمقابلہ اُس کے ناقص
خیال کرینگے۔ اِس لئے چونکہ یہ ترقی کا سلسلہ غیر متناہی ہے مغفرت کی خواہش
یا استغفار بھی کبھی ختم نہین ہوسکتا +

اِن آیات کے علاوہ جو ہم نے اوپر بیان کی ہین بہت ساری اور آیات
ہین جن سے صاف صاف پایا جاتا ہے کہ عیسائیون نے استغفار کے لطیف اور
اعلےٰ مفہوم اصلی کو سمجھنے مین سخت غلطی کھائی ہے۔ لیکن ہم اِسی پر اتفاق کرتے
ہین کیونکہ اِس مضمون کو اس قدر لمبا کرنے کا بھی ہمارا منشا رنہ تھا۔ لیکن ایک
بات کی طرف یہان ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہے عیسائی یہی کہا کرتے ہین کہ
آیت لیغفر لک اللہ ما تقدم مِن ذنبک وما تاخر۔ جو سورہ فتح مین
نازل ہوئی ہے سوائے اِس کے کوئی معنے نہین کہ یہان اللہ تعالےٰ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو اگلے اور پچھلے گناہون کی معافی دیتا ہے۔ چونکہ مضمون بہت لمبا
ہوچکا ہے اِس لئے اِس جگہ ہم اصل معنے اِس آیت کے بیان نہین کرتے۔ صرف
مخالفین اسلام کے معنون کی غلطی ظاہر کرنا چاہتے ہین کیونکہ وہ اس بات پر زور دیتے
ہین کہ اِس آیت کے یہی صحیح معنے ہین۔ یہ امر مسلم ہے کہ سورہ نصر سورہ فتح کے بعد نازل
ہوئی ہے کیونکہ سورہ فتح تو فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی تھی اور سورہ نصر فتح مکہ سے بعد

نازل ہوئی ہے۔ اب سورہ نصر مین خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر استغفا
مانگنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ فرماتا ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ جس کے معنے
عیسائی صاحبان کے نزدیک یہ ہوئے کہ گناہون کی معافی مانگتا رہ۔ لیکن گذشتہ اور
آیندہ گناہ تو سب سے پہلے ہی اللہ تعالےٰ معاف کر چکا تھا اب کونسے گناہون
کی معافی چاہتا ہے۔ اگر صحیح معنے ہردو آیات کے کئے جائین تو یہ تضاد واقع نہین
ہوتا۔ یہ صرف غلط معنون کا نتیجہ ہے اگر پادری صاحبان کو انصاف یا حیا کا کچھ بھی
خیال ہوتا تو وہ اپنی غلطی کو تسلیم کر لیتے +

بالآخر ہم پادری صاحبان کی ایک اور بیہودگی کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہین۔
یہ لوگ ہمیشہ فخر کیا کرتے ہین کہ قرآن شریف مین دوسرے نبیوں کے استغفار کا تو ذکر
ہے مگر حضرت عیسیٰ کے استغفار کا کہین ذکر نہین اور اس سے بجائے خود جھٹ اس
نتیجہ پر پہونچ جاتے ہین کہ دوسرے نبی گنہ گار تھے مگر حضرت عیسیٰ بے گناہ تھے۔ استغفا
کے معنے جو ہم اوپر لکھکر بیان کر چکے ہین اُن کے رو سے اگر حضرت عیسیٰ نے واقعی
جیسا کہ عیسائی کہتے ہین استغفار نہین کیا تو اس سے اِن کی کمزوری پائی جاتی ہو
اور یہ بات انبیاء کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ استغفار نکرین لیکن اِس بیان
مین پادری صاحبان دہوکہ دینا چاہتے ہین جب وہ کہتے ہین کہ قرآن کریم سے حضرت
عیسےٰ کا استغفار ثابت نہین ہے۔ خدا تعالےٰ نے بار بار صالحین کے لئے استغفا
اور مغفرت کا ذکر فرمایا ہے پس اگر حضرت عیسیٰ بھی صالحین مین سے تھے تو ضرور ہے
کہ انھون نے بھی استغفار کیا ہو اور خدا نے انکو مغفرت دی ہو۔ اِس قسم کی آیات ہم
اوپر بہت لکھ چکے ہین مثلاً ایک یہی آیت ہے۔ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اُولٰئِکَ لَھُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ۔ پس اگر حضرت عیسیٰؑ نے صبر کیا اور اعمال صالح کئے تو ضرور ہے کہ اُن کو مغفرت ملی ہو۔ ایک اور موقع پر ملائکہ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن شریف فرماتا ہے وَیَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِی الۡاَرۡضِ۔ اور فرشتے ان تمام کے لئے جو روئے زمین پر ہین استغفار کرتے ہین پس اگر حضرت عیسیٰ بھی زمین پر تھے تو ضرور ہے کہ فرشتون نے ان کے لیئے استغفار کیا ہو۔ ہم امید کرتے ہین کہ آئندہ پادری صاحبان اس قسم کی بیہودہ باتین اپنی تحریرون مین نہ لکھین گے۔ ہان ان مین طاقت ہے تو یہ ثابت کر دکھائین کہ انجیل کی رو سے یسوع مسیح کیونکر معصوم کہلا سکتا ہے مگر امید نہین کہ اس بات کی طرف وہ کبھی آئین +

ذنب اور جرم مین فرق

یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ مین ذنب کا لفظ موجود ہے جو گناہ کو کہتے ہین کیونکہ ذنب اور جرم مین فرق ہے جرم کا لفظ تو ہمیشہ اسی گناہ کے لیئے آتا ہے جو سزا کے لیئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کے لئے بھی آجاتا ہے اسی لیئے نبیون پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے مگر جرم کا اطلاق نہین پایا اور خدا کی کتاب مین کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہین پکارا گیا اور نیز خدا کی کتاب مین یعنے قرآن کریم مین مجرم کیلیئے تو جہنم کی وعید ہے یعنے خدا کی طرف سے عہد ہے کہ وہ جہنم مین ڈالا جائے گا مگر ذنب کے لیئے کوئی وعید نہین جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مَنۡ یَّاۡتِ رَبَّہٗ مُجۡرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّمَ لَا یَمُوۡتُ فِیۡہَا وَلَا یَحۡیٰی۔ یعنے جو شخص خدا کے پاس مجرم ہو کر آئے گا اس کی سزا جہنم ہے

نہ اِس مین وہ مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔ سو اس جگہ خدا نے مُجرمًا کہا۔
مُذنبًا نہین کہا کیونکہ بعض صورتون مین معصوم کو بھی مذنب کہہ سکتے ہین
مگر مجرم نہین کہہ سکتے اِس پر ایک اور دلیل ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۃ آل
عمران مین یہ آیت ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ
مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ
وَلَتَنْصُرُنَّہٗ ط قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ط اِس
آیت سے نصِ صریح ثابت ہؤا کہ تمام انبیا جن مین حضرت مسیح بھی شامِل ہین
مامور تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاوین اور اُنھون نے اقرار کیا
کہ ہم ایمان لائے اور پھر جب آیت وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ
کو اِس کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے اور ذنب سے مراد نعوذ باللہ جرم لیا جائے تو حضرت
عیسےٰ بھی اس آیت کے رو سے مجرم ٹھیرینگے کیونکہ وہ بھی اس آیت کے رو سے
ان مومنین مین داخل ہین جو آنحضرت پر ایمان لائے پس بلاشبہ وہ بھی مذنب
ٹھہرے۔ یہ مقام عیسائیون کو غور سے دیکھنا چاہیئے۔ پس ان آیات سے
بوضاحت تمام ثابت ہوا کہ اِس جگہ ذنب بمعنے جرم نہین ہے بلکہ انسانی کمزوری
کا نام ذنب ہے جو قابل الزام نہین۔ اور مخلوق کی فطرت کے لیئے ضروری ہے
کہ یہ کمزوری اِس مین موجود ہو اور کمزوری کا نام اِس لیئے ذنب رکھا ہے کہ انسان
کی فطرت مین طبعًا یہ قصور اور کمی واقع ہے تا وہ ہر وقت خدا کا محتاج رہے
اور تا اس کمزوری کے دبانے کے لیئے ہر وقت خدا سے طاقت مانگتا رہے اور اِس
مین کچھ شک نہین کہ بشری کمزوری ایک ایسی چیز ہے کہ اگر خدا کی طاقت اِس کے

ساتھ شامل نہ ہو تو نتیجہ اس کا بجز ذنب کے اور کچھ نہین پس جو چیز موصل الی الذنب ہے بطور استعارہ اس کا نام ذنب رکھا گیا اور یہ محاورہ شائع متعارف ہے کہ جو اعراض بعض امراض کو پیدا کرتے ہین کبھی انہین اعراض کا نام امراض رکھتے ہین پس کمزوری فطرت بھی ایک مرض ہے جس کا علاج استغفار ہے ✦

غرض خدا کی کتاب نے بشریت کی کمزوری کو ذنب کے محل پر استعمال کیا ہے اور خود گواہی دی ہے کہ انسان مین فطرتی کمزوری ہے جیسا کہ وہ خود ہی فرماتا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا یعنے انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے یہی کمزوری ہے کہ اگر الٰہی طاقت اس کے ساتھ شامل نہ ہو تو انواع و اقسام کے گناہون کا موجب ہو جاتی ہے پس استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر دم اور ہر آن خدا سے مدد مانگی جائے اور اس سے درخواست کی جائے کہ بشریت کی کمزوری جو بشریت کا ایک ذنب ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ظاہر نہ ہو سو ملاومت استغفار دلیل اس بات پر ہے کہ اس ذنب نے فتح پائی اور وہ ظہور مین نہ آسکا اور خدا کا نور اترا اور اس کو دبا لیا اس جگہ یہ بات یاد رکھنے کے لایق ہے کہ استغفار کا لفظ غفر سے نکلا ہے اور اس کے اصل معنے دبانے اور ڈھانکنے کے ہین یعنے یہ درخواست کرنا کہ بشریت کی کمزوری ظاہر ہو کر نقصان پہونچاوے اور وہ ڈھکی رہے کیونکہ بشر چونکہ خدا نہین ہے اور نہ خدا سے مستغنی ہے اس لیئے وہ اس بچہ کی طرح ہے جو ہر قدم مین مان کا محتاج ہے تا وہ اس کو گرنے سے بچاوے اور ٹھوکر سے محفوظ رکھے ایسا ہی یہ بھی ہر قدم مین خدا کا محتاج ہوتا ہے تا وہ اسکو ٹھوکر اور لغزش سے بچاوے سو اس کے علاج کے لیئے استغفار ہے ✦

اور کبھی یہ لفظ توسع کے طور پر ان لوگون پر بھی اطلاق پاتا ہے جو اوّل کسی گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہین اور اِس جگہ استغفار کے معنے یہ ہوتے ہین کہ جو گناہ صادر ہو چکا ہے اِس کی سزا سے خدا بچاوے لیکن یہ دوسرے معنے خدا کے مقرب لوگون کے حق مین درست اور روا نہین ہین وجہ یہ کہ خدا نے تو پہلے سے ان پر ظاہر کیا ہوا ہوتا ہے کہ وہ کوئی سزا نہین پائین گے اور جنت کے اعلےٰ مقام اِن کو ملینگے اور خدا کی رحمت کی گود مین وہ بٹھائے جائینگے اور نہ ایک دفعہ بلکہ صدہا دفعہ ایسے وعدے اِن کو دیئے جاتے ہین اور اِن کو بہشت دکھایا جاتا ہے پھر اگر وہ ان معنون کے رو سے استغفار کرین کہ وہ لپنے گناہون کے سبب سے دوزخ مین نہ پڑین تو ایسا استغفار تو خود اِن کے لیئے گناہ ہوگا کہ وہ خدا کے وعدون پر یقین نہیں کرتے اور خدا کی رحمت سے لپنے تیئن دور سمجھتے ہین پھر ایسا شخص جس کے حق مین خدا تعالےٰ یہ فرماوے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنے تمام دنیا کے لیئے تجھے ہم نے رحمت کر کے بھیجا ہے اور تو رحمت مجسّم ہے وہ اگر اپنی نسبت ہی یہ شک کرے کہ خدا کی رحمت میرے شامل ہوگی یا نہین تو پھر دوسرون کے لیئے کیونکر رحمت کا باعث ہوگا +

یہ تمام قرینے ان لوگون کے لیئے جو انصاف سے سوچتے ہین صریح اس حقیقت کو کھولتے ہین کہ استغفار کے دوسرے معنے کو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا سخت خطا کاری اور شرارت ہے بلکہ معصوم کے لیئے اوّل علامت یہی ہے کہ وہ سب سے زیادہ استغفار مین مشغول رہے اور ہر آن اور ہر حالت مین بشریت کی کمزوری سے محفوظ رہنے کے لیئے خدا تعالےٰ سے طاقت

طلب کرتا ہے جس کو دوسرے لفظون مین استغفار کہتے ہین کیونکہ اگر ایک بچہ ہر وقت مان کے ہاتھ کے سہارے سے چلتا ہے اور روا نہین رکھتا کہ ایک سکینڈ بھی مان سے دور ہو وہ بچہ بلا شبہ ٹھوکر سے بچ رہے گا لیکن وہ بچہ جو مان سے علیحدہ ہو کر چلتا ہے اور خود بخود کبھی کسی خوفناک زینہ پر چڑھتا ہے اور کبھی کسی خوفناک زینے سے اُترتا ہے وہ ضرور ایک دن گرے گا اور اِس کا گرنا سخت ہوگا پس جس طرح خوش قسمت بچے کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اپنی پیاری مان سے ہرگز علیحدگی اختیار نکرے اور ہرگز اُس کی گود سے جدا نہ ہو اور اس کے دامن کو نہ چھوڑے یہی عادت ان مبارک مقدسون کی ہوتی ہے کہ وہ خدا کے آستانہ پر ایسے جا پڑتے ہین جیسا کہ مان کی گود مین بچے اور جیسا کہ ایک بچہ اپنا تمام کام اپنی مان کی طاقت سے نکالتا ہے اور ہر ایک دوسرا بچہ جو اِس سے مخالفت کرتا ہے یا کوئی کُتا اِس کے سامنے آتا ہے یا کوئی اور خوف نمودار ہوتا ہے یا کسی لغزش کی جگہ پر اپنے تئین پاتا ہے تو فی الفور اپنی مان کو پکارتا ہے تا وہ جلد تر اس کی طرف دوڑے اور اس آفت سے اس کو بچاوے یہی حال ان روحانی بچون کا ہوتا ہے کہ بعینہ اپنے رب کو مان کی طرح سمجھ کر اس کی طاقتون کو اپنا ذخیرہ سمجھتے ہین اور ہر وقت اور ہر دم اِس کی طاقتون کو طلب کرتے رہتے ہین اور جس طرح شیر خوار بچہ جب بھوک کے وقت اپنا مُنہ اپنی مان کے پستان کے اوپر رکھ دیتا ہے اور اپنی طبعی کشش سے دُودھ کو اپنی طرف کھینچنا چاہتا ہے تو تبھی کہ مان محسوس کرتی ہے کہ گریہ اور زاری کے ساتھ اس بچہ کے نرم نرم ہونٹھ اس کے پستان پر جا لگے ہین تو طبعاً اس کا دودھ جوش مارتا ہے اور اس بچے کے مُنہ مین گرتا جاتا ہے پس یہی قانون

ان بچون کے لیئے بھی ہے جو روحانی دُودھ کے طالب اور جویان ہین +

اس سے پہلے ہم کبھی مضمون عصمت کے متعلق لفظ ذنب کے معنون پر بحث کی گئی تھی۔ ہمین مجبوراً اِس کیطرف پھر توجہ کرنی پڑی ہے کیونکہ ۱۹-جولائی کے پرچہ اپیفینی مین ایک پادری صاحب نے جو اپنا نام جے۔ ایم لکھتے ہین۔ "قرآن" کے عنوان کے نیچے مضمون نویسی کرتے ہوئے ہمارے مضمون مین دیدہ ودانستہ تحریف کرکے اس کو پیش کیا ہے اور خود غلط بیانی کرکے پھر اسی کی تردید شروع کی ہے اور بہت سی تکلیف اُٹھاکر یہ ثابت کیا ہے کہ لفظ ذنب سے جو قرآن شریف مین آیا ہے۔ پانچ مقامات پر واقعی ارتکاب گناہ مراد ہے مگر تعجب ہے کہ ہم نے کب انکار کیا تھا کہ ذنب کبھی بھی ارتکاب گناہ کے معنون مین نہین آتا۔ پادری صاحب نے اپنا وقت ضائع کرکے ایک سفید صفحہ کو سیاہ کرنے کے سوائے اور کوئی کام نہین کیا مگر اِس کی ہمین چندان پرواہ نہین البتہ اس نے جو تحریف ہمارے مضمون مین کی ہے اِس کا اظہار ضروری ہے تا ناواقف لوگ دھوکہ مین نہ پڑین۔ شروع مضمون مین پادری صاحب لکھتے ہین کہ قرآن شریف کی ان آیات کے مفہوم کو جن مین انبیاء کے گناہون کا ذکر ہے بدلانے کی کوششون مین سے ایک نئے فرقہ مویدین اسلام کا یہ اختراعی بیان ہے کہ لفظ ذنب سے کسی جگہ گناہ مراد نہین بلکہ صرف ایسی انسانی کمزوری مراد ہے جس کے لیئے انسان کو خدا تعالےٰ سے مدد طلب کرنے کی حاجت پڑتی ہے۔ ہم پادری صاحب سے یہ سوال کرتے ہین کہ کیا واقعی ان کا کانشنس ان کو یہ کہتا ہے کہ جو کچھ انھون نے لکھا ہے۔ وہ ہمارے مضمون کا صحیح مفہوم ہے۔ پادری صاحب کی عدم واقفیت یا موٹی سمجھ اِس تحریف کے لیئے عذر نہین ہوسکتی اور دیدہ ودانستہ دھوکا دینے کے

جرم کو کم نہین کر سکتی - کیونکہ انہون نے صرف یہ کارروائی کی ہے - کہ ایک فقرہ کو آگے اور پیچھے سے کاٹ کر پیش کیا ہے کہ گویا ہمارا یہ مطلب ہے کہ ذنب کا لفظ گناہ کے معنون مین کبھی آتا ہی نہین - اُن فقرات کو ہم بعینہٖ نیچے نقل کرتے ہین تا کہ منصف مزاج ناظرین غور کرین کہ ہمارے الفاظ سے یہ مفہوم نکل سکتا ہے جو پادری صاحب نے نکالکر اپنی تحریف کا نمونہ دکھایا ہے - نمبر ۵ صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ اپر یہ عبارت ہے - " یہ کہنا بالکل غلطی ہے کہ آیت وَ استغفر لذنبک مین ذنب کا لفظ موجود ہے جو گناہ کو کہتے ہین کیونکہ ذنب اور جرم مین فرق ہے - جرم کا لفظ تو ہمیشہ اِسی گناہ کے لئے آتا ہے جو سزا کیلئے ہوتا ہے مگر ذنب کا لفظ بشریت کی کمزوری کے لیئے بھی آجاتا ہے - اِس لیئے نبیون پر انسانی کمزوری کی وجہ سے ذنب کا لفظ اطلاق پایا ہے - مگر جرم کا لفظ اطلاق نہین پایا - اور خدا کی کتاب مین کسی نبی کو مجرم کے لفظ سے نہین پکارا گیا + "

کوئی دانشمند ان الفاظ کا یہ مفہوم بیان نہین کر سکتا کہ ذنب کا لفظ سوائے بشریت کی کمزوری کے اور کسی جگہ اطلاق پاتا ہی نہین - ہم نے صاف الفاظ مین لکھا تھا کہ جرم اور گناہ ایک ہین لیکن ذنب انسانی کمزوری کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے - پھر ہم نے لکھا تھا کہ قرآن مجید نے جرم کا لفظ کسی نبی کے لیئے استعمال نہین کیا - اور اس سے ہم نے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ اگر لفظ ذنب کسی نبی کے حق مین استعمال بھی کیا گیا ہو تو اُس کے معنے گناہ نہین بلکہ صرف انسانی کمزوری ہے - امور تنقیح طلب تو یہ تھے کہ کیا قرآن مجید نے کوئی تفریق جرم اور ذنب مین کی ہے ؟ اور کیا جرم کا لفظ نبیون پر کبھی استعمال کیا گیا ہے ؟ اور کیا قرآن مجید نے ذنب کے لیئے ہی

سزا مقرر کی ہے جو اس نے مجرم کے لیئے مقرر کی ہے ؟ ہمارے دلائل کے جواب دینے سے تنگ آکر پادری صاحب نے یہ پہلو اختیار کیا کہ بعض اوقات ذنب کے معنے گناہ ہوتے ہین ۔ اور پانچ مثالین پیش کرنے کے بعد جن مین کہ لفظ ذنب انبیاء کے علاوہ دیگر اشخاص پر بولا گیا ہے ۔ اس نے بڑی چالاکی سے کام لیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ ’’ اس لیئے لفظ ذنب تمام انبیاء بمعہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے گناہون پر استعمال کیا گیا ہے ۔‘‘ شائد ایک پادری صاحب کے لئے یہ کام باعث فخر ہوگا لیکن ایک دیانت دار مباحث کے واسطے یہ قابل شرم ہے ؂

جیسا کہ ہم پہلے وعدہ کر چکے ہین عصمت انبیاء کا مضمون آیندہ کسی موقع پر درج ہوگا اس لیئے ہمارے ناظرین کو اس کی مکمل بحث کے لیئے بھی انتظار کرنا چاہیئے ۔ سردست ہم اس فرق پر زور دینا چاہتے ہین جو قرآن مجید نے لفظ ذنب اور دیگر الفاظ مین جو گناہ کے معنون مین استعمال ہوئے ہین رکھا ہے ۔ علاوہ لفظ ذنب کے جو گناہ اور انسانی کمزوری دونون معنون مین آیا ہے قرآن شریف نے خصوصاً گناہ کے لیئے الفاظ جرم ۔ اثم ۔ فسق کثرت سے استعمال کیئے ہین یہ تینون الفاظ بمعہ اپنے مشتقات کے قریباً دوسو دفعہ اور ذنب قریباً چالیس دفعہ قرآن مجید مین استعمال کیا گیا ہے ۔ اب یہ ایک غور طلب بات ہے کہ یہ ہرسہ الفاظ گو اکثر قرآن شریف مین استعمال کیئے گئے ہین لیکن یہ کسی موقعہ پر کبھی بھی انبیاء علیہم السلام کے واسطے نہین آئے حالانکہ لفظ ذنب جان کے مقابلہ مین بہت کم استعمال ہوا ہے ۔ بعض مقامات پر قرآن مجید مین انبیاء کی نسبت بولا گیا ہے ۔ کوئی شہادت اس فرق سے زیادہ بین نہین مل سکتی جو قرآن شریف

سے ان الفاظ کے استعمال مین رکھا ہے - پس جرم ہی ایک لفظ نہین جو انبیا کے حق مین نہین بولا گیا بلکہ دیگر گناہ ظاہر کرنے والے الفاظ بھی اِن پر وارد نہین ہوئے اور صرف لفظ ذنب ہی اِس مطلب کے لیئے خاص کیا گیا ہے - یہ کہنا بیوقوفی ہے کہ ذنب جرم سے بڑھکر ہے - کیونکہ اِس طرح ہمین ماننا پڑیگا کہ سخت گناہ کرنے والون کو اُن لوگون کی اصلاح سپرد کی گئی جو ان سے کم گنہ گار تھے لیکن قرآن مجید نے اِس خیال کو باطل قرار دیا ہے اور اُس نے بتلا دیا ہے کہ جرم - اثم - فسق کسی شخص کے معصوم ہونے کے منافی ہین مگر ذنب معصومیت کے مفہوم کا منافی نہین ہے +

ہم پہلے لفظ جرم کو لیکر غور کرینگے کہ قرآن مجید مین یہ لفظ کِس طرح استعمال کیا گیا ہے - ایک ہی آیت سے فیصلہ ہو جاتا ہے - اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ - جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئیگا (یعنے اُس نے جرم کیا ہوگا) اُس کی سزا دوزخ ہے - یہان ایک عام قاعدہ باندھا گیا ہر ایک مجرم سزا پائیگا اس لیئے جرم خدا تعالےٰ کی ایسی نافرمانبرداری ہے جس پر سزا دیجاتی ہے علےٰ ھذا القیاس قرآن مجید کہتا ہے - اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ - تحقیق ہم مجرمون سے انتقام لینگے اب لفظ اثم کو لو - اس کے لئے قرآن مجید کہتا ہے وَمَنْ یَّکْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَکْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ - جو کوئی اثم کرتا ہے اپنے نفس پر کرتا ہے (یعنے خدا کے سامنے اس کا جوابدہ ہوگا) اِس لیئے اثم پر بھی سزا کا عام وعید ہے اور اُس کا کرنے والا گنہ گار ہوتا ہے - ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے -

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْأَثِيمِ ۔ تحقیق زقوم کا درخت اثم کے مرتکبون کی خوراک ہوگی۔ اور ایسا ہی وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ اور خدا ہرگز محبت نہین کرتا کسی ناشگر گذار اثم کرنے والے سے۔ اِس قسم کی بہت آیات قرآن مجید مین موجود ہین لیکن مذکورہ بالا حوالون سے ظاہر کہ اثم بھی جرم کی طرح خدا کی نافرمانی ہے جس کے لیئے سزا مقرر ہے۔ لفظ فسق بھی قرآن مجید مین دیدہ و دانستہ خدا کے احکام کی خلاف ورزی کے معنون مین استعمال ہوا ہے مثلاً اَلْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ ایک اور جگہہ ہے۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ایک اور مقام پر اَلَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ اس لیئے فسق کھلے طور پر خدا کے احکام کا توڑنا ہے جس کی سزا آگ ہے۔ اور فاسق ہدایت نہین پاتا نیز لفظ جناح جو فارسی و اردو مین گناہ ہے اور انگریزی لفظ سن کے ہم معنے ہے کبھی بھی قرآن مین کسی مرسل خدا کے حق مین نہین بولا گیا اور اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ کلام اللہ مین انبیا بے گناہ یا معصوم قرار دیئے گئے ہین۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جناح ایک ایسے لفظ سے نکلا ہے جسکے معنے ہین کسی طرف جھکنا۔ اور اسی لئے اِس جگہ استعمال ہوتا ہے جہان فاعل کسی فعل کا برائی کی طرف جھکتا ہے ٭

اگرچہ قرآن شریف مین ذنب سے بعض مقامات پر گناہ مراد ہے لیکن ہر ایک مذنب کے لیئے سزا کا عام حکم کہین نہین۔ جیسا مجرم۔ فاسق۔ اثیم۔ کے لئے ہے۔ مجرم کا ذنب گناہ ہے۔ اسی طرح اثم اور فاسق کا ذنب بھی۔ لیکن محض مذنب ہونا گنہگار ہونا

ثابت نہین کرتا۔ جب تک سیاق و سباق عبارت کا اس پر دلالت نہ کرتا ہو۔ ذنب
وسیع معنے رکھتا ہے بہ نسبت ان تمام الفاظ کے جو گناہ کے لیئے استعمال ہوئے
ہین اور ذنب عصمت کے منافی نہین۔ کیا پادری جے ایم صاحب قرآن شریف
سے کوئی مثال دیسکتے ہین جس مین یہ لکھا ہو کہ ہر مذنب کو دوزخ کی سزا ملیگی یا
ہر ایسا شخص خدا کے احکام کو توڑنے والا ہوتا ہے اور آیت لا یسئل عن ذنبھم
المجرمون معترض کو کچھ فائدہ نہین دے سکتی۔ کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہین کہ مجرم کا
ذنب گناہ ہوتا ہے کیونکہ ذنب کے معنے وسیع ہین۔ بعض حالتون مین اس سے گناہ
مراد ہوتی ہے اور بعض مین صرف بشری کمزوری اور یہی سبب ہے کہ خدا کے
پاک کلام مین انبیاء اور راستبازون کے لیئے لفظ ذنب جرم۔ فسق۔ اثم یا جناح
استعمال نہین ہوا۔ اگر لفظ ذنب سے پیغمبرون کے حق مین بھی وہی مراد ہے جو
ان کے مخالفون کے لیئے ہے تو کیون قرآن مجید نے ہمیشہ بلا تبدل جرم۔ اثم
اور فسق کے استعمال کو ان کے واسطے جائز نہین رکھا۔ حالانکہ یہی الفاظ پیغمبرون
کے مخالفین کے واسطے اکثر استعمال کیئے گئے ہین اور کیون اس نے مذنب کیلیئے
دوزخ کی سزا مقرر نہین کی جو اس نے مجرم۔ فاسق۔ اثیم کے لیئے کی ہے۔ کیون
پادری صاحبان دیانت دار اور خدا ترس محققین کی طرح ان باتون پر غور نہین کرتے +

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ خدا کے مرسلون کے واسطے استعمال ہوتا
ہے تو اس سے بشری کمزوری ہی مراد ہوتی ہے۔ کیونکہ گناہ کے ٹھیک الفاظ
جن سے صاف طور پر قرآن مجید مین خدا کے احکام کی نافرمانی جس کا نتیجہ سزا ہے
پائی جاتی ہے۔ مثلاً جرم۔ اثم۔ فسق نبیون کے حق مین کبھی استعمال نہین کیئے گئے

ہین اور پیغمبرون کی نسبت اللہ تعالےٰ بڑی تعریف کے الفاظ مین کہتا ہے کہ "تجھے جہان کے لئے رحمت کر کے بھیجا ہے" "یہ پیغمبر اپنے پاس سے کچھ نہین بولتا لیکن وہی جو خدا کی طرف سے اُس پر وحی ہوتی ہے" "جو تونے کیا وہ تونے نہین کیا بلکہ خدانے کیا ہے" "کہدے اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ کہ خدا تم سے محبت کرے" "میری دعائین میری قربانی میری زندگی اور میری موت تمام خالص خدا کے لیئے ہین" "مین نے بالکل اپنے آپ کو خدا کی مرضی کے تابع کر دیا ہے" "اے شیطان تو میرے برگزیدون پر کچھ زور نہین رکھتا" "خدانے کفر۔ فسق اور عصیان کو تمہاری آنکھون مین مکروہ کر دکھایا ہے" نیز اور کئی مقامات بھی ہین جن مین انبیاء علیہم السلام اور راستبازون کی خدا تعالےٰ نے ایسی تعریف کی ہے جس سے ان کا معصوم اور خدا کی نظر مین مورد غضب نہ ہونا صاف پایا جاتا ہے +

مگر افسوس ہے۔ پادری صاحبان کی آنکھون پر کچھ ایسے پردے ہین کہ دوسرون کی خوبیان تو ان کو عیب نظر آتے ہین اور یسوع کے عیب خوبیان معلوم ہوتی ہین۔ کس قدر صریح ظلم ہے کہ باوجودیکہ مسیح نے اپنے نیک ہونے سے انکار کیا اور صاف لفظون مین کہا کہ مجھے نیک مت کہو۔ مگر پادری صاحبان ظلم عظیم کی حمایت مین اسکے ان الفاظ سے بھی اس بیگناہی کا ہی نتیجہ نکالتے ہین۔ مگر لفظ ذنب کے معنون پر جس کیلئے قرآن پیش کئے جاتے ہین یہ اصرار کرتے ہین کہ ذنب کے معنے بشری کمزوری نہین ہو سکتے اگر ان لوگون کے دلون مین خدا کا کچھ خوف ہوتا تو وہ ضرور حق کی طرف توجہ کرتے مگر تعصب نے ان کو اندھے کر دیا ہے کسی لفظ کے معنون کے فیصلہ کے لئے جو طریق ہوتا ہے ہم اُس کو ذنب کے معنون کے لیئے .... پیش کرتے ہین اس کے معنے آسانی

سے فیصلہ ہوسکتا ہے کہ ذنب جب انبیاء علیہم السلام کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اسکے کیا معنے ہوتے ہیں۔ کیا یہ امر قابل توجہ نہیں کہ قرآن شریف نے لفظ جرم یا اثم یا فسق ہرگز ہرگز انبیاء علیہم السلام کے لیئے استعمال نہیں کیا باوجودیکہ دوسو دفعہ سے بھی زیادہ یہ الفاظ گنہ گاروں کے لیئے قرآن شریف میں آئے ہیں۔ پھر کیا یہ امر قابل توجہ نہیں کہ لفظ جرم۔ اثم۔ فسق کی صاف قرآن شریف میں تعریف کردی گئی ہے کہ ہر ایک جرم۔ اثم۔ فسق کا مرتکب خدا کے حکم کی نافرمانی کرنے والا ہے اور اسکی نافرمانی کی اس کو سزا دیجاوے گی۔ لیکن ہر ایک مذنب کے لیئے خدا تعالےٰ کیطرف سے سارے قرآن شریف میں کہیں بھی جہنم کا وعید نہیں؟ اور پھر کیا یہ امر قابل توجہ نہیں کہ انبیاء کے لیئے قرآن کریم نے ایسے الفاظ استعمال کیئے ہیں جو گناہ کے منافی ہیں؟ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ ان باتوں پر غور کریں پھر اگر ان کے ہاتھ میں ان کی کوئی تردید نہیں تو کیوں بیفائدہ انبیاء کے گنہ گار ہونے کا شور ڈالا ہوا ہے کیا خدا کے راستباز بندوں پر تہمتیں لگانے سے یسوع پاک ہوجائے گا۔ ان کو چاہیئے کہ پہلے گھر کی صفائی کریں اور یسوع کی بریت ثابت کریں اور پھر دوسرے مذاہب پر حملہ کریں +

اس سے پہلے قرآن شریف میں اس کے استعمال کے متعلق لکھا تھا کہ اس کتاب مجید نے ذنب اور دوسرے الفاظ کے درمیان جو اس نے گناہ کے لیئے استعمال کیئے ہیں ایک کھلا امتیاز رکھا ہے اور اس بارے میں مخصوصاً تین امر قابل غور ہیں۔ اوّل یہ کہ لفظ جرم اور دوسرے الفاظ مثلاً اثم۔ فسق۔ جناح وغیرہ جو کثرت سے قرآن شریف میں انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اور گنہ گاروں کے لیئے استعمال ہوئے

ہین کبھی کسی نبی کے حق مین استعمال نہین کئے گئے۔ بلکہ انبیاء پر جب کبھی بولا گیا ہے لفظ ذنب ہی بولا گیا ہے جو نسبتاً قرآن کریم مین کم استعمال ہوا ہے **دوم** یہ کہ قرآن کریم نے ہر ایک **مذنب** کے لیئے سزا کا وعید نہین دیا۔ **سوم** یہ کہ لفظ جرم وغیرہ کی قرآن شریف نے صاف تعریف کر دی ہے کہ ان کے مرتکب کے لیئے ضرور سزا ہی ہے*

مصر سے ایک پادری صاحب اپنے عیسائی بھائیون کی مدد مین یہ تحریر کرتے ہین کہ لفظ جرم انبیاء پر اس واسطے نہین بولا گیا کہ قرآن شریف مین یہ لفظ قطعاً استعمال ہی نہین کیا گیا۔ کیا خوب۔ مگر پادری صاحب اس کا کیا جواب دیتے ہین کہ شرک۔ کفر۔ اثم۔ جناح۔ فسق انبیاء کے حق مین کیون نہین بولے گئے کیا یہ الفاظ بھی بایں ہیئت قرآن شریف مین استعمال نہین ہوئے۔ اور یہ کیسی بیہودگی ہے کہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین استعمال نہین ہوا۔ قرآن شریف جو بار بار گنہ گارون کو مجرم کہتا ہے تو انبیاء کو مجرم کیون نہین کہتا کیا کسی کو مجرم کہنا یا جرم کا مرتکب کہنا دو الگ الگ باتین ہین۔ پادریون کی اس عقل پر ہمین تو رونا آتا ہے عربی زبان مین اس لیاقت پر یہ ناز کہ ذنب اور جرم کے معنون پر بحث کر رہے ہین اور مصر سے گویا اس دعوے سے لکھ رہے ہین کہ ہم بڑے عربی دان ہین۔ بار بار قرآن شریف گنہ گارون کو مجرم ٹھہراتا ہے مگر عقل کے اندھون کو کون سمجھائے۔ قرآن شریف تو بار بار گنہ گارون کو سزا کے دھمکی دیتا اور انبیاء کے حق مین تعریف کے الفاظ بولتا ہے کیا یہ بین فرق نہین ہے۔ اسی طرح پر مصری پادری صاحب کا یہ بیان ہے کہ مذنب کے لیئے سزا کا وعید اس لیئے نہین کہ مذنب کا لفظ ہی قرآن شریف مین استعمال نہین ہوا مگر یہ لکھتے وقت پادری صاحب کو سمجھ نہ آئی کہ کچھ ہی بہر حال یہ ثابت تو

ہوگیا کہ **مذنب** کے لیئے سزا کا وعید قرآن شریف مین نہین حالانکہ مجرم وغیرہ کے لیئے ہے۔ اگر قرآن کریم کو یہ منظور ہوتا کہ وہ **مجرم** کی طرح **مذنب** کو بھی سزا کا وعید دے تو مذنب کا لفظ لانے سے اُسے کیا چیز مانع تھی۔ اور علاوہ ازین **مذنب** کا لفظ نہ لاکر بھی اس مطلب کو قرآن شریف پورا کر سکتا تھا جیسا **اثم** کے لیئے فرمایا وَمَن یَکسِبْ اِثماً فَاِنَّمَا یَکسِبُہٗ عَلٰی نَفسِہٖ کیا ایسا ہی ذنب کے لیئے نہ آ سکتا تھا۔ مگر قرآن کریم نے یہ کھلا کھلا اور بیّن فرق رکھ لیا ہے تاکہ جس کو کچھ بھی **عقل** ہے وہ ٹھوکر سے بچ جاوے +

بالآخر ہم پھر اپنے پہلے بیان کو موکد کرتے ہین کہ **ذنب** ایک وسیع معنے کا لفظ ہے۔ مجرم کا ذنب جرم ہے۔ اثیم کا ذنب اثم ہے فاسق کا ذنب فسق ہے۔ مشرک کا ذنب شرک ہے اور کافر کا ذنب کفر ہے مگر نبی نہ مجرم ہے نہ اثیم ہے نہ فاسق ہے نہ مشرک ہے نہ کافر ہے اور اس لئے اس کا ذنب بھی نہ جرم ہے نہ فسق ہے نہ اثم ہے نہ شرک ہے نہ کفر ہے جیسا ان کے لیئے سزا کا وعید ہے۔ ذنب کے لئے سزا کا وعید نہین اس لیئے نبی کا ذنب خدا کی ناراضگی کے نیچے نہین آتا اور اس لیئے اس مین گناہ کا ٹھیک مفہوم بھی موجود نہین۔ پس نبی کا ذنب سوائے بشریت کی فطرتی کمزوری کے اور کچھ نہین +

زبان عربی سے عیسائیون کی جہالت کا ایک ثبوت

انبیا علیہم السلام کی نسبت قرآن شریف مین جرم کا لفظ استعمال نہین کیا گیا۔ اس کے

متعلق عیسائی نامہ نگارون کیطرف سے یہ احمقانہ جواب دیا گیا ہی۔ کہ انبیاء کی نسبت جرم کا لفظ اسلئے استعمال نہین کیا گیا۔ کہ یہ لفظ قرآن شریف مین بالکل آیا ہی نہین۔ اگر یہ بیہودہ جواب صرف ہندوستان کے عیسائیون کیطرف سے ہوتا تو کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ کیونکہ عربی زبان سے انکی ناواقفیت کسی شخص کو معلوم نہین۔ بیشک ایسا بیہودہ جواب اس ملک کے عیسائیونکو یہان کے پادریان تھا جو باوجود اپنی جہالت کے اپنے آپکو عربی کا عالم ظاہر کرنیکی کوشش کرتے ہین۔ اور ناواقفی سے عربی زبان کے باریک مسئلون پر بحث کرکے اپنے آپکو ہنسی کا نشانہ بناتے ہین۔ ہم اس ملک کے پادریونسے تو ایسے بیہودہ بیانات کے سننے کے عادی ہی تھے مگر ہمین یہ کبھی خیال نہین گذرا تھا۔ کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری بھی اپنے ہندوستانی بھائیونکیطرح عربی سے محض نابلد ہین۔ ہم خیال کیا کرتے تھے کہ دوسرے اسلامی ممالک کے پادری اپنے ہندی بھائیونکی نسبت عربی زیادہ جانتے ہونگے۔ مگر مصر کے ایک پادری مسٹر اوبن نے ہمارے اس خیال کو غلط ثابت کیا ہی۔ اس شخص نے مصر مین بیٹھکر اس مباحثہ مین حصہ لیا ہی۔ اور ناظرین یہ سنکر تعجب کرینگے۔ کہ یہی پہلے صاحب ہین جنھون نے یہ پیش کیا کہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین کسی شخص کے حق مین ہی استعمال نہین ہوا چونکہ یہ بات ایک صاحب علم پادری کے منہ سے نکلی تھی اسلئے ہندوستانی پادریون نے بڑے شوق سے اسکو لیلیا اور اسکی بڑی قدر کی۔ ہمین تعجب آتا ہی کہ مسٹر اوبن کو اس معاملہ مین دخل دینے کی کیا ضرورت تھی کیا ہندوستان مین پہلے ہی عیسائی جہالت کافی موجود نہ تھی۔ مسٹر اوبن عربی سے ایسا ہی ناواقف معلوم ہوتا ہی جیسا کہ یہان کے انگریز اکثر ہندوستانی بولی سے ناواقف ہوتے ہین۔ اگر وہ عربی سے خوب واقف ہوتا تو یہ بیہودہ بات کبھی پیش نہ کرتا کہ قرآن شریف مین جرم کا استعمال نہ نبی پر آیا ہی نہ غیر نبی پر۔ مگر افسوس ہے کہ ہندوستانی بھائیون نے اسکو

بیانکو خیر مقدم کہا صرف اسلیئے کہ یہ بات تصور آئی ہی انکو یہ خبر نہ تھی کہ اس امر مین وہ بھی انکی طرح نابینا ہے
اس امر مین اناگھاٹ کے ایک پادری مسٹر مارنو نے جو حصہ لیا وہ اس سے نہایت ہی ہنسی آتی ہی چونکہ یہ شخص
عربی سے ناواقف تھا اسلیے اسکو بیسن کے بیان کی اغویت نظر آئی جس طرح جاہل لوگ دوسرے کی باتپر اعتبار
کرلیا کرتے ہین اسی سادگی سی آپ نے بھی مسٹر اوبسن کے بیانپر یقین کرلیا اور چاہا کہ اس نکتہ سے بڑا فائدہ اٹھائے
دینی سمجھا کہ ریویو آف ریلیجنز کا ایڈیٹر خوب قابو مین آگیا ہی کیونکہ وہ عمداً ایک بڑی سخت غلط بیانی کا مرتکب ہوا ہے
اسنے مناسب سمجھا کہ ایڈیٹر ریویو کی گرفت کیلیئے موقعہ کو ہاتھ سے جانے دے اس بیچارہ کو اپنی آنکھونکا شہتیر نظر آیا وہ
یہ نہین دیکھ سکا کہ مین مسٹر اوبسن کے غلط بیانی کی تصدیق کی نہین [illegible] ہین
آتی تو تعجب نہین آتا کہ وہ مسٹر اوبسن کی غلطی کو نہ دیکھ سکا کیونکہ اسمین انکی [illegible] اسکی
جہالت باوجود اپنی حماقت کے اسکو معذور ٹھہراتی ہی [illegible] ایڈیٹر ریویو پر کیون حملہ کیا
میرے خیال مین اسکو اس امر کی کافی سزا مل چکی ہی اسکا حملہ ہی اسکے لیئے کافی سزا ہو کیونکہ اس حملہ کی
اپنی پردہ دری کرائی اسکو اپنی جہالت اور مسٹر اوبسن کی بات پر حد سے زیادہ اعتبار کرلینے سے ذلت نصیب
ہوئی اور اسے اس منحوس تقریر پر لعنت بھیجنی چاہیئے جبکہ اسے اس تحریر مین حصہ لینے کا خیال آیا جسکے وہ بالکل
نا قابل تھا اور جو انجام کار اسکی پردہ دری کا باعث ہوا مین اسکو [illegible] مشورہ دیتا ہون کہ آئندہ وہ
ایسے مباحثات مین شامل ہونے کا کبھی خیال بھی نکرے جنمین ... عربی دانی کی ضرورت ہو مین امید کرتا
ہون کہ وہ اس سبق سے فائدہ اٹھائیگا اور پھر کبھی ایسے مباحثات مین دخل نہ دیگا اگر وہ بیکار نہیں بیٹھ
سکتا اور ضرور اسکے لیئے کوئی شغل چاہیئے تو مین اسکے لیئے ایک ایسی قسم کا مباحثہ تجویز کرتا ہون جسمین اسکی
ذات کیلیئے کسی پردہ دری کا خطرہ نہین - انجیل کی بنا پر ریویو آف ریلیجنز مین یسوع پر نکتہ چینی
کیگئی ہی اور عیسائی نوشتون کی شہادت پر یسوع کی عصمت پر بڑے سخت اعتراض کیئے گئے ہین
اسلیئے مسٹر مارنو کیلیئے بہت بہتر ہوگا کہ اس ضروری مسئلہ کو بحث کیلیئے لے اور اس مضمون پر

پر زور مضامین لکھے - یہ اسکے لئے زیادہ سلامتی کی راہ ہے کیونکہ اسمین اسکے لئے کسی اپنی پردہ دری کا خطرہ نہین - اگرچہ ممکن ہے کہ اس سے اس شخص کی پردہ دری ہو جائے جسکو جہالت سے وہ اپنا خدا سمجھ کے پوجتا ہے +

مگر باوجود اسکے کہ مسٹر ہانز کیلئے نہایت ہی مقدس اور اعلی درجہ کا فرض ہے کہ اپنے خدا کی خدائی کو اصلیت ثابت کرکے تھامے - مین وثوق سے کہتا ہون کہ وہ اس کلام کیلئے کبھی جرأت نہین کریگا - اسکے ایڈیٹری مین بہت سے خطوط چھپے ہین جسمین انکے ریویو آف ریلیجنز کے بعض بیانات پر اعتراض کیا ہے - مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ باوجود انکے اسقدر مذہبی جوش و تعصب کے یسوع کی عصمت پر جو اعتراض کئے گئے ہین انکا کوئی دفعیہ نہین کیا سو وہ خوب جانتا ہے کہ ایسی کوشش کرنا مفید نہین بلکہ مضر ہوگا کیونکہ ان اعتراضات کی بنا بائبل کے کھلے کھلے اور صریح الفاظ پر ہے +

یہ ماننا سچ سمجھا جاسکتا ہے کہ عیسائیون کو یہ غلطی کیونکر لگی کہ جرم کا استعمال قرآن شریف مین ہوا ہی نہین - انہے جو مضمون عصمت انبیاء پر شائع کیا تھا اسمین آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ قرآن شریف انبیاء کو گنہگار نہین ٹھیراتا اور اسکا ثبوت مین آپنے بیان کیا کہ قرآن شریف مین انبیاء کی نسبت جرم کا لفظ جو گناہ کا ٹھیک ٹھیک ترجمہ ہے کبھی نہین آیا - اگرچہ یہ لفظ قرآن شریف مین دوسرے لوگون کی نسبت بہت دفعہ آیا ہے آپکا یہ مطلب تھا کہ ایسے لفظ مثلاً مجرم - مجرمون - اجرموا - وغیرہ جو جرم کے مادہ سے نکلے ہین ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت استعمال کئے گئے ہون مگر جرم اپنی مصدری صورت مین انبیاء کی نسبت استعمال نہین ہوا - یہ کہنا انبیاء کی عصمت کی کوئی دلیل نہین ہوسکتی تھی - اگر دوسرے لفظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہین انبیاء کی نسبت استعمال کئے جاتے - صرف جرم کا مصدری صورت مین استعمال نہ ہونا تو کوئی انکی عصمت کی دلیل نہ ہوتی - جرم ایک جزو ہونیکی وجہ سے ان کلمہ کا مخذ پر ملنا ...
اور جب آپنے کہا کہ جرم کا استعمال انبیاء کے متعلق قرآن شریف مین نہین آیا اگرچہ بکثرت دوسرے لوگون کی

نسبت آیا ہی تو صریحاً جرم سے انکی مراد وہ سارے الفاظ تھے جو اس لفظ سے نکلتے ہین اور جنپر یہ لفظ عادی ہے مگر عیسائیونکو اتنا علم نہ تھا کہ وہ اس بات کو سمجھین انہون نے کسی معجم القرآن مین لفظ جرم کا دیکھا اور جب انکو اس لفظ کا پتہ نہ ملا تو انھون نے دلیری سے کہدیا کہ جرم کا استعمال قرآن شریف مین ہوا ہی نہین۔ انکو یہ معلوم نہ تھا کہ اس طرح پر اپنی جہالت کا ثبوت دے رہے ہین۔ چونکہ وہ عربی سے ناواقف تھے انکو یہ خیال نہ آیا کہ ان الفاظ کو ڈھونڈین جو جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہین اگر قرآن شریف مین دوسرے الفاظ جو جرم کے مادے سے نکلے ہوئے ہین انبیاء کی نسبت آئے ہوتے تو صرف مادے کا نہ ہونا انکی معصومیت کو ثابت نہین کرسکتا تھا۔ فرض کرو کہ زید بیان کرتا ہے کہ گناہ کا لفظ یسوع کی نسبت انجیل مین استعمال نہین ہوا اسلئے اسے معصوم سمجھنا چاہیئے۔ مگر عمر ایسے فقرے انجیل سے پیش کرتا ہے جسمین یسوع کی نسبت یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہین۔ گنہگار۔ گناہ کرنیوالا۔ گناہ کنندہ وغیرہ۔ تو کیا زید کیلئے یہ کہنا عقلمندی ہوگی کہ اگرچہ یہ الفاظ یسوع کی نسبت بیان کئے گئے ہین۔ مگر چونکہ لفظ گناہ اپنی سادہ اور غیر مرکب صورت مین یسوع کی نسبت نہین آیا اسلئے یسوع کو بے گناہ سمجھنا چاہئے۔ زید کا ایسا جواب سب مسخرہ ہوگا لیکن لفظ جرم کی صورت مین عیسائیون کا جواب اس سے اچھا کچھ نہین ہے۔ اگرچہ قریباً تمام الفاظ جو جرم کے لفظ سے نکل سکتے ہین۔ قرآن شریف مین آئے مگر وہ بیان کرتے ہین کہ چونکہ جرم کا مادہ اپنی اصل صورت مین قرآن شریف مین کبھی نہین آیا۔ اسلئے ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر نے بڑی غلط بیانی کی جبکہ اس نے کہا کہ جرم اگرچہ اکثر قرآن شریف مین دوسرے لوگون پر آیا ہے مگر انبیا کی نسبت ایکدفعہ بھی نہین آیا گویا کہ ایڈیٹر صاحب کی یہ مراد تھی کہ جرم سے نکلے ہوئے لفظ ممکن ہے کہ انبیاء کی نسبت آئے ہون مگر جرم کا مادہ قرآن شریف مین انبیاء کی نسبت استعمال نہین ہوا +

ذنب کے معنی

عیسائی بیان کرتے ہین کہ قرآن شریف انبیاء کو ایسا ہی گنہگار ٹھیراتا ہے جیسا کہ معمولی آدمیونکو۔ یہ صریحاً غلط ہے۔ اگر ایسی بات ہے۔ تو قرآن شریف ایسے الفاظ کو مثلاً جرم۔ فسق۔ جناح۔ اثم وغیرہ انبیاء کے متعلق کیون استعمال نہین کرتا حالانکہ ایسے الفاظ اکثر دوسرے لوگونکی نسبت استعمال ہوئے ہین۔ اگر قرآن شریف انکو ایسا ہی گنہگار سمجھتا ہے جیسا دوسرے آدمیون کو۔ تو کیون وہ انکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کرنے سے پرہیز کرتا ہے جو دوسرے گنہگارون کے متعلق اکثر استعمال

کرتا ہے۔ لفظ فسق۔ جرم۔ اثم۔ جناح۔ وغیرہ قرآن مین قریباً دو سو دفعہ آئے ہین۔
لیکن باوجود ان کی اس قدر کثرت استعمال کے کسی نبی کی نسبت وہ ایک دفعہ بھی استعمال
نہین کئے گئے۔ اگر لفظ ذنب اور جرم وغیرہ مین کوئی فرق نہین ہے۔ تو کیا وجہ ہے
کہ قرآن شریف نے انبیاء کے لیئے صرف ذنب کا لفظ چن لیا ہے۔ اور ہمیشہ جرم وغیرہ
الفاظ کے استعمال سے پرہیز کی ہے۔ قرآن شریف مین جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ کی نسبت
ذنب کا استعمال بہت کم ہے۔ لیکن باوجود اس کے ہم دیکھتے ہین کہ قرآن شریف دوسرے
لفظون کو چھوڑ کر انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ قرآن شریف
نے صریحاً انبیاء کے متعلق جرم اور ذنب کے لفظ استعمال مین تمیز رکھی ہے۔ جس سے
ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی انبیاء کی نسبت ذنب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ تو وہ جرم وغیرہ
کا مترادف نہین ہوتا +

(ب) ایک اور دلیل کہ ذنب ہمیشہ گناہ سرزد شدہ کے معنے نہین رکھتا۔ یہ ہے
کہ خدا تعالےٰ ذنب کی ایسے فعل کیطور پر تعریف نہین کرتا جو ہمیشہ قابل سزا ہو۔ حالانکہ
دوسرے الفاظ جرم۔ وغیرہ کی ایسی تعریف کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتون مین قابل سزا فعل نہین ٹھہراتا۔ ہمین قرآن شریف
مین کہین نہین بتلایا گیا کہ جس شخص مین صرف ذنب پایا جائے وہ ہمیشہ مستحق سزا کا
ہوتا ہے۔ مگر گناہ ایک قابل سزا فعل ہے۔ اور ہر ایک شخص جو گناہ کا مرتکب ہو سزا
کا مستحق ہوتا ہے۔ اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہین۔ کہ خدا تعالےٰ ذنب کو تمام صورتون
مین گناہ کا مترادف نہین قرار دیتا کیونکہ وہ کہین بیان نہین کرتا۔ کہ جس شخص مین ذنب
پایا جائے سو وہ ہمیشہ قابل سزا فعل کا مرتکب ہوتا ہے۔ قرآن شریف مین ایک بھی

آیت نہیں ہے۔جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ خدا تعالےٰ ذنب کی تمام صورتون کو قابل سزا ٹھہراتا ہے۔بجائے اس کے کہ عیسائی قرآن شریف سے کوئی ایسی آیت پیش کرتے جس سے پایا جاتا کہ جس شخص مین ذنب پایا جائے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔انھون نے ایسی آئتین پیش کی ہین جس مین ذنب گناہ کے لیئے آیا ہے۔گویا ہمارا یہ دعویٰ تھا کہ ذنب گناہ کے معنون مین آتا ہی نہین۔قرآن شریف سے ایسی آئتین پیش کی گئی ہین۔جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجرم لوگ اپنے ذنوب کی سزا پائین گے لیکن کیا اس سے ظاہر ہوتا ہے۔کہ جس مین ذنب پایا جائے وہ سزا پائے گا۔ان آیتون سے تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے۔کہ جو مجرم ہونگے وہ اپنے ذنوب کی سزا پائین گے۔

ہم عیسائی صاحبان سے ایسی آیت طلب کرتے ہین جسکے یہ معنے ہوں کہ ہر ایک مذنب سزا پائے گا۔قرآن شریف مین ایسی کئی آئتین ہین کہ جو کوئی جرم۔فسق۔اثم۔کفر کرے وہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے۔مثلاً یہ آیت ہے۔وَمَن یَاتِ رَبَّہٗ مجرماً فَاِنَّ لَہٗ جَہَنَّم۔ترجمہ۔اور جو کوئی خدا کے پاس مجرم کے طور پر آئے گا دوزخ مین ڈالدیا جائے گا لیکن ہمین کہین نہین بتلایا گیا کہ جو کوئی رب کے پاس مذنب ہو کر جاوے گا دوزخ کی سزا پاوے گا۔ایسا ہی قرآن شریف مین کئی آئتین ہین جن مین فسق۔اثم۔کفر وغیرہ تمام صورتون مین قابل سزا فعل بیان کئے گئے ہین مگر ذنب کی کہین ایسی تعریف نہین کی گئی +

مجرم۔کافر۔فاسق وغیرہ کا ذنب خالص ذنب نہین ہے کیونکہ ان صورتون مین ان لوگون کی طرف صرف ذنب ہی منسوب نہیں کیا گیا۔بلکہ ان لوگون کے ذنب کے ساتھ جرم۔کفر۔فسق وغیرہ بھی ملائے گئے ہین۔اس لیئے ہم یہ نتیجہ

نہین نکال سکتے کہ ذنب جبتک ساتھ کفر۔ جرم۔ فسق وغیرہ نہ ملا ہوا ہو۔ وہ بھی ہمیشہ قابل سزا ہوتا ہے۔ اگر مجرم کافر فاسق وغیرہ کو اس کے ذنب کی سزا مین دوزخ کا وعید سنایا گیا ہے تو اس سے ہم یہ نتیجہ نہین نکال سکتے کہ انبیاء بھی جنکی طرف جرم۔ کفر۔ فسق منسوب نہین کئے گئے۔ اپنے ذنب کے لیئے مستحق سزا ہوتے ہین۔ عیسائیون کو قرآن شریف کی رو سے ثابت کرنا چاہیئے کہ جس شخص کی طرف ذنب منسوب کیا گیا ہو۔ اور جرم۔ فسق۔ اثم وغیرہ اس کی طرف منسوب نہ کئے گئے ہون وہ بھی سزا کا ایسا ہی مستحق ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ مجرم یا اثیم وغیرہ۔ اب قرآن شریف مین خدا تعالے انبیاء کی نسبت صرف ذنب کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ اور ذنب کو وہ کہین ایسے فعل کے طور پر بیان نہین کرتا۔ جو کہ تمام صورتون مین سزا کا مستحق بنا دے۔ اور وہ جرم۔ فسق۔ اثم۔ کفر وغیرہ الفاظ انبیاء کی نسبت استعمال نہین کرتا۔ اور وہ ان فعلون کو ان کی ہر صورتون مین قابل سزا بیان کرتا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالے انبیاء کو ایسے لوگون مین شامل نہین کرتا جو کہ سزا پانے کے خطرہ مین ہوتے ہین۔ جیسا کہ وہ دوسرے لوگون کو سمجھتا ہے +

(ج) عیسائی بیان کرتے ہین کہ انبیاء بھی اسی طرح گناہ کر سکتے ہین۔ جیسا کہ دوسرے لوگ۔ اور یہ کہ انبیاء اور دوسرے لوگون مین اس بارہ مین کوئی فرق نہین۔ قرآن شریف اس کی تردید کرتا ہے وہ اس بارہ مین انبیاء اور دوسرے لوگون مین صاف تمیز کرتا ہے جب بعض لوگون نے شک کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت مین سے زیادہ حصہ لے لیا ہے تو خدا تعالے نے انکے شبہات کا اس طرح جواب دیا۔

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ - ترجمہ - نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مال غنیمت مین خیانت کرے جس طرز مین خداوند تعالےٰ نے جوابدیا ہے - اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گناہ کے بارے مین خداوند تعالےٰ انبیاء کو اور دوسرے لوگون کو مساوات کی نظر سے نہین دیکھتا خداوند تعالےٰ اُن کے شبہون کا یون جواب دے سکتا تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ مین کوئی خیانت نہین کی - برخلاف اس کے خداتعالےٰ فرماتا ہے کہ یہ ممکن ہی نہین کہ کوئی نبی ایسا کام کرے - اِس سے معلوم ہوا کہ خداتعالےٰ کے نزدیک انبیاء اور دوسرے لوگ گناہ کے معاملہ مین مساوی نہین ہین - جیسا کہ عیسائیون کا خیال ہے - خدا یہان ایک قسم کے گناہ کا ذکر اس لئے کرتا ہے کہ موجودہ صورت مین اسی قسم کا الزام لگایا گیا تھا - اور یہی الزام تھا جس سے خداتعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بری کرنا چاہتا تھا +

(۲) عیسائی لوگ بیان کرتے ہین کہ استغفار ایسے گناہون کی معافی کے لیئے ایک دعا ہے - جو سرزد ہو چکے ہین - اور جب تک کہ کوئی گناہ سرزد نہ ہو - کوئی استغفار نہین ہو سکتا یہ بیان کئی وجوہات کے رو سے غلط ہے +

(۱) استغفار کے لفظی معنے اس بیان کی تردید کرتے ہین - اس کے معنے ہین حفاظت مانگنا - گناہون سے حفاظت مانگنا صریحاً دو قسم کا ہوتا ہے ایک سرزد شدہ گناہون کے بدنتائج سے حفاظت طلب کرنا - دوسرا خود گناہون کے وقوع سے حفاظت طلب کرنا - ہم طبعی طور پر صرف یہی خواہش نہین کرتے - کہ ہمارے گذشتہ گناہ معاف ہون بلکہ یہ بھی خواہش کرتے ہین کہ آیندہ ہم سے گناہ سرزد ہی نہ ہون - اور استغفار ایک ایسی دعا ہے جس مین ہم اپنی طبعی خواہشون کو ظاہر کرتے ہین اُسکو صرف ایک خواہش

پر ہی محدود کرنا بے اتصافی ہے +

(۲) قرآن شریف میں کئی آیات ہین جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار صرف سرزد شدہ گناہوں کیلئے ایک دعا نہیں ہے بلکہ ہم بغیر کسی گناہ کے وقوع کے بھی استغفار کر سکتے ہین۔ خدا تعالے ہمین تاکید کرتا ہے کہ صبح کے وقت استغفار کیا کرو۔ اگر استغفار سرزد گناہوں کے بعد ہوتا ہے تو کیون خداوند تعالے نے صبح کا وقت خاص کیا۔ ہم سے جس وقت گناہ سرزد ہو اسی وقت استغفار کرنا چاہیئے تھا۔ مگر خدا ہمین یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم ہر روز صبح کے وقت استغفار کیا کرو وہ فرماتا ہے اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ پھر فرماتا ہے اِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ كَانُوا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ان آیات سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خدا تعالے ہمین یہی حکم نہین کرتا کہ جس وقت تم سے کوئی گناہ سرزد ہو اس وقت استغفار کیا کرو۔ بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ بغیر گناہون کے ارتکاب کے بھی ہم استغفار کیا کرین +

(۳) ایک اور آیت جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ استغفار گنہگار ہونے کا کوئی ثبوت نہین ہے۔ اس طرح پر ہے۔ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (سورۃ التحریم) اس آیت مین ہمین بتایا گیا ہے کہ بہشتی لوگ بھی استغفار کیا کرینگے۔ ان کا استغفار گناہون کے لئے نہین ہو سکتا کیونکہ بہشت میں کوئی گناہ نہین ہوگا۔ اور نہ وہ اپنی دنیاوی زندگی کے گناہون کے لئے استغفار کرین گے کیونکہ ہمین اس سے پہلی آیت مین بتایا گیا ہے کہ بہشت مین داخل ہونے سے پہلے اُن کے گناہ معاف کئے جاینگے آیت اسی طرح

ہے عسیٰ ربّکم ان یکفر عنکم سیّاتکم و یدخلکم جنّٰت تجری من تحتہا الانہار۔ پس ان کا استغفار گزشتہ گناہوں کے لیئے نہیں ہو۔ اس آیت سے ہمین پتہ ملتا ہے کہ ان کا استغفار کس غرض کے لئے ہوگا۔ چونکہ خداوند تعالےٰ کے نور کی کوئی حد نہین ہے۔ اس لئے جو نور اہل جنّت کو ملیگا وہ ان کو اس نور کے مقابل مین ناقص نظر آئیگا جو ابھی ان کو نہیں ملا۔ اس نقص کو محسوس کر کے وہ خدا سے دعا کرینگے کہ ہمارا نور پورا کر۔ اور ہماری اس ناقص حالت کو ڈھانپ دے۔ مگر وہ کبھی نور سے سیر نہین ہونگے۔ کیونکہ خدا کے نور کی کوئی حد نہین۔ اس لیئے وہ ہمیشہ زیادہ وافر زیادہ نور مانگتے رہین گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ استغفار روحانی ترقی کے لیئے ایک دعا ہے۔ چونکہ روحانی ترقی کی کوئی حد نہین۔ اس لئے انبیاء علیہم السّلام ہمیشہ دعا مین لگے رہتے ہین۔ اور ہمیشہ زیادہ نور مانگتے رہتے ہین۔ وہ کبھی اپنی روحانی ترقی پر سیر نہین ہوتے اس لیئے ہمیشہ استغفار مین لگے رہتے ہین کہ خدا ان کی ناقص حالت کو ڈھانپے۔ اور پورا ترقی کا پیمانہ دے۔ اسی وجہ سے خدا تعالےٰ اپنے نبی کو فرماتا ہے۔ قُل ربّ زدنی علماً یعنی ہمیشہ زیادہ علم کے لئے دعا کرتا رہ۔ کیونکہ جیسا خدا بے حد ہے ایسا ہی اس کا علم بھی بے حد ہے۔ الغرض اہل جنّت کا استغفار صاف یہ ثابت کرتا ہے کہ استغفار اور گناہ لازم ملزوم نہین ہین۔ اور یہ کہ ہمارا استغفار ہمیشہ اس لیئے بھی ہو سکتا ہے۔ کہ خدا ہماری کمزوریوں کو ڈھانپے اور روحانی ترقی کے لیئے طاقت دے۔ عیسائی بڑے ظالم ٹھہرینگے۔ اگر وہ اب بھی اصرار کرینگے کہ استغفار ہمیشہ گذشتہ گناہوں کی معافی کیلئے ایک دعا ہوتی ہے ؎

(۴) ایک اور آیت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار ہمیشہ گذشتہ گناہون

کے لیئے نہیں ہوتا - یہ ہے - فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا - اِس آیت
مین خداوند تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو استغفار کی تاکید کرتا ہے - یہ آیت
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تھوڑے ہی دن پہلے اُتری - اب اِس آیت
کے ساتھ یہ آیت ملاؤ - اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ - یہ آیت فتح مکہ کے وقت اُتری اس لیئے یہ آیت اوّل الذکر آیت
سے بہت پہلے کی ہے عیسائی اِس آیت کا اِس طرح ترجمہ کرتے ہین - ہم نے تجھے
ایک صریح فتح دی تاکہ ہم تیرے پہلے اور پچھلے گناہ معاف کرین * یہ عیسائیون کا
ترجمہ ہے - اِس لیئے عیسائیون کو ماننا چاہیئے کہ خدا تعالےٰ نے فتح مکہ کے وقت آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے تھے - اب جب خداوند تعالےٰ
نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے - تو پھر خداوند تعالےٰ

ریویو

یہ معنے بالصراحت غلط ہین کیونکہ اس آیت کا ربط ہی بگڑ جاتا ہے - ایک فتح کو گناہ کی معافی
سے کیا تعلق ہو - گناہون کی معافی فتح کا کوئی نتیجہ نہین ہو سکتا - یہان لفظ ذنب سے وہ
عیب مراد ہین جو کفار آنحضرتؐ کیطرف منسوب کیا کرتے تھے کہ یہ شخص مفتری اور جھوٹا ہے - خدا تعالےٰ نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح دی - جو کہ آپ کی صداقت کی علامت تھی - اور اِس طرح خداوند تعالےٰ
نے آنحضرتؐ کو فتح دیکر اِن تمام الزامون کو دور کر دیا جو کفار آنحضرتؐ کی طرف منسوب کیا
کرتے تھے - خدا تعالےٰ نے آپ کے سلسلہ کو پوری کامیابی دی - اور آپ کے دشمنون
کو ہلاک کیا - اور اِس طرح آپ کی سچائی کی شہادت دی - ربط کلام اِن معنون کی
تائید کرتا ہے *

نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کیون استغفار کی تاکید کی۔ اگر ہم عیسائیون کے ترجمہ کو بھی مان لین۔ تو ہمین نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ جب خداوند تعالےٰ نے گناہ معاف کرنیکے بعد استغفار کی تاکید کی تو وہ استغفار گذشتہ سرزد شدہ گناہون کے لیئے نہین تھا۔ کیونکہ آپ کے سارے گناہ تو معاف ہوچکے تھے یہ کس طرح ممکن ہے کہ خداوند تعالےٰ اول سارے گناہون کو معاف کرے۔ اور پھر بعد اس کے گناہون کی معافی منگوائے پس عیسائیون کو ماننا چاہیئے کہ یہان وَاسْتَغْفِرْہُ کے معنے یہ نہین کہ گناہون کے لیئے معافی مانگ بلکہ یہان استغفار کے معنے خداوند تعالےٰ سے قوت طلب کرنا ہے تاکہ وہ روحانی منزل کے طے کرنے مین طاقت بخشے۔ سیاق کلام بھی اس معنے کی تائید کرتا ہے اس سورۃ (یعنی النصر) مین خداوند تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامل کامیابی کا ذکر کرتا ہے۔ اور آپکے قرب موت کیطرف اشارہ کرتا ہے۔ اور تاکید کرتا ہے کہ زندگی کے باقی دنون مین صرف دعا مین لگ جائے +

(۵) عیسائی بیان کرتے ہین کہ استغفار نہین ہوسکتا جب تک کہ گناہون کا ارتکاب نہو اور یہ کہ جتنا زیادہ کوئی استغفار کرے اتنا ہی زیادہ وہ گنہ گار ہوتا ہے۔ اس خیال کی قرآن شریف تردید کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریباً ایک دن مین ستر دفعہ استغفار کیا کرتے تھے۔ اور آپ ساری عمر ایسا ہی کرتے رہے اب عیسائیون کے نزدیک یہ بار بار کا استغفار گناہون کی زیادتی کو ظاہر کرتا ہے۔ مگر قرآن شریف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت بڑے تعریف والے کلمے بیان کرتا ہے مثلاً اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔ نیز یہ آیت قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ پھر خداوند تعالےٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر فرماتا

اب ان تمام آیتوں سے اِس نتیجہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار کا استغفار کثرت گناہوں کی وجہ سے تھا اگر ایسا ہوتا تو خداوند تعالےٰ ایسے الفاظ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یاد نہ فرماتا جن کا اوپر ذکر ہوا ہے +

(۹) خداوند تعالےٰ مسلمانوں کو حکم کرتا ہے کہ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر چلیں اور آپ کے ہر ایک قول و فعل کی پیروی کریں چنانچہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسوۃٌ حَسَنَة۔ پھر فرماتا ہے۔ اِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال عیب سے خالی نہ تھے تو کیوں ہم پر واجب کیا کہ ہم آپ کے نمونے پر چلیں۔ جب خدا نے ابراہیم علیہ السلام کے نمونے پر چلنے کی تاکید فرمائی تو ساتھ ایک استثنا دیا + مگر آنحضرت کی صحبت میں کوئی استثنا نہیں کیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال غلطی سے پاک تھے +

کیا عیسائی قرآن شریف سے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر سکتے ہیں

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر استغفار و گناہ لازم ملزوم ہیں تو اس سے ماننا پڑتا ہے

دیکھو آیت قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم ...... الا قول ابراهيم لابيه لاستغفرن لك (الممتحنة) اسی آیت و ما كان استغفار ابراهيم لابيه الا عن موعدة وعدها اياه فلما تبين له انه عدو لله تبرا منه ان ابراهيم لاواه حليم پ ۱۱ ع -

کہ قرآن شریف کے رو سے حضرت مسیح بھی بے گناہ نہیں ہیں ۞

(الف) قرآن شریف میں ہے یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ یعنے خدا کے فرشتے کل اہل زمین کیلئے استغفار کرتے ہیں۔ اب اگر استغفار کے لئے گناہ کا ہونا ضروری ہو تو ہمیں ماننا پڑتا ہے۔ کہ حضرت مسیح بھی بیگناہ نہ تھے۔ کیونکہ وہ بھی اہل زمین میں شامل ہیں جنکے لیئے فرشتے استغفار کرتے ہیں ۞

(ب) قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔ کہ فرشتوں کا استغفار خاصکر مومنوں کیلئے ہوتا ہے۔ وہ آیت اس طرح ہے یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ قرآن شریف کی رو سے تمام لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں ایک مومن دوسرے غیر مومن حضرت مسیح مومنوں میں شامل ہیں اور ویسے فرشتے ان کے لیئے بھی استغفار کرتے ہیں۔ پس اگر استغفار سے گنہگار ہونا لازم ہوتا ہے تو پھر حضرت مسیح بے گناہ نہیں ہوسکتے ۞

(ج) قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام گذشتہ انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے تھے۔ چنانچہ خداتعالے فرماتا ہے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ الخ (آل عمران رکوع ۹)

مسٹر ایم۔ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ۔ کا عجیب ترجمہ کرتا ہے اس کا ترجمہ کرنے کے واسطے وہ قرآن شریف کی ایک اور آیت کی طرف رخ کرتا ہے یعنے وَلَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ اور ان دونوں آیتوں کو ملانے کی کوشش کرتا ہے۔ پچھلی آیت کا یہ معنے ہے کہ خدا نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ اور پہلی آیت اپنی ترکیب کے لحاظ سے بالکل پچھلی آیت کے مشابہ ہے۔ اس لیئے

اسکے معنی یون کرنے چاہئیں کہ خدانے انبیا سے عہد لیا۔ دونو ترکیبین بالکل مشابہ ہین۔ اور اگر لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنی ہین کہ خدانے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ تو دوسری آیت کے یہ معنی ہونے چاہئیں کہ خدانے انبیاء سے عہد لیا۔ صرف ہمنے ایک آیت مین انبیاء کا لفظ رکھنا ہے اور دوسری آیت مین بنی اسرائیل کا لفظ۔ باقی حالتون مین دونو عبارتین بالکل ایک ہی ہین لیکن بجائے اسکے کہ مسٹر اے۔ ایم اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین کا اسی طرز سے ترجمہ کرے جس طرح وہ دوسری عبارت کا ترجمہ کرتا ہے۔ وہ اذ اخذ اللّٰہ میثاق النبیین کا بہت ہی خلاف محاورہ ترجمہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسکے معنے یہ ہین کہ خدانے انبیاء کے بارے مین بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ بنی اسرائیل کا لفظ وہ اپنی طرف سے ملاتا ہے۔ ایک طرف تو وہ میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنی کرتا ہے کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دوسری طرف میثاق النبیین کا یون ترجمہ کرتا ہے کہ انبیاء کے بارے مین بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ دونو عبارتین بالکل مشابہ ہین۔ اسلئے اگر میثاق بنی اسرائیل کے یہ معنے ہین کہ بنی اسرائیل سے عہد لیا تو میثاق النبیین کے یہ معنے ہونے چاہئے کہ نبیون سے عہد لیا +

اس کا یہ اعتراض۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے مین کوئی نبی زندہ نہ تھا جو آپ پر ایمان لاتا۔ اور آپکی نصرت کرتا۔ لغو ہے۔ خدانے یہ عہد ہر ایک نبی سے کیا۔ جو آنحضرت سے پہلے گذرا۔ اور خدا کی وحی انبیاء پر اترتی تھی۔ نہ کہ عام لوگون پر۔ لیکن انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کا یہ حکم اپنی اپنی امتون کو پہونچاتے۔ اور انکو تاکید کرتے کہ جب موعود نبی ظاہر ہو تو اس پر ایمان لانا اور اسکی امداد کرنا۔ مگر وہ اس حکم کو نہین بجا لا سکتے تھے جبتک وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لاتے۔ جب انھون نے آنحضرت کی آمد کی پیشگوئی کی۔ تو لازم تھا۔ کہ وہ خود بھی آپ کی نبوت پر ایمان لاتے۔ اگر مسٹر اے ایم کا اعتراض صحیح ہوتا ہے۔ تو وہ اسکے معنون کو

بھی ایسا ہی پڑتا ہی۔ اگر عہد بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا۔ تو وہ بنی اسرائیل کی کوئی خاص نسل ہوگی اگر انبیاء آنحضرتؐ کے زمانے تک زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ تو بنی اسرائیل بھی زندہ نہ رہ سکتے تھے۔ وہ نسل اپنے نبی کے ساتھ ہی گذر گئی ہوگی۔ تو پھر وہ کس طرح آنحضرتؐ کے زمانے کو دیکھ سکتی تھی اسلئے دونو صورتون مین جن لوگونسے عہد کیا گیا۔ وہ بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اسلیئے دونو صورتون مین خدا کے حکم کی تعمیل کرنیوالے وہی لوگ ٹھیرتے ہین جو آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت موجود تھے۔ اور اپنے انبیاء کے قایم مقام تھے۔ پس ہمین صرف یہی دیکھنا چاہیئے کہ عہد کن سے کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ عہد انبیاء سے کیا گیا۔ خدا سے الہام پاکر انبیاء کا فرض تھا کہ خدا کے اس حکم کو اپنی امتون تک پہونچا دین اور انکو تاکید کرین کہ موعود نبی پر ایمان لانا اور اسکی مدد کرنا۔ لیکن وہ کس طرح اورونکو تاکید کرسکتے تھے۔ جبتک کہ وہ خود آنحضرتؐ کی نبوت پر ایمان نہ لاتے انبیاء کی نصرت تو یہی تھی۔ کہ وہ اپنی اپنی امتونکو تاکید کر جاوین۔ کہ موعود نبی پر ایمان لانا۔ اور اس کی نصرت کرنا +

اب چونکہ حضرت مسیح بھی انہی انبیاء مین سے ہین جن کا اس آیت مین ذکر ہے۔ اسلیئے ثابت ہوا کہ وہ بھی آنحضرتؐ کی نبوت پر ایمان لاتے تھے۔ اور اسلیئے مومنین مین شامل تھے۔ اب خدا تعالے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہی۔ استغفر لذنبک وللمومنین والمؤمنٰت۔ اب اگر استغفار کیلیئے گناہ لازم ہی۔ تو ثابت ہوا۔ کہ حضرت مسیح بھی بے گناہ نہین تھے۔ کیونکہ آپ بھی مذکورہ بالا آیت کے مطابق مومنین مین شامل تھے۔ جن کیلیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو استغفار کا حکم ہے +

کیا یہودیونکی نسبت جرم کا لفظ قرآن شریف مین نہین آیا

عیسائی نامہ نگارون نے بیان کیا ہی۔ کہ اگر انبیاء کی کی نسبت جرم کا لفظ نہین آیا۔ تو یہودیونکی

نسبت بھی نہین آیا یہ انکی جہالت کا دوسرا ثبوت ہے۔ یہودیونکی نسبت کئی جگہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین آیا ہی۔ نمونہ کیلیے صرف تین آئتین لکھنی کافی ہونگی۔ ایک آیت یہ ہے۔ وعلی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر۔ ومن البقر والغنم حرمنا علیھم شحومھما الا ما حملت ظھورھما او الحوایا او ما اختلط بعظم۔ ذلک جزینٰھم ببغیھم و انا لصادقون۔ فان کذبوک فقل ربکم ذو رحمة واسعة ولا یرد باسه عن القوم المجرمین (الانعام رکوع ۱۸) اس آیت مین یہودیون کا ذکر ہی جن کی نسبت لفظ مجرمین آیا ہی۔ دوسری آیت یہ ہے۔ ولقد ارسلنا من قبلک رسلاً الی قومھم فجاءوھم بالبینات فانتقمنا من الذین اجرموا۔ وکان حقاً علینا نصر المومنین۔ (الروم رکوع ۵) اس آیت مین گذشتہ انبیاء کے دشمنونکو مجرم بیان کیا ہی۔ حضرت مسیح بھی انہی نبیون مین شامل ہین اسلیے انکے دشمن قرآن شریف کی رو سے بھی مجرم ٹھیرتے ہین۔ اب ہم عیسائی صاحبان سے پوچھتے ہین کہ آیا یہودی حضرت مسیح کے دشمن تھے یا دوست۔ اگر وہ آپکے دوست تھے۔ تو بیشک وہ مجرم نہیں ہین۔ لیکن اگر وہ آپکے دشمن تھے تو پھر قرآن شریف کی رو سے وہ مجرم ٹھیرتے ہین۔ تیسری آیت یہ ہی۔ وکذٰلک جعلنا لکل نبیٍ عدواً من المجرمین (پارہ ۱۹ رکوع ۱) اس آیت سے بھی انبیاء کے دشمن مجرمین کے لفظ سے پکارے گئے ہین۔ اور اسلئے یہودی بھی مجرم ٹھیرتے ہین کیونکہ وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے جانی دشمن تھے۔ اور آنحضرتؐ کے بھی دشمن تھے *

عیسائی نامہ نگارون کو اپنے اس بیہودہ قول سے شرم کرنی چاہیئے۔ کہ قرآن شریف مین جرم کا لفظ یہودیون کیطرف منسوب نہین کیا گیا۔ ان کا یہ قول بھی ایسا ہی بیہودہ ہے جیسا کہ ان کا پہلا قول۔ کہ جرم کا لفظ قرآن شریف مین آیا ہی نہین۔ اس سے عیسائی نامہ نگارون نے صرف اپنی کم علمی کا ہی ثبوت نہین دیا۔ بلکہ اپنی کم فہمی کا بھی ثبوت دیا ہی۔ اگر قرآن شریف مین

یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی آتا۔ تو کیا پھر وہ انبیاء سے مساوی ٹھیر سکتے تھے۔ خدا ان کی نسبت انکی بدعملی اور بدی بیان کرتے ہوئے ہر ایک لفظ سے کام لیتا ہے۔ جو خیال میں آسکتا ہے۔ ان کو فاسق۔ ملعون۔ کافر۔ معتدین۔ شیاطین۔ ظالم۔ بندر۔ مغضوب علیہم وغیرہ بیان کرتا ہے۔ ان الفاظ کے مقابل اگر قرآن شریف یہودیوں کی نسبت جرم کا لفظ نہ بھی بیان کرتا تو کیا وہ انبیاء کیطرح بے گناہ ثابت ہوسکتے تھے جنکے متعلق ان الفاظ میں سے کوئی بھی استعمال نہیں ہوا +

احادیث اور عصمت انبیاء

عیسائیوں کی کوشش کہ احادیث کے الفاظ کی بناء پر کوئی نتیجہ نکالیں۔ عبث ہے۔ پہلے انھیں ثابت کرنا چاہیے۔ کہ یہ ہوبہو وہی الفاظ ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے۔ اور پھر انسے نتیجہ نکالنا چاہیئے وہ نتائج جو صرف احادیث کے الفاظ پر مبنی ہوں۔ پختہ نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ بناء انکی پختہ نہیں۔ قرآن شریف کے الفاظ کی بناء پر ہم نتائج قائم کرسکتے ہیں مگر احادیث کے الفاظ پر کوئی نتیجہ قائم نہیں کرسکتے۔ احادیث میں جو دعائیں مذکور ہیں اُنسے عیسائی عدم عصمت کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ مگر وہ ان دوسری احادیث کیطرف توجہ نہیں کرتے جن سے عصمت ثابت ہوتی ہے صرف دعاؤں کے الفاظ کی بناء پر نتیجہ نکالنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ پیشتر اسکے کہ ہم ان الفاظ سے نتیجہ نکالیں ہمیں پہلے یقینی طور پر ثابت کرنا چاہیے۔ کہ ہوبہو یہی الفاظ بلا کم وکاست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے۔

احادیث میں جو واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ اُنسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ اور کوئی بھی صحیح حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے اسکے برخلاف نتیجہ نکال سکیں۔ میں یہاں نمونہ کیطور پر ایک حدیث مسلم سے درج کرتا ہوں جس سے صاف طور پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت ثابت ہوتی ہے۔ وعن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکۃ

قالوا وَ ایاکَ یا رسول اللہ قال و ایای ولکن اللہ اعاننی عَلَیْہِ فَاسلم فَلا یامرنی الا بخیر۔ ترجمہ۔ ابن مسعود روایت کرتا ہی کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مین سے ایسا کوئی نہین کہ جسکے ساتھ ایک جن اور ایک فرشتہ نہو پھر لوگون نے کہا یا رسول اللہ آپکے ساتھ بھی ہین فرمایا ہان میرے ساتھ بھی ہین لیکن اللہ نے مجھے اسپر مدد دی ہی پس وہ مسلمان ہوگیا ہی اور مجھے سوا بھلائی کے اور کسی چیز کا حکم نہین دیتا +

قرآن شریف مین کسی نبی کے گناہ کا ذکر نہین ہے

مین یہان انبیاء کا ذکر کرتا ہون جنکی نسبت عیسائی بیان کرتے ہین۔ کہ قرآن شریف مین انکے گناہون کا ذکر ہے۔ اور دیکھتا ہون کہ اُن کا یہ قول کہانتک صحیح ہے +

حضرت آدم کی نسبت تو خدا خود فرماتا ہے۔ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا۔ یعنی آدم نے یہ کام ارادتاً نہین کیا۔ اب گناہ تو ارادہ پر منحصر ہے۔ اگر ایک شخص زہر پی لے اور اُسکو علم ہو کہ یہ زہر ہے۔ اور اس کا نتیجہ موت ہوگا۔ تو ایسی صورت مین وہ ایک گناہ کا مرتکب ہوتا ہے لیکن اگر وہ اسکو بغیر علم کے پی لے تو اگرچہ اسکو نتیجہ تو بھگتنا پڑیگا۔ مگر یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُسنے گناہ کیا۔ یہی حال حضرت آدم علیہ السلام کا ہی ہمین بائبل سے معلوم ہوتا ہی کہ حوا نے اِنکو یہ پھل دیا تھا۔ اِنکو یہ علم نہ تھا کہ یہ وہی ممنوع پھل ہی۔ اِن کا یہ کام بیشک خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھا۔ مگر اُنھون نے اِس حکم کو عمداً نہین توڑا۔ اِس لئے ہم یہ نہین کہہ سکتے۔ کہ اُنھون نے گناہ کیا۔ اس پھل کے کھانیکا وہی نتیجہ نِکلا۔ جو زہر کھانے سے نکلتا ہی۔ کیونکہ قدرت اپنا کام کرنے سے نہین رک سکتی۔ مگر اِس صورت مین کوئی گناہ نہین تھا۔ کیونکہ کوئی ارادہ نہین تھا +

حضرت آدمؑ کبھی شرک کے مرتکب نہین ہوئے۔ شرک ایک ناقابل عفو گناہ ہی۔ اور خدا

کے پاک لوگ ایسا گناہ ہنین کرسکتے جس آیت کا عیسائی حوالہ دیتے ہین۔ اس مین حضرت آدم کا نام ہنین ہی اسمین صرف عام انسانونکے میلان کا ذکر ہی جو شرک کیطرف ان مین پایا جاتا ہی +

حضرت موسےٰ علیہ السلام نے جو مکا مارا تھا۔ وہ ناجائز محل پر نہین تھا۔ اُنھون نے اپنی جماعت کے ایک آدمی کی ایک دشمن کے مقابل حمایت کی اور موت کا واقع اتفاقی تھا۔ اِنکا ارادہ قتل کا ہنین تھا۔ خدا تعالےٰ کوئی گناہ اُنکی طرف منسوب نہین کرتا +

حضرت ہارون علیہ السلام کو عیسائیون نے یہ الزام لگایا ہی۔ کہ اُنھون نے بت پرستونکی امداد کی اور اس مین شریک ہوئی۔ یہ خالص جھوٹ ہے۔ قرآن شریف سے ہمین اتنا معلوم ہوتا ہی۔ کہ وہ حضرت موسیٰ کی غیر حاضری مین قوم کو گوسالہ پرستی سے روک نسکے اور یہ قصہ قرآن شریف مین ہنین ہی۔ اگر دوسرے لوگ بائیبل کی جھوٹی کہانیان درج کردین۔ تو قرآن شریف ایسے افسانون کا ذمہ وار نہین ہے۔

حضرت مسیح نے کہا۔ کہ مین یونسؑ نبی کا نشان دکھاؤنگا۔ کیا اِن کا یہ مطلب تھا کہ مین بھی یونسؑ کیطرح ایک گناہ کا ارتکاب کرونگا۔ یہ افسوس کی بات ہے۔ کہ جسکو حضرت مسیحؑ یونسؑ کا معجزہ قرار دیتے ہین۔ اِسکو آجکل کے عیسائی گناہ یا گناہ کی سزا بیان کرتے ہین +

بالآخر کیا عیسائیون کیلئے یہ مناسب نہین۔ کہ پہلے یسوع کو اِن گناہونسے بری کرکے دکھائین جن کا ذکر انجیل مین ہی۔ بجائے اِسکے کہ دوسرے انبیاء کو گنہگار ثابت کرنیکی کوشش کرین +

عِصمت کیونکر ثابت ہوسکتی ہے

اب مین دیکھتا ہون کہ جس مسئلہ عصمت اور شفاعت کو عیسائیونکی طرف سے بار بار پیش کیا جاتا ہی وہ ایک سراسر دھوکہ ہی جو عیسائیون کو لگا ہوا ہی غرض اگر معصوم کے یہ معنے ہین کہ کوئی دشمن کسی کی عملی زندگی کی نسبت کوئی نکتہ چینی نکرے تو ادہم یہود کی کتابین دکھلاتے ہین جنھون نے حضرت مسیح اور اُنکی ماں کے چال چلن پر بہت نکتہ چینی کی ہی اور اگر معصوم ہونیکے یہ معنے ہین کہ کوئی شخص اپنے

منہ سے یہ کہے کہ مین نیک ہون تو آؤ ہم انجیل سے آپ لوگون کو دکھلاتے ہین کہ مسیح نے اقرار کیا ہے کہ مین نیک نہین ہون پس جبکہ خود مسیح ابن مریم کی عصمت کسی طور سے ثابت نہین ہو سکتی بلکہ انجیلون سے بعض حرکات اسکی عصمت کے برخلاف ثابت ہوتی ہین جیسا کہ شراب پینا انجیل کے ابدی احکام حرمت خنزیر و ختنہ وغیرہ کا توڑنا ناحق دوسرونکے مالونکو نقصان پہونچانا فقیہون فریسیون کو گالیان دینا بدکردار عورتون کو جسم چھونے کا موقعہ دینا حرام کا تیل سر پر ملوانا شاگردون کو غیر لوگون کے کھیتون سے خوشے توڑنے سے منع نکرنا۔ اب بتلاؤ کہ یہ تمام امور گناہ ہین یا نہین۔ اگر شراب پینا اچھا کام تھا تو یوحنا نے شراب پینے سے کیون نفرت کی۔ دانیال نے کہا کہ شراب پینے والون پر آسمان کے دروازے بند رہتے ہین۔ ختنہ جو ابدی حکم تھا اس سے کیون روکدیا حالانکہ آجکل کی تحقیقات کے روسے بھی وہ بہت سے امراض کو مفید ہے ایسا ہی سؤر ہمیشہ کیلئے حرام تھا اسکو کھانے کا کیون فتویٰ دیا اور خود کہا کہ توریت منسوخ نہین ہوئی۔ اور پھر آپ ہی اُسے منسوخ کیا اور یاد رکھنا چاہیئے کہ مسیح ابن مریم کی عصمت انجیل کے روسے ثابت کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ اس مسلول کی صحت ثابت کرنا جسکا مرض ذبول اور دستون کی حالت تک پہونچ چکا ہے کیا ضروری نہ تھا کہ پہلے حضرت مسیح کی عصمت ثابت کر لیتے پھر دوسرون پر نکتہ چینی کرتے قرآن مین استغفار کا لفظ دیکھ کر فی الفور یہ دعویٰ کر دینا کہ اس سے گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور انجیل کے اس لفظ کو ہضم کر جانا کہ مین نیک نہین کیا ایمانداری ہے پھر ان سب باتون کے بعد ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ آخرت کا شفیع وہ ثابت ہو سکتا ہے جسنے دنیا مین شفاعت کا کوئی نمونہ دکھلایا ہو سو اس معیار کو آگے رکھکر جب ہم موسیٰ پر نظر ڈالتے ہین تو وہ بھی شفیع ثابت ہوتا ہے کیونکہ بارہا اسنے اترتا ہوا عذاب اُن سے ٹالدیا اسکی توریت گواہ ہے اسی طرح جب ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ

علیہ وسلم پر نظر ڈالتے ہین تو آپکا شفیع ہونا اجلے بدیہیات معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپکی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ آپنے غریب صحابہ کو تخت پر بٹھا دیا اور آپ کی شفاعت کا ہی اثر تھا کہ وہ لوگ باوجود اسکے کہ انھون نے بت پرستی اور شرک مین نشو و نما پایا تھا ایسے موحد ہو گئے جنکی نظیر کسی زمانہ مین نہین ملتی اور پھر آپکی شفاعت کا ہی اثر ہی کہ اب تک آپکی پیروی کرنیوالے خدا کا سچا الہام پاتے ہین خدا اُن سے ہمکلام ہوتا ہے مگر مسیح ابن مریم مین یہ تمام ثبوت کیونکر اور کہان سے مل سکتے ہین ہمارے سید و مولے محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر اِس سے بڑھکر اور زبردست شہادت کیا ہوگی کہ ہم اِن جناب کے واسطے جو کچھ خدا سے پاتے ہین ہمارے دشمن وہ نہین پا سکتے اگر ہمارے مخالف اِس امتحان کیطرف آوین تو چند روز مین فیصلہ ہو سکتا ہی مگر وہ فیصلہ کے خواہان نہین ہین وہ اسی خدا کو ماننے کیلئے ہمین مجبور کرتے ہین جو نہ بول سکتا ہی نہ دیکھ سکتا ہی اور نہ پیش از وقت کچھ بتلا سکتا ہی مگر ہمارا خدا اِن سب باتون پر قادر ہی۔ مبارک وہ جو ایسے کا طالب ہو ✝

عصمت انبیاء پر پادری مانرو کے رسالے

پادری مانرو رانا گھاٹ میڈیکل مشن کے پادری نے اخبار "ایپی فنی" کے ایڈیٹر کی مہربانی سے ایک رسالہ عصمت انبیاء پر نکالا ہی جو کہ اِسکے ایک پہلے شائع شدہ رسالے کا دوسرا حصہ ہی جو اسی مضمون پر مشتمل تھا۔ ہم خود بھی منتظر تھے کہ پادری صاحب کے قلم سے عصمت انبیاء کا دوسرا حصہ نکلنا چاہیئے۔ لیکن ہمین بڑی امید تھی کہ اِس دفعہ پادری صاحب اِس انسان کی عصمت کے مسئلہ کیطرف توجہ کرینگے جسکو وہ خوش اعتقادی سے خدا سمجھے بیٹھے ہین۔ اس مضمون پر پادری صاحب کی مضمون نگاری کے دیکھنے کا ہمین شوق تھا لیکن اِس مین ہمین مایوس ہی ہونا پڑا ہی لیکن چونکہ پادری مانرو صاحب ہندوستان مین یسوع کی انجیل کو واعظ بنکر آئے ہوئے ہین اسلئے امید ہی کہ وہ بہت جلد ایک تیسرا حصہ شائع کر کے یہ

ثابت کرینگے کہ جو اقوال و افعال یسوع کے انجیل مین لکھے گئے ہین ان سے اسکی معصومیت ثابت ہوتی ہے

عصمت انبیاء کا مسئلہ مسلمانون مین عام طور پر مانا جاتا ہے۔ جن لوگون نے عصمت مین طعن کیا ہے انکی ذاتی رائین ساری مسلمان دنیا کے مضبوط اعتقاد کے خلاف کچھ بھی وقعت نہین رکھتین اغلب ہے کہ اس قسم کے بیہودہ خیالات اسلام مین ان لوگون کے ذریعہ سے آئے ہین جو دوسرے مذاہب کو چھوڑ کر اسلام مین داخل ہوئے تھے اور اسلئے بعض مسائل مین اپنے پہلے خیالات پر ہی مجبور ہے۔ لیکن پادری صاحبان کی یہ کسقدر بڑی بے ایمانی ہے کہ وہ پبلک کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہین کہ قرآن شریف اور اسکی تمام معتبر تفسیرین عصمت انبیا کا انکار کرتی ہین حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ وہ قصے جنکو پادری مانرو انبیا کے گنہگار ہونیکا قطعی ثبوت خیال کرتا ہے اور جنکا قرآن کریم مین کوئی ذکر نہین ہے ان کو بڑے معتبر اور محقق مفسرین نے جھوٹے اور وضعی ٹھیرا کر رد کیا ہے۔ جو جو الزامات اس رانگھاٹ کے پادری نے انبیا علیہم السلام پر لگائے ہین اور جنکی بنا وہ قرآن شریف کو ٹھیراتا ہے قرآن کریم کے الفاظ انکے ایک شوشہ کی بھی تائید نہین کرتے۔ اس سے بڑھکر کونسی بے ایمانی ہوسکتی ہے کہ عوام کو یہ دھوکا دیا جائے کہ فاضل اور محقق مفسرین کی رائے ایسی اور ایسی ہے حالانکہ اس رائے کو محقق مفسرین رد کرچکے ہین علاوہ ازین کسی مفسر کی رائے ہر ایک حالت مین قابل تسلیم نہین ہوسکتی مسلمانو کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیرین خدا کا کلام نہین ہین جنکے ہر ایک لفظ کا وہ اپنے آپکو پابند خیال کرتے ہون ہان اگر کسی لفظ یا آیت کی تفسیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلی ہوئی ثابت ہو تو اسکو بیشک یقینی طور پر صحیح اور قابل اتباع مانا جائیگا۔ لیکن جن قصون کی بنا پر عصمت انبیا مین طعن کیا جاتا ہے ان مین سے کوئی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف یقینی طور سے منسوب نہین کیا جاسکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ مع تمام حرکات و سکنات و وقفون کے آج اسی طرح محفوظ ہمارے پاس موجود ہین جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے وہ نکلے تھے اور اکثر

حالتون مین آسانی سے سمجھ آسکتا ہے کہ کسی فقرہ پر بلحاظ سیاق و سباق کے کونسے معنی چسپان ہین اور کونسے وہ معنی ہین جو قرآن شریف کے عام مفہوم کے مطابق ہین قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اِسکے بعض حصے دوسرونکے معنون پر روشنی ڈالتے ہین - اِسلئے جو جو سوالات پادری مانرو نے پیش کئے ہین اُن کا جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ ہی کو پیش کرینگے اور معنی کرنے مین اُنھین معنون کو صحیح سمجھینگے جو قرآن شریف کے دوسرے حصون کے مخالف نہون اور جنکا مؤید خود قرآن شریف ہو - اگر کبھی کہین کہین کسی تفسیر کا حوالہ ہوگا تو وہ صرف تائیدی رنگ مین ہوگا - لیکن ہماری تحقیقات کی بنیاد صرف قرآن شریف کے الفاظ پر ہی ہوگی - اگر پادری صاحبان کا یہ منشا ہے کہ مباحثہ کو نیک نیتی اور ایمانداری سے جاری رکھین تو اُن کا فرض ہے کہ وہ بھی قرآن شریف کے الفاظ کی بنیاد پر ہمارے بیانات کی تردید کرین اور بجائے اِسکے کہ معتبر اور محقق مفسرین کی رائے کا اخفا کر کے جھوٹے قصون کو تمام مسلمان مفسرین کیطرف منسوب کرین صاف لفظون مین اسبات کا اقرار کرین کہ معتبر اور محقق مفسرین جیسے مثلاً امام رازی صاحب تفسیر کبیر ان جھوٹے قصونکو مردود ٹھیراتے ہین جو پادری اپنے الزامات کی تائید مین پیش کرتے ہین - اگر ضروری ہوا تو ہم آیندہ یہ بھی ثابت کر کے دکھائینگے کہ ان مردود قصونکو جنھین پادری مانرو نے انبیا علیہم السلام پر الزام لگاتے وقت پیش کیا ہے تمام محقق مسلمان مفسرین نے سیاہ جھوٹ ٹھیرایا ہے +

اِس وقت ہم سب سے پہلے ان افعال کی حقیقت پر بحث کرتے ہین جنکو انبیا کیطرف گناہ ٹھیرا کر منسوب کیا جاتا ہے اور اِسکے بعد ہم اِس مسئلہ کے دوسرے پہلوؤن پر غور کرینگے جیسے الفاظ ذنب وغیرہ کے معنے - استغفار کے متعلق ہم مفصل بحث اِس رسالہ کی ابتدا مین کر چکے ہین اور اِسلئے بجائے اسکے اعادہ کرنیکے ناظرین کو اسی کا حوالہ دیتے ہین +

جیساکہ اِس سے پہلے مفصل بیان کیا جاچکا ہی گناہ کی تعریف یہہ ہی کہ گناہ ایک فعل کو
اس وقت کہا جائیگا جب کہ ایک انسان اِس فعل کے ذریعہ سے خدا کے حکم کو توڑ کر سزا کے لایق ٹھہرے
اِس صورت مین ضروری ہی کہ گناہ کے صادر ہونے سے پہلے خدا کا حکم موجود ہو اور نیز اس گناہ کے مرتکب کو
وہ حکم پہونچ بھی گیا ہو اور نیز اس فعل کے مرتکب کی نسبت عقل تجویز کر سکتی ہو کہ اِس فعل کے
ارتکاب سے وہ درحقیقت سزا کے لایق ٹھہر گیا ہی لیکن قبل اِسکے کہ ہم اِن افعال پر بحث کرین جنکو
انبیا کی گناہ کہا جاتا ہی اِس امر کیطرف ناظرین کو توجہ دلانا ضروری ہی کہ انبیا علیہم السلام کو خدا
نے ہر ایک قسم کی سزا سے ہمیشہ کیلئے بری ٹھیرا لیا ہے چنانچہ قرآن شریف سورۂ **انبیاء** مین صاف
الفاظ مین فرماتا ہی اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ
لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ لَا يَحْزُنُهُمُ
الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝
(الانبیاء۔ رکوع ۷) ترجمہ جن کیلئے ہمنے پہلے سے ہی نیک بدلا کر رکھا ہی وہ دوزخ سے بہت دُور
ہونگے اُسکی آہٹ تک بھی نہین سُنینگے اور ہمیشہ کیلئے ایسی زندگی بسر کرینگے جو اُنکے دل چاہتے
اُن بڑی گھبراہٹ کیوقت اُنکو کوئی غم نہ ہوگا اور فرشتے آگے سے اُنکی ملاقات کرینگے آج وہ دن
ہے جس کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا جاتا تھا۔ مگر افسوس ہی کہ پادریون کا منشاء حق کی تلاش
نہین ہی بلکہ وہ صرف اعتراض ہی تلاش کرتے ہین اور اِسلئے قرآن کریم کے ایک حصہ کو دوسرے
سے ملا کر نہین پڑہتے بلکہ ایک ایک لفظ کو الگ کرکے اعتراض کرنا شروع کردیتے ہین خواہ کوئی
دلیل ہاتھ مین ہو یا نہو اور اِسی کو اپنا اہم فرض اور اپنے خداوند کی عمدہ خدمت سمجھتے ہین کہ خدا کے
پاک نبیون کی شان مین بہتان باندہین اور اُنکو گالیان دین اور اُنپر طعن کرین ✦

حضرت آدم کا ممنوع پھل کو کھانا

سورۂ طہٰ مین حضرت آدم کے قصہ کو ابتدا

مین ایک ہی آیت اس فیصلہ کیلئے کافی ہی کہ کس طرح پر حضرت آدم اس عصیان کے مرتکب ہوئے وہ آیت یہ ہی وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ترجمہ اس سے پہلے ہمنے آدم کو ایک حکم دیا تھا سو وہ بھول گیا اور ہمنے اس کا گناہ پر عزم نہین پایا۔ اس سے حضرت آدم کی صاف صاف بریت ہوتی ہی کہ اُنھون نے عمداً حکم الہی کو نہین توڑا۔ یہ آیت صرف یہی بیان نہین کرتی کہ حضرت آدم بھول گئے بلکہ اُنکے ارادہ کی بھی صاف نفی کرتی ہی اور یون دوہرے طور پر انکو اِن جھوٹے الزام سے بری ٹھیراتی ہی۔ چونکہ ارادہ گناہ کیلئے ضروری ہی جیساکہ ابھی گناہ کی تعریف مین ہمنے دکھایا ہی۔ اسلئے آدم کا ممنوع پھل کو کھانا گناہ نہین تہا۔ اس آیتہ کے بعد ہی حضرت آدم کا مشہور قصہ شروع ہوجاتا ہی کہ کیونکر شیطان نے انھین دہوکا دیا اور کیونکر اُنھون نے ممنوع پھل کو کھایا۔ اِسلئے اس سے انکار کی کوئی گنجایش نہین کہ یہ بھول جانا اور بغیر ارادہ کے کام کرنا صرف اِسی حکم کے متعلق ہین نہ کسی اور کے اسمین شک نہین کہ آدم حکم آلہی کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا مگر اس کا ارادہ نہ تھا کہ خلاف ورزی کرے بلکہ بھولکر ایک ایسا فعل اس سے ہوگیا جس کا نتیجہ ایک حکم الہی کی خلاف ورزی تھا۔ اسلئے خواہ ہم نتیجہ کو عصیان ہی کہین مگر اسمین کچھ شک نہین کہ آدم اسمین بے قصور تھا اور آدم کا گناہ اسکو نہین کہا جا سکتا۔

اسمین ارادہ کی جنو جو گناہ کیلئے نہایت ضروری ہی بالکل مفقود ہی اور خود خدا تعالی اس معاملہ مین آدم کے گناہ کی نفی کرتا ہے بھول جانا ایک فطرتی انسانی کمزوری ہی اور اِسی لئے جبھی کہ پھل کھا چکنے کے بعد آدم کو معلوم ہوا کہ اِس سے بے ارادہ خدا کے حکم کی خلاف ورزی ہوگئی اور ضعف بشریت غالب آگیا تو اُس نے خدا تعالی سے دعا مانگی کہ اے خدا اگر تو ہی ہمارا حافظ نہو اور تو ہی اپنی طاقت کیساتھ ہمین سہارا نہ دے اور ہماری انسانی کمزوری کو دبائے نہ رکھے تو ہم گھاٹا پانیوالے ہونگے۔ استغفار کے معنون پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہی اور اس لئے ہم اس کا اعادہ اس جگہ پسند نہین

کرتے آیت عَصیٰ اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰے مین عصیان یا خلاف ورزی حکم الٰہی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حکم الٰہی کے بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ اور اس لیئے ایسا عصیان گناہ نہین کہلا سکتا اور غوٰی کے معنے لِسَانُ الْعَرَب نے صاف طور پر بیان کیئے ہین کہ فَسَدَ عَلَیہِ عَیشُہ یعنی اُسکے آرام مین خلل آگیا۔ پس ان معنون لفظون سے بھی آدم کے گنہگار ہونیکا نتیجہ نہین نکلتا +

حضرت آدم پر شرک کا الزام

مانرو صاحب حضرت آدم پر شرک کا الزام لگاتے ہین ایسی جُرأت کیساتھ جو پادریون کے ہی موزون حال ہے۔ وہ لکھتا ہے "سورۃ الاعراف آیت ۱۹۰ مین تصریح کیساتھ بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے قبیح گناہ کا مرتکب ہوا" ہم پوچھتے ہین کہ آیا ان پادریون مین کوئی ایمانداری باقی بھی رہگئی ہے۔ کیا پادری صاحب بتا سکتے ہین کہ اس آیت مین جس سے وہ شرک کا الزام حضرت آدم پر لگاتے ہین حضرت آدم کا نام بھی آیا ہے۔ اور اگر وہان آدم کا نام ہی نہین تو کیا یہ ایمانداری تھی کہ وہ شرک جیسا قبیح الزام انبیا کیطرف منسوب کرتا حالانکہ اسکو یہ بھی علم ہے کہ قرآن شریف اسبات سے بھرا پڑا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو خدا تعالیٰ نے شرک کی ہی بیخکنی کیلئے بھیجا تھا۔ کیا شرک کے متعلق اس نے قرآن شریف مین یہ سخت وعید نہین پڑھا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ترجمہ۔ خدا اس بات کو معاف نہین کرتا ہے کہ اس سے شرک کیا جاوے اور اسکے سوائے جو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ بہت امور ایسے تھے جن پر غور کرکے وہ اس الزام کی بیہودگی کو خود ہی سمجھ سکتا تھا اگر اس کا ارادہ نیک نیتی سے جب اعتراض کا ہوتا +

قبل اسکے جو ہم اس آیت کے الفاظ پر بحث کرین جسکی بنا پر الزام لگایا گیا ہے۔ پہلے ہم سورہ اعراف کے مضامین اور انکی ترتیب کو دیکھتے ہین۔ قرآن کریم کی وحی کا ذکر شروع کرکے سب سے پہلے حضرت آدم کا ہی قصہ بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسکی پیدایش۔ فرشتون کو حکم کہ اُسے سجدہ

کرین سو درخت کے قریب جانے سے منع کرنا۔ ابلیس کا آدم اور حوا کو دھوکا دینا اور ان کا ہبوط۔ اسکے بعد عام
طور پر نیکون اور بدون کے اعمال اور انکی جزا و سزا کا ذکر ہے۔ اور اسکے بعد دوسرے انبیا کے قصص بیان
کئے گئے ہین جنکے دشمنون کو اس واسطے ہلاک کیا گیا کہ جب پیغمبر نے اُنکو توحید اور عبادت الٰہی
کیطرف بُلایا تو انھون نے اُسکو قبول نکیا ہر ایک نبی کے متعلق اس کا یہ خطاب اپنی قوم کو بیان کیا
گیا ہے يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ترجمہ۔ اے میری قوم خدا کی عبادت
کرو جس کے سوائے اور کوئی معبود نہین۔ اس طرح پر گویا یہ ساری کی ساری سورۃ شرک کی بیخکنی
پر ہی زور دے رہی ہے اور اس کی ساری تعلیم شرک کے ہی خلاف ہے۔ پہلے نوح کا ذکر ہے پھر
ہود کا پھر صالح کا پھر لوط کا پھر شعیب کا اور بالآخر حضرت موسیٰ کا قصہ۔ اُن کا فرعون کو حق کیطرف
بلانا اور پھر اسرائیلیون کو تعلیم دینا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ کبھی اُن کو یہ سمجھایا گیا ہے کہ انسانی
فطرت پر نقش توحید الٰہی کا ہے۔ نہ کہ شرک کا۔ کبھی اُن کو دھمکایا گیا ہے کہ اگر وہ شرک سے باز نہ
آئینگے اور خدا کے نشانون کا انکار ہی کرتے جائینگے تو اُن پر سخت عذاب الٰہی اور ہلاکت نازل ہونگے
تب وہ پوچھتے ہین يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ یہ عذاب کی گھڑی جس کا وعید ہمکو سنایا جاتا ہے
کب آئیگی تو ان کو جواب دیا جاتا ہے کہ یقیناً تم پر آئے گی مگر لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً جب آئیگی تو
ناگہان ہی آئے گی اور مین تمھین قبل از وقت اطلاع دیتا ہون اور اس آنیوالے عذاب سے
ڈراتا ہون اسکے بعد یون خطاب الٰہی اُنکو ہوتا ہے هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ
بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ
فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ
ترجمہ۔ وہی خدا ہے جسنے تمکو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ انھین لوگون کو یہ

خطاب ہے جنکو پہلے خطاب تھا اور اس مین کوئی تبدیلی نہین ہوئی۔ اور تم سے مراد وہی مشرکین عرب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہین) اور اس ہی سے اسکے جوڑہ کو پیدا کیا تاکہ وہ اسکو ساتھ آرام پکڑے۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو عورت کو ہلکا سا حمل رہا پس اس سے چلتی رہی پھر جب وہ بوجھل ہوئی تو دونون نے اللہ اپنے رب کو پکارا کہ اگر تو ہمین صحیح سالم لڑکا دے تو ہم تیرے شکر گذار رہون لیکن جب خدا نے انکو چنگی بھلی اولاد عطا کی تو وہ دونون خدا کے شریک ٹھیرانے لگے اس مین جو خدا نے ان دونون کو دیا تھا بزرگ ہے خدا بلند تر اس سے جو یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) اسکے ساتھ شریک ٹھیراتے ہین ۔ آیت کے آخری الفاظ صاف بتلاتے ہین کہ ان آیات مین آدم اور حوا کا ذکر نہین ہے کیونکہ اگر یہ انھین کے شرک کا ذکر ہوتا تو اخیری الفاظ یون ہونے چاہئے تھے کہ بلند تر ہے خدا اس سے جو ان دونون نے اس سے شریک ٹھیرائے۔ لیکن کلام الٰہی مین اس موقعہ پر نہ تو صیغہ تثنیہ کا ہی استعمال کیا گیا ہے اور نہ ہی ماضی کا۔ اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر ان تمام مشرکین عرب کا ہے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخاطب ہین نہ کسی دو ایسے اشخاص کا جنکے ساتھ کوئی تیسرا انسان نہ تھا جس کی وجہ سے جمع کے صیغہ یشرکون کی ضرورت پڑتی ۔

مختلف باتون پر غور کرکے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آدم اور حوا کا اسجگہ ذکر نہیں ہے اوّل حضرت آدم کا قصہ بڑی تفصیل کے ساتھ اسی سورۃ کے شروع مین بیان ہو چکا ہے اور اس لئے اگر یہ واقعہ اُسکے متعلق ہوتا تو ابتدائے صورت مین ہی آدم کے قصہ کے ساتھ اس کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ **دوم** سورۃ کے مضامین کی ترتیب صاف اس بات پر شاہد ہے کہ اس سورۃ مین انبیا علیہم السلام کا ذکر بالترتیب ہے اور آدم سے شروع کرکے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم کیا گیا ہے اور اس لئے آیت مذکورہ بالا مین خطاب بھی

آنحضرتؐ کے دشمنونکو ہے جیساکہ اِس سے پہلی آیتون مین بھی ذکر اُنہین مشرکین کا ہے سوم آدم کا نام ان آیات مین ہرگز مذکور نہین اور مضامین کی ترتیب ہمین یہ اجازت نہین دیتی کہ اِس قصہ کو آدم کا قصہ ہی سمجھین چہارم حضرت آدم کے ممنوع پھل کھانیکا قصہ بار بار قرآن شریف مین بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس مین خود ہی خدا تعالےٰ نے یہ کہکر آدم کی بریت بھی کر دی تھی کہ وہ بھول گیا تھا اور عمداً اُس نے حکم کی خلاف ورزی نہین کی۔ پس اگر آدم شرک جیسے بڑے گناہ کا مرتکب ہُوا ہوتا تو زیادہ نہین تو کم از کم اتنی دفعہ ہی یہ قصہ قرآن شریف مین بیان کیا جاتا جتنی دفعہ کہ دانہ کھانے کے قصہ کا ذکر ہے جو کوئی گناہ بھی نہین تھا۔ مگر تعجب کی بات ہے کہ اتنا بڑا گناہ ہُوا اور ایک دفعہ بھی اِس کا ذکر قرآن شریف مین نہو اور آیت زیر بحث جسکو اس واقعہ کا مصداق بنایا جاتا ہے اُس مین آدم کا نام تک بھی نہو۔ ایک چھوٹی سی لغزش کو جو نسیان کی وجہ سے ہو گئی اتنی وقعت دیجاوے کہ بار بار اِس کا ذکر قرآن شریف مین کیا جاوے اور اتنے بڑے جُرم کو جیساکہ شرک ہے ایکدفعہ بھی نام لیکر بیان نکیا جاوے یہ بات ہماری سمجھ مین نہین آتی پنجم دانہ کھانے کی کمزوری کے بعد حضرت آدم خدا تعالےٰ سے حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور بار بار یہ کہتے ہین کہ ایخدا اگر تیری مدد میرے شامل حال نہوگی تو مین زیان کارونمین سے ہونگا لیکن اتنے بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد جس سے زیادہ خدا تعالےٰ کو ناراض کرنیوالی کوئی چیز ہی نہین وہ ایک لفظ بھی مُنہ پر نہ لایا لیکن یہ کس طرح ہو سکتا ہے کیا اُنکی فطرت ایسی جلدی اس قدر بدل گئی تھی کہ گناہ کا احساس ہی جاتا رہا۔ اور وہ ایک سخت دل گنہگار کیطرح ہو گئے نعوذ باللہ مِنْ ذٰلِكَ ششم ممنوع پھل کھانے کے بعد حضرت آدم نے فی الفور خدا کی حفاظت اور مدد طلب کرتے ہین اور خدا تعالیٰ کی طرف سے حفاظت اور مدد کا وعدہ بھی اُنکو دیا جاتا ہے تا آیندہ ایسی کمزوری اُن سے ظاہر نہو جس پر انسان خود بخود قادر نہین ہو سکتا۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا کی حفاظت اور مدد حسب وعدہ الٰہی حضرت آدم کے شامل حال ہو کر وہ ایسے

سیاہ گناہ کا مرتکب ہوسکے۔ کیا خدا کی حفاظت اور مدد اسکے نیک بندوں کی اسی طرح دستگیری کیا کرتی ہی؟ اس قسم کی بیہودگیان خدا کے پاک کلام کیطرف منسوب کرنے سے پادریون کو شرم کرنی چاہیئے، **ہفتم** سورۂ طٰہٰ مین حضرت آدم کے قصہ کے بعد خدا تعالےٰ فرماتا ہے ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ترجمہ۔ پھر بعد اسکے خداوند نے اُسے چُن لیا اور برگزیدہ کیا اور پھر رجوع برحمت کیا اور اُس کو سیدھی راہ پر چلایا۔ اب یہ آیت صاف طور پر اس بات کی نفی کرتی ہی کہ اسکے بعد پھر آدم سے کوئی اسی قسم کی کمزوری ظاہر ہو جیسی کہ پہلے ہوئی تھی شرک جیسے بڑے گناہ کا تو کچھ ذکر ہی نہین۔ علاوہ ازین اگر آدم نے شرک کا ارتکاب کیا تو پھر ہمین نعوذ باللہ یہ ماننا پڑے گا کہ خدا تعالیٰ نے ایسے شخص کو اپنے لیئے چننے مین سخت غلطی کھائی جسکو بسبب اپنے شرک کے ہمیشہ کے جہنم مین ڈالا جانا تھا کیونکہ اُسکی معافی کا بھی ذکر کہین نہین **ہشتم** قرآن کریم نے صاف فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ترجمہ۔ خدا تعالیٰ شرک کو معاف نہین کرتا اور اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے بخشدیتا ہے۔ اس لیئے اگر آدم نے شرک کیا تو اُسے بھی نعوذ باللہ دوزخ مین سزا بھگتنی ہوگی حالانکہ اس خیال کو قرآن کریم اور مسلمانون کے عقائد سخت مردود اور لغو خیال ٹھیراتے ہین **نہم** اس سورۃ مین ہر ایک نبی کو یہی حکم ہی کہ شرک کی دنیا سے بیخکنی کرے اور یہی اس کی رسالت کی علت غائی ٹھیرائی گئی ہی پھر اگر انبیا خود ہی شرک مین گرفتار رہے تھے تو اُنکے ذریعہ جو احکام پہنچائے گئے تھے وہ سب بے معنے ہو جاتے ہین **دہم** آیت زیر بحث کی مابعد کی آئتین بھی یہی ثابت کرتی ہین چنانچہ فرماتا ہے اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ترجمہ۔ کیا یہ مشرک لوگ اِن کو خدا کا شریک ٹھیراتے ہین جو کچھ پیدا نہین کرتے بلکہ خود پیدا کیئے

گئے ہین۔ اور نہ وہ یہ ہی طاقت رکھتے ہین کہ اپنے پرستارونکو کچھ مدد دیسکین اور نہ ہی وہ اپنے آپ کی مدد کر سکتے ہین۔ کہہ جنکو تم خدا کا شریک ٹھیراتے ہو اِن سب کو بلاؤ اور میرے ساتھ جنگ کرو اور مجھکو ایکدم کی بھی مہلت ندو ✦ یہ آئیتین صاف دکھاتی ہین کہ جن مشرکون کا پہلی آیت مین ذکر ہے وہ وہی عرب کے مشرک ہین اور اُنھین کو یہ خطاب کیا گیا ہی نہ کہ آدم اور حوا کو کہ اپنے معبودونکو اپنی مدد کیلئے بلاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرین۔ یہ آئیتین قطعی طور پر یہ فیصلہ کرتی ہین کہ جن مشرکین کا پہلی آیت مین ذکر ہے وہ ہی مشرک ہین جو آنحضرتؐ کے دشمن ہین نہ کہ آدم وحوا ✦

اگر یہ کہا جاوے کہ اِس آیت مین دعا جناب الہی سے مانگی گئی ہے۔ اسلئے اس مین بت پرست مخاطب نہین ہوسکتے۔ تو ہم کہتے ہین کہ یہ اعتراض صحیح نہین عرب کے بت پرست دوسرے ممالک کے بت پرستون کی طرح اپنے بتون سے برتر ایک ہستی کو مانتے تھے لیکن اِن کا یہ خیال تھا کہ اِن کے بت بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہین اور دنیا کے کاروبار کے انتظام مین خداتعالے کے ساتھ شریک ہین۔ اِسی مضمون کی آیت جس مین بُت پرستون کا ذکر ہے سورہ یونس مین مذکور ہے۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَـٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّـٰكِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَنجَىٰهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِى ٱلْأَرْضِ بِغَيْرِ ٱلْحَقِّ ۗ ترجمہ اور جب ہم اِن مشرکون کو کسی دُکھ کے بعد جو اُنکو پہونچ چکتا ہی اپنی رحمت چکھاتے ہین تو وہ ہمارے نشانون کے خلاف

مکر کرتے ہین۔ اِن کو کہدے کہ اللہ کی تدبیر سریع الاثر ہے ہمارے رسول جو کچھ تم مکر کرتے ہو لکھتے جاتے ہین۔ وہی خدا ہے جو تمکو خشکی اور تری مین سیر کراتا ہے یہانتک جب تم کشتی مین سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیان اُنکو خوشگوار ہواؤن کیساتھ لے چلتی ہین اور وہ خوش ہوتے ہین تو ایک سخت ہوا آتی ہے اور ہر ایک طرف سے اُنپر موجین آتی ہین اور وہ جان لیتے ہین کہ وہ اُنسے گھرے گئے۔ تو پھر وہ خدا تعالےٰ کو خالص کر کے پکارتے ہین کہ اگر تو ہمکو اس سے نجات دے تو ہم تیرے بڑے شکر گذار ہون۔ لیکن جب اُنکو خدا تعالیٰ نجات دیدیتا ہے تو پھر وہ زمین مین بغیر حق کے فساد کرتے ہین + اِس آیت مین بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ مشرک لوگ مصیبت کیوقت خالص خدا کو پکارتے ہین جیسا کہ آیت زیر بحث مین یہی بتایا گیا تھا اور اِسی آیت کیطرح یہان بھی یہی وعدہ کرتے ہین کہ اگر اُنکو مصیبت سے نجات ملجائے تو وہ خدا تعالےٰ کے شکر گذار ہونگے لیکن جب خدا تعالےٰ اُنکو نجات دیدیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہین +

اب صرف یہ دیکھنا باقی رہتا ہے کہ هُوَ الَّذِی خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سے کیا مراد ہے۔ اِس آیت کا مدعا یہ ہے کہ مشرکون کو بتایا جاوے کہ خدا تعالیٰ ہی اُن کا اور اُنکی بیویون کا پیدا کرنیوالا ہے نہ وہ کہ جنکو وہ خدا کے شریک ٹھیراتے ہین اور اُنکو اِس غلطی کا جتانا مقصود ہے کہ خدا تعالےٰ کو خالق مانکر وہ پھر دوسرون کو عبادت مین شریک ٹھیراتے ہین اب یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک قوم ہر ایک خاندان ہر ایک فرد ایک ہی جان سے پیدا کیا گیا ہے خواہ وہ نسل قریب سے ملی ہو یا دور سے چلی آتی ہو۔ اگر خَلَقَكُمْ مین ضمیر کو مجموعی طور پر لیا جاوے یعنی کل مشرکین عرب تو وہ ایک جان یعنی نفس واحدہ عربون کا جد مشترک ہوگا جس سے اِن سب کی نسل چلتی ہے لیکن اگر ضمیر مین مشرکین کا ہر ایک فرد مراد لیا جاوے تو اس حالت مین نفس واحدہ یعنی ایک جان سے ہر ایک مشرک کا مخاطب سے جد مراد ہوگا اس صورت مین معنے یہ ہونگے کہ خدا ہی ہے جسنے اے مشرک

تم مین سے ہر ایک کو ایک ہی جان سے پیدا کیا ہے دونو صورتون مین لفظ نفس واحدہ یعنی ایک جان سے مشرکین عرب کے کسی ایک جد یا اجداد سے مراد ہوگی۔ الفاظ کے معنے دو صورتون مین درست ہین اگرچہ سیاق اور سباق آیت پہلے معنون کو ترجیح دیتا ہے۔ الفاظ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ سے جو اسی آیت کے آخر مین آئے ہین یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آیت مین ایک جوڑہ کا ذکر ہے مگر اس سے کوئی خاص جوڑہ مراد نہین بلکہ مشرک والدین کا ہر ایک جوڑہ مراد ہے کیونکہ خطاب عام طور پر سب کو کیا گیا ہے اور یُشْرِکُوْنَ جو کہ جمع کے صیغہ مین آیا ہے صاف ثابت کرتا ہے کہ اصل مراد دو سے زیادہ کی ہے۔ اس طرح پر ہر ایک جد ایک نفس واحدہ ہوا اور ہمارا اختیار ہے کہ خواہ اس سے مراد ہر ایک موجود مشرک کے والدین کو لین یا کل مشرکین کے جد مشترک کو مراد لین باقی رہے الفاظ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا سو ان کے متعلق یہ کہنا درست نہین کہ چونکہ یہان عورت کا مرد سے پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے اس لئے اس کا مصداق سوائے آدم اور حوا کے اور کوئی نہین ہو سکتا۔ یہ خیال غلط ہے۔ سورہ روم مین قرآن شریف مین آیا ہے وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا ترجمہ۔ اور خدا کے نشانون مین سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تم سے ہی تمہاری بیویان پیدا کین۔ پس قرآن شریف کی رو سے صرف حوا ہی آدم سے پیدا نہین ہوئی بلکہ ہر ایک آدمی کیلئے عورت اسی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور جیسا کہ وہان لفظ مِن آیا ہے جسکے معنے ہین اس نفس سے ایسا ہی یہان پر لفظ مِنْ اَنْفُسِكُمْ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنے ہین تمہاری جانون سے۔ دونون جگہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالے نے عورت کو اسی قسم سے بنایا ہے جس سے مرد کو۔ اسی طرح پر قرآن شریف مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ آیتین آئی ہین لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اور بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ جنکے یہ معنے ہین کہ تم مین سے ہی ایک رسول تمہارے پاس

آیا ہے اور خدا نے امیون مین ایک رسول ان مین سے ہی بھیجا۔ اور یہان الفاظ مِنْ اَنْفُسِکُمْ
اور مِنْ اَنْفُسِھِمْ جو استعمال ہوئے ہین وہ بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہین جو کہ مرد سے عورت کی
پیدایش کے متعلق استعمال ہوئے ہین +

اِس طرح پر یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِس آیت مین جسکے متعلق پادری مانز ویہ بیان کرتا ہو کہ اس مین کھلے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آدم شرک جیسے گناہ کا مرتکب ہوا وہان نہ تو آدم کا نام ہے اور نہ ان الفاظ سے آدم مراد ہی لیا جا سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری لوگ اعتراض کرنے مین کس طرح دیانت کو چھوڑ بیٹھے ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کیطرف کوئی توجہ نہین کرتے حالانکہ وہی الفاظ ایسے ہین جن کو مسلمان سند مانتے ہین۔ اور بجائے ان الفاظ کے یہ لوگ کسی ایک مفسر کی مردود رائے کو ہاتھ مین لیکر اسی کو اسلام جیسے پاک مذہب پر حملہ کرنیکے بے قیمتی ہتھیار سمجھتے ہین اور ایسے مفسر کو عالم و فاضل بیان کرتے ہین خواہ اس کی ایسی رائے کو سینکڑون فاضل اور معتبر مفسر رد کر چکے ہون +

یہ کس قدر دیانت داری سے بعید ہے کہ ظاہر تو یہ کیا جاتا ہے کہ ہم قرآن شریف کی بنا پر اعتراض کرتے ہین لیکن اعتراض کی بنیاد صرف کسی مفسر کی مردود رائے پر یا کسی مردود قول پر ہوتی ہے جس کو نہ صرف دوسرے معتبر مفسر ہی رد کر چکے ہین بلکہ جس کی قرآن شریف بڑے زور سے تردید کرتا ہے +

ہم تعجب کرتے ہین کہ پادری صاحبان انبیا کی طرف گناہ منسوب کرنے مین کسقدر جرأت سے کام لیتے ہین حالانکہ انکے ہاتھ مین کوئی دلیل بھی نہین ہے لیکن انجیلون مین جو یسوع کے متعلق اِس قسم کا ذکر ہوتا ہے جس سے گناہ کا نتیجہ نکل سکے اس پر خاموشی سے گذر جاتے ہین۔ آدم پر تو یہ جھوٹا الزام لگاتے ہین کہ اس نے خدا کے ساتھ شریک ٹھیرایا لیکن ایسے مقابلہ کیوقت یسوع

کا نام بھی نہین لیتے جس نے انکی کتابون کے موافق خدائی کا دعوے کیا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ معمولی طور پر پیدا ہوا ہے اور کمزورسے کمزور انسانکے ساتھ اس مین مقابلہ کی طاقت نہ تھی آدم کسی عورت کے پیٹ سے پیدا نہین ہوا تھا بلکہ خود خدا تعالےٰ نے اپنے ہاتھ سے اپنی شکل پر اسکو پیدا کیا تھا۔ لیکن پھر بھی اُسنے ایسے کفر کا دعوے نہ کیا جو عیسائیون کے اعتقاد کے مطابق ایک عورت کے بچے نے کیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آدم کی خدائی ایک دانہ کے کھانے سے جاتی رہی تو پھر یسوع پر تو اس سے بھی بڑھ کر اعتراض ہے کہ اُس نے ایک ایسے کھیت سے جو دوسرے کا مال تھا خوشے توڑے اور اپنے مریدونکو توڑنے دیئے۔ حالانکہ یہ خوشے اس کیلئے ایسے ہی ممنوع تھے جیساکہ آدم کے لیئے دانہ۔ علاوہ اسکے آدم نے تو بھولکر دانہ کھایا تھا۔ مگر یسوع نے عمداً حکم الٰہی کو توڑا اور علاوہ اسکے اس ناجائز فعل سے سبت کو جسکی تعظیم کا حکم تھا ناپاک کیا۔ اب مقابلہ سے آسانی سے یہ سمجھ مین آسکتا ہے کہ واقعی گنہگار کون شخص ہے آیا وہ جسکے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس نے بھولکر ایک دانہ کھا لیا جس سے وہ منع کیا گیا تھا اور اس طرح پر بغیر ارادہ کے اس سے حکم الٰہی کے متعلق چوک ہوگئی۔ یا وہ شخص جسکے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُسنے ارادۃً نہ ایکدا بلکہ کئی خوشے توڑے جو اسکے لیئے ممنوع تھے۔ اور اس طرح پر بڑی جرأت کے ساتھ حکم الٰہی کی عمداً خلاف ورزی کی۔ ہم اُمید کرتے ہین کہ پادری مانز و صاحب اس مین فیصلہ دینگے +

حضرت نوح کی دُعا

اس عنوان کے نیچے صرف چند ہی لفظ کافی ہونگے۔ پادری مانزو کا مجرم کانشنس ہر ایک نبی پر کوئی نہ کوئی تہمت لگائے بغیر نہین رہ سکتا۔ اُن نے بڑی جرأت کیساتھ یہ لکھا ہے کہ نوح اپنے بیٹے کے لیئے دعا کرنے مین گناہ کا مرتکب ہوا۔ اب ہم پوچھتے ہین کہ وہ خدا کا حکم جس میں نوح اپنے بیٹے کے لیئے دُعا کرنے سے منع کیا گیا ہو قرآن شریف مین کہان مذکور ہے

اور اگر وہ کوئی ایسا حکم الہی نہین دکھا سکتا تو یہ کیسا قابل نفرین جھوٹ ہی قرآن شریف مین کوئی
ایسی آیت نہین ہے جس مین یہ ذکر ہو کہ نوح کو اپنے بیٹے کے بچانے کے لیئے دعا کرنے سے
منع کیا گیا تھا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ آیت وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا یعنے ظالمون کے
بارہ مین مجھ سی خطاب نکرو۔ پادریصاحب کے لیئے مفید نہین ہو سکتی کیونکہ خداتعالے کا نوح
کے ساتھ یہ بھی وعدہ تھا کہ اسکے اہل کو بچا لیا جاوے گا۔ اس لیئے پادری مانزو کو کوئی ایسی آیت
پیش کرنی چاہیئے جس مین نوح کو اپنے بیٹے کے لیئے جو اسکے اہل مین سی تہا دعا کرنے سی منع کیا گیا
ہو۔ سورہ ھود مین جہان سی پادریصاحب نے اپنا اعتراض لیا ہے یہ آتیمن ہین وَنَادَىٰ نُوحٌ
رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي ج وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ
قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ج إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ق فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ
بِهِ عِلْمٌ ط إِنِّي أَعِظُكَ أَن تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ
أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ط وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُن مِّنَ الْخَاسِرِينَ
ترجمہ۔ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا میری اہل سی ہے اور
بلاشک تیرا وعدہ (میرے اہل کو بچانے کا) سچ ہے۔ اور تو سب حاکمون سی بڑا حاکم ہے۔
خداتعالے نے فرمایا اے نوح یہ تیرا بیٹا تیرے اہل سی نہین ہی کیونکہ وہ عمل غیر صالح ہے
اس لیئے ایسا سوال مجھ سے مت کر جسکا تجھے علم نہین دیا گیا یہ مین اسلیئے تجھے سمجھاتا ہون کہ
تو جاہلوں سی نہو جاوے۔ نوح نے عرض کیا اے میرے رب مین تیری ہی پناہ مانگتا ہو کہ ایسا
سوال تجھسے کرون جسکا مجھے علم نہین۔ اور اگر تو میری حفاظت نکرے اور مجھپر رحم نکرے
تو بیشک مین زیانکاروں سی ہوں گا ✦

ان آیتوں سی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کو یہ خیال تہا کہ چونکہ خداتعالی

کا وعدہ اِسکے اہل کو بچانے کا ہے لسلیئے شاید اِس کا بیٹا بھی وعدہ کے الفاظ کے اندر آجاتا ہے
لیکن جب حضرت نوح نے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھا تو خدا تعالیٰ کے سامنے نہایت عاجزی سے
یہ عرض کی کہ جناب الٰہی کا وعدہ اِسکے اہل کو بچانے کا تھا اور اِس کا بیٹا بھی اسکے اہل مین ہی ہی
اور ساتھ یہ بھی عرض کی کہ خدا کے وعدے بالکل حق ہین اور ہر ایک حکم جو اسکی جناب سے صادر ہوتا
ہے وہ نہایت ٹھیک ہے اسکے جواب مین خداوند تعالیٰ نے اسے بتایا کہ اس کا بیٹا اسکے اہل مین سے
نہین لیکن چونکہ صرف اسی قدر بیان سے حضرت نوح کے سوال کا جواب پورا نہوتا تھا۔ اِسلیئے
اسکی بہ ساتھ یہ بیان فرمائی کہ وہ عمل غیر صالح ہے اس آخری فقرہ کو پادری مانزو حضرت
نوح کی دعا کے متعلق سمجھتا ہی کئی وجوہات ہین جن سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ یہ خیال بالکل غلط ہی ضمیر کے
لیئے پہلے کوئی اسم ہونا چاہیئے جس کی بجائے وہ ضمیر آئے لیکن پہلے فقرہ مین کوئی ایسا اسم جیسا
مثلاً نوح کی دعا یا نوح کا سوال یا نوح کا فعل واقعہ نہین ہوا۔ اور اسلیئے اِنَّہٗ مین جو ضمیر ہے
اسکو حضرتِ نوح کی دعا یا سوال کے متعلق نہین سمجھا جا سکتا۔ دوم اِنَّہٗ جو پہلے واقعہ ہوا
ہے اِس سے اور بھی صفائی سے معلوم ہوتا ہے جملہ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ معاً اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ
اَھْلِکَ کے بعد آتا ہے لیکن اِس آخری جملہ کی ضمیر صاف طور پر بیٹے کیطرف ہی جسکا ذکر پہلی
آیت مین ہی۔ اور اسلیئے اِنَّہٗ جو پہلے جملہ مین واقعہ ہوا ہے اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ مین
اِسکی ضمیر بھی اِسی اسم کیطرف پھرتی ہی دونو ضمیرین ایک ہی طرز سے واقعہ ہوئی ہین اور انکا
تعلق صاف بتاتا ہی کہ وہ ایک ہی اسم کیطرف پھرتی ہین لیکن چونکہ پہلی ضمیر بغیر کسی شک کے نوح
کے بیٹے کیطرف پھرتی ہی دوسری ضمیر بھی سوائے اسکے اور کسیکی طرف نہین پھر سکتی۔ سوم نوح نے
ان الفاظ مین دعا کی تھی کہ میرا بیٹا میرے اہل مین سے ہے اور اسلیئے صرف اسیقدر جواب کہ تیرا
بیٹا تیرے اہل مین سے نہین ہی کافی نہین ہو سکتا تھا جب تک ساتھ کوئی وجہ نہ بتائی جاتی کہ

کیونکہ اس کا بیٹا اسکے اہل مین سے خارج ہوگیا۔ خداتعالی کا وعدہ نوح کے ساتھ انکے اہل کو بچانے کا تھا۔ اس لیئے جب انھون نے اپنے بیٹے کو غرق ہوتے دیکھا تو نظرًا وہ خداتعالے کے آگے چلا اُٹھے کہ اُن کا بیٹا بسبب انکے اہل مین سے ہونے کے وعدہ کے اندر آنا چاہیئے تھا لیکن خداتعالے نے اس کا یہ جواب دیا کہ تیرا بیٹا تیرے اہل مین سے نہین ہے یہ جواب نوح کی عرضداشت کا کافی جواب کسی صورت مین خیال نہین کیا جاسکتا ہے جب تک کوئی وجہ ساتھ نہ بتائی جاوے کہ کیون بیٹا اہل مین سے نہین سمجھا جانا چاہیئے کیونکہ لفظ کے عام معنون مین بیٹا اہل مین سے تھا۔ اسی لیئے خداتعالے نے الفاظ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ کے بعد یہ وجہ بیان فرمادی کہ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کہ اسکے عمل اچھے نہین۔ اور اس وجہ کے بیان کیئے جانیکے بغیر فقرہ بالکل نامکمل رہتا ہے +

پادری مانرو کو الفاظ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ سے جو کہ نوح کے بیٹے کے متعلق استعمال ہوئے ہین یہ دہوکا لگا ہے کہ انسان کو عمل غیر صالح نہین کہا جاسکتا اس لیئے یہ الفاظ نوح کے بیٹے کے متعلق نہین بلکہ نوح کی دعا کے متعلق ہونے چاہیئے۔ لیکن ایسا اعتراض صرف عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوسکتا ہے۔ زبان عربی مین ایسے الفاظ عام طور پر مستعمل ہوتے ہین جیسا کہ کسی شخص کے متعلق مثلاً یہ کہا جاوے اِنَّہ علمٌ وَکرمٌ وجودٌ یعنی وہ شخص علم ہے۔ کرم ہے۔ اور سخاوت ہے۔ جب کہ مراد یہ ہو کہ اس کا علم اور کرم اور سخاوت بہت بڑا ہے قرآن شریف مین بھی اس کی مثال موجود ہے جیسا کہ فرمایا لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ آلآ ترجمہ۔ نیکی یہ نہین کہ تم اپنے مُنہ مشرق اور مغرب کیطرف پھیرو لیکن نیکی ہے جو شخص جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخر پر یہان [illegible] شخص کو جو اللہ پر [illegible] [illegible]

لئے صاحب نیکی کہنے کے بجائے نیکی کہا گیا ہی۔ اس لیئے ایک ایسے شخص کو جو صاحب عمل غیر صالح ہو اُس غیر صالح کہنے مین کوئی اعتراض نہین بلکہ یہ ایک محاورہ اہل عرب ہے۔ ایک دوسرے امر پر غور کرنے سے بھی ہم اسی نتیجہ پر پہنچتے ہین اسی فقرہ کی ایک قراءۃ عَمِلَ غَیْرَ صَالِحٍ ہے۔ اور یہان ماضی کا صیغہ عَمِلَ بجائے مصدری صورۃ عَمَلٌ کے استعمال کیا گیا ہے۔ اب اگرچہ ہم ایسی قراءتون سے اور کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکین لیکن اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اصل جو الفاظ قرآن شریف مین استعمال ہوئے ہین انکے معنون پر دوسری قراءۃ سے روشنی پڑتی ہی۔ اب دوسری قراءۃ کے مطابق معنے یہ ہین کہ اس نے عمل کئے عمل غیر صالح۔ اور یہ معنے ہمکو اصل الفاظ کے معنے کرنے مین مدد دیتے ہین۔ کیونکہ اس سے پایا جاتا ہے کہ اصل الفاظ یعنے اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کے یہی معنے سمجھے گئے تھے۔ اس لیئے جس پہلو سے غور کیا جاوے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اصل معنے ان الفاظ کے وہی ہین جو معنے اوپر کئے ہین +

حضرت ابراہیم نے جو دعا لوط کی قوم کے لیئے کی اس سے بھی نوح کی دعا کے معاملہ پر روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابراہیم کے متعلق یہ الفاظ آئے ہین یُجَادِلُنَا فِیْ قَوْمِ لُوْطٍ یعنے لوط کی قوم کے بارہ مین ہم سے جھگڑا کیا اب اگر نوح کی دعا اپنے بیٹے کے بئے اس خیال پر کہ اُنھون نے اس کو وعدہ مین شامل سمجھا گناہ ہوسکتی ہی تو ابراہیم کی سفارش لوط کی قوم کے لیئے زیادہ سخت گناہ قرار دیا جانا چاہیئے تھا کیونکہ علم کے معاملہ مین تو بہرحال حضرت ابراہیم کی حالت حضرت نوح کی حالت سے کم نہین اور عذاب الٰہی بھی ضروری آنیوالا تھا اور اس لیئے اُنکی سفارش بھی قضاءِ قدر ہی کے اسی طرح برخلاف تھی بلکہ حضرت ابراہیم کا معاملہ حضرت نوح سے بعد ہوا ہے اور اس واسطے انکو حضرت نوح کے قصہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے تھا اگر وہ نوح کا گناہ ہوتا۔ ابراہیم کا گنہگار قوم کیلیئے یہ سفارش کا قصہ اسی سورۃ مین حضرت نوح کے قصہ کے بعد مذکور

ہے اس لیئے ان دونو قصون کے بیان کیے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر حضرت نوح کی
دعا خدا تعالے کی ناراضگی کا کچھ بھی موجب ہوتی تو ابراہیم کی سفارش اس سے بڑھ کر ناراضگی [illegible]
ہونی چاہیئے تھی۔ در حقیقت حضرت ابراہیم کا قصہ حضرت نوح کی دعا کے قصہ کی تشریح کرتا
ہے اس لئے ہم دیکھتے ہین کہ ابراہیم کی دعا پر اللہ تعالے کیا فرماتا ہے وہ آیت اس طرح
پر ہے یُجَادِلُنَا فِی قَوْمِ لُوطٍ اِنَّ اِبْرَاهِیمَ لَحَلِیمٌ اَوَّاهٌ مُنِیبٌ یَا اِبْرَاهِیمُ
اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ترجمہ۔ ابراہیم ہمارے ساتھ لوط کی قوم کے بارہ مین جھگڑنے لگا لیکن
ابراہیم بڑا نرم دل اور بہت خدا تعالی کیطرف رجوع کرنے والا تھا اے ابراہیم اس سے [illegible]
جیسا نوح کو اپنے بیٹے کے لیئے دعا کرنے سے روکا گیا اسی طرح پر ابراہیم کو قوم لوط کے لئے
دعا کرنے سے روکا گیا چونکہ قرآن بعض بعض کی تفسیر ہے۔ اور ابراہیم کا قصہ بعینہ [illegible]
قصہ کیطرح اس جگہ پر واقعہ ہوا ہے اسلیئے ہم ان دونو قصون کی صورت کو ایک ہی سمجھتے
کوئی وجہ نہین کہ نوح کو اسی فعل کے لیئے عمل غیر صالح کا مرتکب کہا جائے جسکے لیئے ابراہیم کی
جو نوح سے بعد آیا اس قدر تعریف کی گئی ہو اگر ایسی دعا سے ابراہیم نرم دل ثابت ہوتا ہے
جیسا کہ خدا تعالی نے فرمایا تو نوح بھی اس دعا سے نرم دل ثابت ہونا چاہیئے۔ اصل حقیقت یہ ہے
کہ دونو صورتون مین صرف الفاظ مختلف ہین اور معانی ایک ہی ہین۔ جس طرح پر نوح کو حکم ہوا کہ
دعا نکرے اسی طرح پر ابراہیم کو حکم ہوا کہ دعا نکرے کیونکہ وہ لوگ جن کے لیئے وہ دعا کرتے تھے
اپنی بد عملیون کے سبب سے خدا تعالے کے رحم کے مستحق نہ تھے پھر جس طرح ابراہیم منیب یعنے
خدا کی طرف رجوع کرنے والا بیان کیا گیا اسی طرح پر نوح کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے
خدا کی حفاظت اور مدد طلب کی اور اس طرح پر خدا کیطرف اسکا رجوع کرنا ثابت کیا گیا ہے
یہ کوئی لفظ ہمین ایسا معلوم نہین ہوتا جس سے یہ نتیجہ نکالا جاوے کہ اپنے بیٹے کے [illegible]

دُعا کرنے کے لیئے حضرت نوح کو خدا نے گنہ گار ٹھیرایا۔ یہ الفاظ کہ "اے میرے خدا مین تیری حفاظت طلب کرتا ہون کہ ایسا سوال کرون جس کا مجھے علم نہین کیونکہ اگر تو میرا محافظ نہ ہوا اور مجھ پر رحم نکرے تو مین زیانکارون سے ہونگا" پادری مانزو کے بیان کی تائید نہین کرتے۔ ہم تسلیم کرتے ہین کہ کیا نبی اور کیا غیر نبی سب خدا تعالےٰ کی حفاظت کے محتاج ہین اور جو شخص خدا تعالےٰ کی حفاظت طالب نہین کرتا یا جسکو خدا تعالےٰ کی حفاظت نہین دیجاتی وہ بیشک زیانکارون مین سے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی دعا کی اور فرمایا رَبِّ لَا تَكِلْنِي إِلَىٰ نَفْسِي طَرْفَةَ عَيْنٍ یعنی اے میرے خدا مجھے ایک لمحہ کے لیئے بھی اپنے نفس کیطرف مت چھوڑ دینے تو ہی میرا ہر وقت محافظ اور مددگار رہ۔ لیکن چونکہ حفاظت الہی حضرت نوح کے شامل حال تھی اسی واسطے بچائے گئے اور اگلی آیت مین خدا تعالےٰ انکی نسبت فرماتا ہے يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ یعنے اے نوح اتر وہماری طرف سے سلامتی اور برکتین لیکر کیا یہ بھی کبھی دنیا مین ہوا ہے کہ گنہ کا بدلا خدا کی طرف سلامتی اور برکتین دیجاوین ✦

مگر یہ ایک ہی امر نہین جو پادریون کیطرف سے ہمین تعجب مین ڈالتا ہے کہ وہ ناحق خدا کے نبیون کی شانمین تہمتین لگاتے ہین بلکہ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ انکی انجیلون کی بنا پر وہ انسان جسکو وہ اپنا خدا سمجھتے ہین زیادہ سخت گناہون کا مرتکب ٹھیرتا ہے مثلاً حضرت نوح پر تو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انھون نے اپنے بیٹے کے لیئے دُعا کر کے خدا کی نافرمانی کی اور اسکو ہم جھوٹ ثابت کر چکے ہین کیونکہ نہ تو حضرت نوح کو یہ حکم ہی دیا گیا تھا کہ تو اپنے بیٹے کے لیئے دعا نکرنا اور نہ ہی حضرت نوح کے دعا کرنے کو کہین گنہ کہا ہے لیکن ایک دعا کے ہی معاملہ مین اگر ہم انجیلون کا اعتبار کرین تو یسوع گنہ گار ٹھیرتا ہے انجیلون سے

مطابق خدا نے یسوع کو اس لیئے دنیا مین بھیجا تہا کہ تا وہ صلیب پر چاڑہے اور اس حکم الہٰی اس کو بخوبی علم تہا۔ اسلیئے صلیب پر مرنے سے بچنے کے لیئے دعا کرنے سے بڑھکر یسوع اور کوئی گنہ ہی نہ کر سکتا تہا۔ لیکن انجیلون مین لکھا ہے کہ اُس نے بچنے کے لیئے رو رو کر دعا کی اور ساری رات حکم الہی کی خلاف ورزی مین صرف کی اور غم سے اُسکی موت تک حالت پہونچگیئی۔ پس کوئی شک نہین کہ یسوع کی یہ دُعا کہ موت کا پیالا ٹل جائے خدا کے اس حکم کی نافرمانی تھی جس کا منشا یہ تھا کہ وہ صلیب پر لعنتی موت مرے۔ در حقیقت پادریون نے یسوع کی اِس دُعا کے گناہ کو چھپانے کے لیئے اِس کا گناہ حضرت نوح پر تھوپ دیا ہے۔ ہم امید کرتے ہین کہ پادری ہانرو قلم اُٹھاتے وقت ضرور وضاحت کے ساتھ بیان کریگا کہ کیون حکم الٰہی کی خلاف ورزی مین اپنے بچاؤ کیلیئے دُعا کرنے کے واسطے یسوع گنہ گار نہین اور نوح قرآن شریف کے مطابق کیونکر کسی گناہ کا مرتکب ہُوا +

حضرت یونسؑ کا بھاگنا

حضرت یونس کے متعلق پادری ہانرو نے اپنی معمولی جرأت کے ساتھ یہ جھوٹ بیان کیا ہے کہ وہ نعوذباللہ خدا سے بھاگ گئے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کی اور حوالہ کے لیئے قرآنکریم کو پیش کرتا ہے۔ جن آیتون کا اُس نے حوالہ دیا ہے اُنکو مفصل نقل کرکے ہم آگے دکھلائینگے کہ پادری مذکور نے کیسے سفید جھوٹ بولکر ناحق اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا ہے۔ قرآنکریم کا ایک لفظ بھی اسکے اس جھوٹ کی تائید نہین کرتا۔ پہلے ہم ان آیتون کو لیتے ہین جو سورۂ انبیا مین اس قصّہ کے متعلق آئی ہین اور جنکا حوالہ پادری صاحب نے دیا ہے۔ اِس سورۃ کے مضامین جیسا کہ اسکے نام سے ظاہر ہوتا ہے انبیا علیہم السّلام کے متعلق بالخصوص نہایت ضروری ہین۔ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ کیونکر انبیا سے استہزا کیا جاتا ہے اور انکی تحقیر اور

توہین کی جاتی ہے اور اُنکو کالبیان دیجاتی ہین اِسکے بعد انبیاء کے مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے اور پھر یہ ظاہر نمایا گیا ہے کہ انبیاء حکم الہی کی خلاف ورزی کا ارادہ ہی نہین کر سکتے چنانچہ فرمایا عبادٌ مکرمون لایسبقونہٗ بالقول وھم بامرہٖ یعملون انبیاء خدا کے مکرم بندے ہین جو خدا کے حکم سے بڑھ کر آگے بات نہین کرتے اور اسی کے ارشاد کے مطابق کام کرتے ہین کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیئے بھی خیال نہیں کر سکتا کہ ان الفاظ کے بعد انبیا کی نافرمانیون کا ذکر بھی ہو سکتا ہے بلکہ یہان تو نافرمانی کے امکان کو ہی توڑا گیا ہے اور اُنکی فطرت کو ہی ایسا بیان کیا گیا ہے کہ نافرمانی کا ارادہ بھی نہین کر سکتے اس عام بیان کے بعد ضروری تہا کہ تشریح کے طور پر الگ ذکر انبیاء کا بھی ہوتا جو انبیاء کے اس وصف کو ظاہر کرنیوالا ہوتا۔ اور قرآن شریف کی یہ بھی عادت ہے کہ عام بیان کے بعد وضاحت کیلئے خاص مثالین بیان فرماتا ہے۔ اِس بیان کی تصدیق کے لیئے اِسی سورۃ کا مطالعہ کافی ہے کہ کس طرح انبیاء کے متعلق خدا تعالیٰ اپنے انعامات واکرامات کا بیان کرتا ہے۔ اور دکھاتا ہے کہ جو کچھ اس کا منشا تھا وہ انبیاء کرتے رہے اور اس لیئے خدا بھی ہمیشہ اُنکے ساتھ رہا۔ چنانچہ چند انبیاء کا نام لیکر ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک نبی کی فضیلت کو بیان کرکے بتایا گیا ہے کہ اس مستحکم تعلق اور قرب کے باعث جو خدا کے ساتھ اُنکو تھا کیونکر اللہ تعالےٰ ہر ایک مصیبت کیوقت جو دشمنون کے ہاتھ سے یا قضاء وقدر الہی سے اُنپر وارد ہوئی اُنکو بچاتا رہا۔ پہلے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے ولقد اتینا ابراھیم رشدہٗ من قبل (اور اس سے پہلے ہمنے ابراہیم کو رشد عطا فرمایا) پھر بیان کیا کہ کیونکر لوگ اس سبب اُسکے دشمن ہوگئے کہ اُسنے منشاء الہی کے مطابق بتونکو توڑا اور بالآخر یہ بیان ہے کہ کس طرح ہر ایک مصیبت اور تنگی کے وقت مین خدا تعالےٰ اسے نجات دیتا رہا حضرت ابراہیم کی اولاد مین سے اسحٰق اور یعقوب کا نام لیا گیا ہے اور پھر یہ آیت آتی ہے وکلا جعلنا صلحین وجعلنٰھم ائمۃ یھدون

بامرنا واوحینا الیہم فعل الخیرات اور ہر ایک کو ہمنے راستباز بنایا اور اُنکو امام بنایا جو
ہمارے احکام کی لوگون کو ہدایت کرتے اور ہم نے اُنکی طرف نیک کامونکی وحی کی پھر حضرت لوط کا
ذکر فرمایا کہ ہمنے اُسکو حکمت اور علم سکھایا اور اس کو اس گاؤں سے نجات دی جو بدعملیان کرتے تھے۔ پھر
حضرت نوح کا ذکر ہے کہ " ہمنے اِسکی دعا کو قبول کیا اور اُسکو اور اسکے اہل کو بڑی مصیبت سے نجات
دی ہے" پھر حضرت داؤد اور سلیمان کا ذکر ہے کہ " ہمنے اُنھین حکمت اور علم عطا فرمایا"
پھر ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ " ہمنے اُسکی دُعا کو قبول کیا اور اسکے دُکھ کو دور کیا" پھر
حضرت اسمٰعیل ادریس اور ذوالکفل کا ذکر ہے جو " بڑے صابر تھے اور ہمنے اُنکو اپنی رحمت
مین داخل کیا۔ کیونکہ وہ بڑے راستباز تھے" یہان سے حضرۃ یونس کا ذکر شروع ہوتا ہے
وَذَاالنون اذھب مغاضباً فظن اَن لَن نقدر علیہِ فنادی فی الظُّلُمٰتِ ان
لا الٰہ الا انت سُبحٰنکَ اِنی کُنتُ مِنَ الظّٰلمین فاستجبنا لہٗ ونجینٰہُ مِنَ الغمِ
وکذٰلکَ نُنجی المؤمنین ترجمہ۔ " اور ہمنے ذوالنون کو بھی رشد عطا فرمایا جب وہ غضب کی
حالت مین چلا گیا اور اُسنے خیال کیا کہ ہم اُس پر تنگی نہین کرینگے یا اُس پر مصیبت نہین ڈالینگے
(لیکن جب وہ مصیبت مین گرفتار ہوگیا) تو پھر اُس نے اُس تاریکی مین (جسکے اندر وہ مچھلی کے
پیٹ مین پڑا ہوا تھا) ہمین پکارا اور دعا کی کہ اے خدا تیرے سوا کوئی معبود نہیں تیری ذات
ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور مین کمزور اور مصیبتوں مین پھنسا ہوا ہون پس ہمنے اُسکی
دعا کو قبول کیا اور اُسکو مصیبت سے نجات دی اور ہر ایک ایمان والے کو ہم اسی طرح نجات دیتے
ہین۔" یہان ذوالنون منصوب واقع ہوا ہے اور واو عاطفہ ظاہر کرتی ہے کہ اسکا عطف
کسی پہلے فعل پر ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم کے بعد جتنے نام آئے ہین وہ واو عاطفہ کے ساتھ
منصوب آئے ہین اسلئے ان سب مین وہی فعل مقدر ہے۔ جو حضرت ابراہیم کے متعلق بولا

گیا۔ اِسی لیئے ہمنے وذاالنون کا ترجمہ فعل مقدر کو ظاہر کرکے کیا ہے۔ آخری آیۃ سے یہ بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس مصیبت مین حضرت یونس گرفتار ہوئے وہ اسی قسم کی تھی جیسی پہلے انبیاءٔ پروارد ہوئی تھی اور اُن کا نجات پانا اسی طرز کا تھا جیسا پہلے انبیاء کا جنکا ذکر اسی سورۃ مین حضرت یونس سی پہلے ہو چکا ہے۔ نیز جو خلاصہ مضمون اِس سورۃ کا ہمنے اوپر دیا ہے اس سی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سورۃ مین جسقدر انبیاء کا ذکر ہے اُمین سی اکثر کا ذکر اسی طرح واقع ہوا ہی کہ وہ بڑی بڑی مصیبتون مین گرفتار ہوئے لیکن جب اُنھون نے خدا سے دعا کی تو خدا نے اُن کی دُعا کو قبول کیا اور ان کی مصیبت کو دور کردیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ مصائب جو انبیا پہ آتے ہے وہ اُن کے گناہون کے سبب سے نہین تھی۔ بار بار اِس امر پر اِس سورۃ مین زور دیا گیا ہے کہ کِس طرح صبر کے ساتھ انبیا نے اِن مصیبتون کی برداشت کی جو قضاء و قدر سے یا انکے دشمنون کے ہاتھ سے اُنھین پہنچتی ہین۔ اور کس طرح اُنھون نے ہر ایک بھروسکو چھوڑکر صرف خدا کو ہی پکارا اور اِسی کی مدد طلب کی جب ساری دنیا انکو چھوڑ چکی تھی اور بالآخر کس طرح پر خدا کے فضل اور تائید غیبی نے اُنھین اُن مشکلات سے نجات دی۔ جو پہاڑ کی طرح نظر آتی ہین۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مین قریباً ہر ایک نبی کے متعلق ان الفاظ کا بار بار اعادہ کیا گیا ہے کہ نجینٰہ و کہ ہمنے اُسکو نجات دی۔ یہی الفاظ حضرت یونس کے متعلق اِستعمال کیئے گئے ہین اور اِس جگہ اِسکے ساتھ یہ بھی بڑھا دیا گیا ہے کذٰلِکَ نُنجی المؤمنِین کہ ہر ایک شخصکو جو مصائب کے وقت خدا پر پورا ایمان رکھے ہم اِسی طرح نجات دیتے ہین۔ اور اِن الفاظ سی یہ ظاہر کردیا گیا ہے کہ جن مشکلات مین حضرت یونس مبتلا ہوئے تھے اور جسطرح اُنکو نجات دیگئی۔ وہ بعینہٖ اسی طرز کی تھی جیسا کہ پہلے انبیا کی مشکلات اور اُنکا نجات پانا تھا +

اب ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرتے ہین جو حضرت یونس کے متعلق ہمنے اوپر لکھی ہین

سب سے پہلے یہ الفاظ قابل غور ہین کہ ہمنے یونس کو رشد عطا کیا۔ جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ قرآن شریف مین یہ نہین لکھا کہ یہ اُن کا غضب کسکے متعلق تھا۔ لیکن اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ غضب اِن کا خدا تعالےٰ کے متعلق نہین ہو سکتا۔ کیونکہ اول تو اسی غضب مین چلے جانے کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ہمنے اِسکو رشد عطا فرمایا اگر ان کا غضب خدا تعالےٰ کے برخلاف ہوتا تو اِس طرح پر بیان کیا جانا چاہئیے تھا کہ یونس سخت غلطی مین تھا اور خدا کے غضب کے نیچے تھا جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ نہ یہ کہ ہمنے اُسکو رشد عطا فرمایا جب کہ وہ غضب مین چلا گیا۔ علاوہ ازین ایک نبی کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خدا کے خلاف غضب مین تھا اگر بے ایمانی نہین تو بیوقوفی ضرور ہے۔ خصوصاً جب کہ اِسی سورہ مین یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے۔ کہ خدا کے نبی وہ مکرم بندے ہین جو نہین بولتے جب تک خدا اُنکو نہ بلاوے اور کوئی کام نہین کرتے جب تک خدا اُنکو کرنے کا حکم نہ دے۔ ہمارے لئے یہ ضروری نہین کہ ان تفصیلات کو دیکھین کہ یونس کا غضب کس پر تھا کیونکہ قرآن شریف نے اِسکو مجمل رکھا ہے اور اسکی تفصیل کو ضروری نہین سمجھا۔ ہان اتنا بیان کر دینا ضروری ہے کہ ابن عباس کی ایک روایت کے مطابق وہ اِس ملک کا بادشاہ تھا جسکے برخلاف یونس غضبناک ہوا اور بعض لوگون کا مذہب ہے کہ وہ اس کی اپنی قوم تھی جس کو وہ وعظ کیا کرتے تھے۔ اور جنھون نے اسکو قبول نکیا ان دونو باتون مین سے کوئی سی مان لین تو حضرت یونس کا قصہ دوسرے انبیاء کے قصص کے مطابق ہو جاتا ہے جو اِس سورہ مین بیان کئے گئے ہین۔ اور نیز انبیاء کی اِس خصوصیت کے مطابق ہو جاتا ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے +

اِسکے بعد یہ الفاظ آتے ہین فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ اور یہ وہ موقع ہے جہان یا تو پادری مانر و اور اُسکے دوستون کو غلطی لگی ہے یا اُنھون نے عمداً غلط معنے کیئے ہین صحیح معنے وہی ہین جو ہمنے اوپر کئے ہین جن لوگون نے اسکے معنے یہ سمجھے ہین کہ اُس نے خیال کیا کہ ہم

اس پر کوئی قدرت نہین رکھتے" انکے متعلق صاحب لسان العرب کہتا ہی دیکھو جلد ۶ صفحہ ۳۸۶ و لا
یتاول مثلہ الا الجاھل بکلام العرب و لغاتھا یعنے ایسے معنے کوئی نہین کرتا سوائے ایسے
شخص کے جو عربونکے کلام اور انکے لغات سے بالکل جاہل ہو پھر اس فقرہ کے معنے کرتے ہوئے اسی کتاب
مین لکھا ہی کہ" اسکے صحیح معنے یہ ہین کہ ہم اس کے لیئے کوئی مصیبت مقدر نہین کرینگے یا ہم اس پر تنگی
نہین کرینگے اور یہ دونون معنے عربی زبان مین مشہور ہین"۔ ان معنون کی مثالین قرآن شریف
مین اور جگہ بھی موجود ہین چنانچہ اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ و یقدر او
من قدر علیہ رزقہ اگر بالفرض کسی نے غلطی سے یا عربی زبان کی ناواقفیت کے سبب
یہ معنے کیئے ہون تو وہ سند نہین ہوسکتے کیونکہ تمام مفسرین اور اہل لغت نے اس غلطی کو بیان کرکے اسکے
صحیح معنے کردیئے ہین۔ یہ پادریون کی محض بیوقوفی ہے کہ غلط ترجمہ پر زور دیئے جاتے ہین جبکہ
اس غلطی کی اس قدر زور سے تردید بھی کردی گئی ہے +

ان الفاظ پر غور کرنا باقی ہی لا الہ الا انت سبحنک انی کنت من الظلمین
لفظ ظلم پر الگ مفصل بحث کیجاوے گی۔ یہان اتنا بیان کرنا ضروری ہی کہ حضرت یونس یہان
انسانی کمزوری اور نقص کا خدا تعالے کے کمال اور قدرت کے سامنے اقرار کرتے ہین۔ لفظ سبحنک
کے معنے یہی ہین کہ اے خدا تو ہر ایک عیب اور نقص سے پاک ہے اور اپنی ذات مین کامل ہی۔ خدا تعالے کی طاقت
اور کمال کے سامنے وہ اپنی انسانی حالت کو عاجزانہ طور پر بیان کرتے ہین اور اپنے مصائب اور تکالیف
کو اسکے سامنے پیش کرتے ہین وہ تمام قوت خدا تعالے کیطرف منسوب کرتے ہین اور کمزوری اپنی طرف
اور التجا کرتے ہین کہ خدا تعالے اپنی طاقت کے ساتھ انکو ان مصائب سے نجات دے جنمین وہ مبتلا
ہین کیونکہ وہ خود باہر نکلنے کی طاقت نہین رکھتے۔ ایسا ہی وہ بے عیبی کو خدا تعالے کی طرف
منسوب کرتے ہین اور اسکے بالمقابل انسانی نقص کو پیش کرتے ہین۔ اور خدا سے دعا کرتے ہین کہ اس کا

کمال ان کے تمام فطرتی نقصونکو پورا کرے۔ اس طرح خدا تعالےٰ کے کمال مطلق اور انسانی
کمزوری اور عجز کو بالمقابل رکھا گیا ہی یہی وجہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ معتبر روایتوں
مین آیا ہے فرمایا کہ جو شخص بڑی مصیبتون کے نیچے دبا ہوا حضرت یونس کے الفاظ مین دعا کرے گا
یعنی ان الفاظ مین کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اسکے مصائب دور کیے
جائینگے۔ تو گویا اس دعا کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ یہ مصائب سے نجات
طلب کرنیکے لئے ہے اور یہ نہین فرمایا کہ یہ گناہ سے معافی مانگنے کے لیئے ہے۔ اس حدیث سے اس دعا
کے معنے بالکل صاف ہو جاتے ہین اور معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ظلم جو یہان استعمال کیا گیا ہی اس سے
مراد وہ مصائب ہین جو حضرت یونس کو پیش آئے تھے نہ کہ گناہ۔ کسی گناہ کا آگے یا پیچھے ذکر نہین
اور خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بتا دیا کہ یہ دعا مصائب سے نجات مانگنے کے لیئے ہے۔ چنانچہ
فرمایا۔ ما دعا بھا عبدٌ مسلمٌ قط وھو مکروبٌ اِلَّا استجاب اللہ دعاءہٗ یعنے جو
کوئی مسلمان جو مصائب کے نیچے دبا ہوا ہو یہ دعا کرے گا۔ ضرور ضرور خدا تعالےٰ اسکی دعا کو
منظور کریگا۔ اسلیئے اس دعا مین لفظ ظالم کے معنے یہ ہین کہ مصائب کے نیچے دبا ہوا۔ کیونکہ اگر
ایسا نہ ہو تو حضرت یونس کی حالت مین ایک شخص کے مناسب حال بالکل نہین ہو سکتی اور نہ
ہی اس دعا کو مصائب اور مشکلات سے نجات پانے سے کچھ تعلق ہونا چاہیئے +

آخری الفاظ ان آیات کے فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ ان معنون پر اور زیادہ
روشنی ڈالتے ہین یہان ایک دعا کا ذکر ہے جو خدا تعالےٰ نے قبول کی اور اس قبولیت کا نتیجہ
مصیبت سے نجات دینا ہے اور ساتھ ہی ایسی نجات کا ہر ایک مومن سے وعدہ ہے جو دعا کرے۔ اس سے
صاف معلوم ہوتا ہی کہ حضرت یونس کی دعا مصیبت سے نجات کے لیئے تھی جبکہ قبول کر کے
خدا تعالےٰ نے اس کو نجات دی۔ لیکن قرآن شریف مین جس دعا کا ذکر ہے وہ صرف یہی دعا ہے

جس دعا کا ذکر اوپر ہو چکا یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور اس دعا مین حضرت یونس کے متعلق جو لفظ ہے وہ ظالم کا لفظ ہے اسلیئے حضرت یونس کی دعا بھی اسی حالت ظلم سے نجات پانیکے لیئے تھی لیکن دعا کی قبولیت ہمین یہ بتاتی ہے کہ حالت سخت مصیبت اور تکلیف کی حالت تھی اسلیئے ہم لفظ ظالم کے معنے اسی کے مطابق کر سکتے ہین یعنے مصیبتون کے نیچے دبا ہوا اسلیئے جہانتک ان آیات کا ہم کوئی مفہوم لے سکتے ہین۔ نہ تو حضرت یونس کے خدا سے بھاگنے کا ذکر ہے نہ خدا کے کسی حکم کو توڑنے کا ذکر ہے اور نہ کسی گناہ کا اقرار ہے

اب ہم سورۂ الصّٰٓفّٰت مین جو حضرت یونس کے متعلق آیتین آئی ہین اُنکو لیتے ہین۔ وہ آیتین اس طرح پر ہین وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ۔ اِذْ اَبَقَ اِلَی الْفُلْکِ الْمَشْحُوْنِ۔ فَسَاھَمَ فَکَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ۔ فَالْتَقَمَہُ الْحُوْتُ وَھُوَ مُلِیْمٌ۔ فَلَوْلَآ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖٓ الخ ”اور یونس ہمارے مرسلون مین سے ایک تھا۔ یاد کرو جب وہ بھرے ہوئے جہاز کیطرف بھاگ گیا اور قرعہ اندازی کی گئی اور قرعہ اُسی پر پڑا پھر مچھلی اُسکو نگل گئی اور وہ مستحق ملامت سمجھا گیا تھا۔ لیکن اگر وہ ہماری تسبیح اور تقدیس کرنیوالون مین سے ہوتا تو اُسی کے پیٹ مین رہتا۔“ اس سورۃ مین بھی یہی ذکر ہے کہ کس طرح خدا تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ نبیون کو انکے دشمنون کے ہاتھ سے نجات دی کس طرح پہ نوح پھر ابراہیم پھر موسیٰ اور ہارون پھر الیاس پھر لوط کو عین ضرورت کے وقت خدا تعالےٰ نے مدد دی کیونکہ اُن کا بھروسہ خدا ہی پر تھا اور بڑے بڑے مصائب اور ابتلاؤن کیوقت ثابت قدم رہے۔ اور راستبازی کے کام کرتے رہے چنانچہ قریب ہر ایک نبی کے متعلق یہ الفاظ آئے ہین اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یعنے اسی طرح پر ہم راستباز کو انعام دیتے ہین کیونکہ وہ (یعنی جس نبی کا ذکر ہے) مصائب کے وقت ہمارے ثابت قدم بندے تھے

مین سے تھا۔ اِسکے بعد حضرت یونس کا ذکر اِن تعریفی الفاظ مین شروع ہوتا ہے۔ یونس بھی اِن لوگون مین سے تھا جنکو ہمنے نبی کرکے چن لیا۔ اس کے بعد اس مصیبت کا بیان ہے۔ جو حضرت یونس پر اسی طرح پڑی جس طرح حضرت ابراہیم۔ نوح۔ موسیٰ۔ لوط۔ وغیرہ دوسرے انبیا پر مصیبتین آئین اِس مصیبت کا ... نا یہ ہے کہ حضرت یونس کو ایک جہاز کیطرف بھاگنا پڑا۔ یہ فرض کرنا کہ وہ خدا سے بھاگے تھے پرلے درجہ کی حماقت ہے اگر خدا کا یہی منشا ہوتا تو ماقبل کی آیت مین بجائے یہ کہنے کے کہ یونس بھی ہمارے برگزیدہ رسولون میں سے تھا یہ کہنا چاہئے تھا کہ یونس بھی گنہگارون یا مجرمون مین سے ایک تھا کیونکہ وہ خدا سے بھاگ گیا سورہ انبیا کی آیت پر بحث کرتے وقت ہم یہ بیان کر چکے ہین کہ حضرت یونس کا بھاگنا اس ملک کے بادشاہ سے تھا یا اپنی قوم سے۔ اسکے بعد جب حضرت یونس جہاز مین چڑھ بیٹھے تو اور بھی زیادہ مصائب نے اُنکو آگھیرا۔ قرعہ ڈالکر اُنکو دریا مین پھینکا گیا اور اہل جہاز نے خیال کیا کہ وہ واقعی ملامت کے قابل ہین لیکن چونکہ وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک قابل ملامت نہین تھے اِسلئے خدا تعالےٰ نے اُنکو بچا لیا۔ اگر وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک ایسے ہی ملزم ہوتے جیسا کہ لوگون نے اُنکو خیال کر لیا تھا جب وہ دریا مین پھینکے گئے تھے تو وہ ضرور غرق ہو جاتے کیونکہ خدا تعالےٰ اُن کی مدد کرتا لیکن خدا تعالےٰ خود اُنکے ملزم ہونے کا انکار اِن الفاظ مین کرتا ہے فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ اور فرماتا ہے کہ اگر واقعی وہ خدا کی تسبیح کرنے والا نہوتا اور ملزم ہی ہوتا جیسا کہ لوگون نے اسے خیال کر لیا تھا تو ضرور غرق کیا جاتا لیکن خدا تعالےٰ اسکی نسبت یہ بیان کرکے کہ وہ خدا کی تسبیح اور تقدیس کرنے والون مین سے تھا اور اِسلئے بچا لیا گیا اس کے ملزم ہونے سے صاف انکار کرتا ہے کیونکہ اگر وہ خدا کو ناراض کرکے اور خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرکے بھاگا ہوتا تو وہ مسبح نہ ٹھیرتا لیکن چونکہ وہ ہر وقت خدا پر خالص اور سچا ایمان رکھتا تھا جیسا کہ دوسرے انبیا رکھتے تھے اِس واسطے خدا

نے اسکو عین اس وقت بچالیا جبکہ اسکے بچنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی +

اِن تمام باتون سے ظاہر ہے کہ حضرت یونس خداتعالےٰ سے کبھی نہین بھاگے ہان یسوع کے متعلق ایک واقعہ کا انجیل مین ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یسوع خدا سے بھاگ گیا کیونکہ انجیل مین لکھا ہے کہ جب اِس مقصد کے پورا ہونے کا وقت آیا جسکے لئے عیسائیون کے اعتقاد کے بموجب خدا نے یسوع کو بھیجا تھا تو یسوع ایک باغ مین چھپ گیا۔ اب یہودیون سے اپنے آپ کو چھپانا خداتعالےٰ سے بھاگنا تھا کیونکہ یہودی اسوقت عیسائیون کے اعتقاد کے رو سے خداتعالےٰ کے حکم کو پورا کرنا چاہتے تھے لیکن یسوع اس قدر دلیری نہ کرسکا کہ اس حکم آلہی کے مطابق وہ خود ہی یہودیوں کے پاس چلا جاتا اور صلیب پر چڑھنے کی درخواست کرتا اور اِسی لئے بیچارے یہودیونکو اِسکے شاگردون مین سے ایک کو رشوت دینی پڑی تاکہ اس کا پتہ ملجاوے۔ ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ پادری یسوع کے اِس طرح پر خدا سے بھاگنے کی کیا تشریح کرتے ہین +

حضرت موسےٰ کا قتل کرنا پادری مانز حضرت موسیٰ پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ ایک خون ناحق کرکے خدا کے گنہگار ہوئے۔ اور سورۂ قصص کی بناپر وہ یہ الزام پیش کرتا ہے۔ سورۂ قصص مین یہ قصہ اس طرح پر مذکور ہے۔ "اور جب موسیٰ عین بلوغت پر پہونچا اور اسکے انسانی قوےٰ پوری طرح نشوونما پاگئے تو ہمنے اسکو علم اور حکمت دیا۔ کیونکہ راستبازونکو ہم اسی طرح پر انعام دیا کرتے ہین اور وہ ایسے وقت شہر مین داخل ہوا جب کہ لوگ غفلت کیحالت مین تھے اور اُسنے دو آدمی لڑتے پائے ایک اِسکے اپنے گروہ مین سے اور دوسرا اپنے دشمنون مین سے۔ جو شخص اُسکے اپنے گروہ مین سے تھا اُسنے موسےٰ کے پاس فریاد کی اور دشمن پر مدد چاہی تو موسےٰ نے اُسکے ایک مکا مارا تو وہ مرگیا موسےٰ نے کہا یہ شیطانی اعمال کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ شیطان دشمن صریح بھکانے والا ہے پھر حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب مینے اپنی جانکو خسارہ

مین ڈالدیا پس تو میری حفاظت کر یس خدا نے اُس کی حفاظت کی کیونکہ خدا بڑا حفاظت کرنے
والا مہربان ہے حضرت موسٰے نے کہا اے میرے رب جیسا تو نے مجھپر فضل کیا مین بھی کبھی
گنہگارون کا مددگار نہین ہونگا لیکن شہر مین وہ صبحکو ڈرتا ہوا اٹھا اس انتظار مین کہ کوئی اسکو
پکڑنے تو پھر وہی آدمی جسنے پہلے دن اس سے مدد مانگی تھی فریاد کرتا ہوا نظر آیا موسٰے نے اسکو کہا
کہ تو بڑا جھگڑالو ہے پھر جب ارادہ کیا کہ اس شخص پر ہاتھ ڈالے جو ان دونو کا دشمن تھا تو وہ دوسرا شخص
بول اُٹھا کہ اے موسٰے کیا تو ارادہ کرتا ہے کہ جیسا کل ایک آدمی کو قتل کیا ویسا ہی آج مجھے
قتل کرے" اس قصہ مین کئی امور قابل غور ہین اول تو قصہ کو شروع کرنے سے پہلے ایسے الفاظ
مین حضرت موسٰی کی تعریف کی گئی ہی جو اسکے خلاف گناہ کا نتیجہ نکالنے سے سخت مانع ہے۔ خدا تعالٰے
فرماتا ہی کہ موسٰی کو علم و حکمت اس واسطے دیا گیا کہ وہ بڑا راستباز تھا۔ اب قصے کو بیان کرتے ہوئے
پادری اس نکتہ کو کبھی بیان نہین کرینگے چنانچہ پادری مانرو نے ایسا ہی کیا ہے۔ اصل بات یہ ہے
کہ یہ الفاظ سارے قصہ کی جان ہین۔ اور اسکے اصل منشا کو ظاہر کرتے ہین۔ موسٰی کی راستبازی خدا
تعالٰے کو ایسی پسند آئی کہ اُسنے بڑے بڑے انعامات حکمت اور علم کے اُسے عطا فرمائے۔ اب خیال کرو
کہ ایسے بیان کے بعد یہ قصہ مذکور ہو کہ ایک دن تو حضرت موسٰے نے خون ناحق کیا اور رات کو توبہ کیے
پھر دوسری صبح ایک اور خون ناحق کرنے کی کوشش کی اور اس مین بھی کامیاب ہو جاتا اگر شور نہ
پڑ جاتا۔ کیا اس سے زیادہ بھی بیہودہ بے تعلق عبارت کا قیاس مین آسکتا ہے اسکی مثال ایسی ہی کہ مثلاً
ایک شخص شراب کی ممانعت پر لکچر دینے کھڑا ہوا اور سامعین کی تقلید کیلئے ایک ایسے شخصکو
بطور نمونہ پیش کرے جسکی ہر جگہ پرہیزگاری اور شراب نہ پینے کی تعریف اور شہرت ہو رہی ہو اور پھر
ساتھ اسکے یہ قصہ بھی بیان کرے کہ یہی شخص جسکو وہ نمونہ کیطور پر پیش کرتا ہے ایک شام کو
بازار مین شراب سے مدہوش پڑا ہوا پایا گیا۔ اور پھر رات کو اسکے سامنے اُس نے توبہ کی اور

دوسری شام کو پھر ایک شراب کی دوکان مین جاتا ہؤا دیکھا گیا۔ اس مثال کی بیہودگی پر غور کرو اور پھر سوچو کہ آیا پادری قرآن شریف کے معنے کرنے مین اس سے بھی بڑھ کر حماقت نہین دکھلاتے ہوئے موسیٰ ایک شخص ہے جسکو پہلے مؤمنین کے سامنے راستبازی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور پھر اُسکی راستبازی کی یہانتک تعریف کیجاتی ہے کہ خدا تعالےٰ اُس سے خوش ہو کر اسکو بڑے بڑے انعام دیتا ہے اور علم و حکمت عطا کرتا ہے۔ اور پھر اگلی آیت مین اسکے متعلق یہ بیان کیا جاوے کہ وہ بڑا سفاک اور خونریز تھا جو ناحق لوگوں کے خون کیا کرتا تھا +

پھر ایک اور امر قابل غور یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سے حفاظت مانگنے کے بعد اور جب خدا تعالےٰ سے حفاظت کا وعدہ انکو دیا جاتا ہے تو حضرت موسےٰ بارگاہ الٰہی مین عرض کرتے ہین رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ "اے میرے رب تیرے انعامونکے سبب سے جو تونے مجھ پر کیئے ہین مین کبھی مجرمون کا مددگار نہین ہونگا" اس لیئے ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ اسرائیلی کی مدد کر کے بھی حضرت موسےٰ گناہ کے مرتکب ہوئے کیونکہ یا تو اس فعل مین وہ حق پر تھے یا ناحق پر۔ اگر حق پر تھے تو پھر تو کوئی اعتراض ہی باقی نہین رہتا لیکن اگر وہ ناحق پر تھے تو پھر وہ مجرم کے مددگار ٹھیرے۔ لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ وہ کبھی بھی مجرمون کے مددگار نہین ہوئے۔ بفرض محال اگر یہی مان لیا جاوے کہ یہ وعدہ حضرت موسیٰ کا قبطی کے قتل کے بعد کا تھا۔ تب بھی یہ نتیجہ نہین نکل سکتا کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین حضرت موسےٰ ناحق پر تھے کم سے کم اتنا تو ماننا پڑے گا کہ وعدہ کے بعد حضرت موسےٰ اس قسم کے ارتکاب کی پھر کوشش نکرتے اگر وہ اپنے فعل کو گناہ یا مجرم کی مدد سمجھتے لیکن ایکدن بھی اس وعدہ پر نہ گذرنے پایا تھا کہ اسی قسم کا واقعہ حضرت موسےٰ کو پھر پیش آیا کہ آپنے اُسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی سے لڑتے دیکھا اور پھر اسرائیلی نے اسی طرح موسےٰ کے پاس فریاد کی اور اسی طرح موسےٰ نے اسکی مدد کرنی چاہی اور دشمن کو ہلاک کرنا چاہا مگر ایک ایسا واقعہ پیش

آگیا کہ اُنکو رکنا پڑا۔ اگر حضرت موسےٰ پہلی دفعہ اسرائیلی کی مدد کو گناہ خیال کرتے تو ممکن نہ تھا کہ اُنھین واقعات کے ماتحت اسی اسرائیلی کی مدد کو پھر تیار ہو جاتے جو ایکدفعہ انکے گناہ کا موجب ہو چکا تھا درانحالیکہ وہ وعدہ بھی کر چکے تھے کہ وہ کبھی کسی مجرم کی مدد نہین کرینگے۔ آیت فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ صاف اس امر پر شاہد ہے کہ دوسرے موقعہ پر حضرت موسیٰ کا فعل ظالمانہ فعل نہ تھا مگر چونکہ حضرت موسےٰ نے دوسرے موقعہ پر بعینہٖ اسی فعل کا ارادہ کیا تھا جو وہ پہلے موقعہ پر کر چکے تھے اسلیئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہین کہ پہلے موقعہ پر بھی وہ کسی بُرے فعل کے مرتکب نہین ہوئے یعنی کسی ایسے فعل کے کہ جسکو وہ خود بُرا سمجھتے ہون یا جو خدا کے نزدیک بُرا ہو +

ایک اور امر جسپر غور کرنیسے حضرت موسےٰ کی معصومیت ثابت ہوتی ہے انکی وہ دعا ہے جو کہ مدین کو بھاگتے وقت اُنھون نے اللہ تعالےٰ سے مانگی۔ یہ دعا ان الفاظ مین ہے رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ یہان موسےٰ اپنے دشمنونکو ظالم بیان کرتے ہین۔ حالانکہ وہ اگر اپنے فعل کو ظلم سمجھتے تو ممکن نہ تھا کہ اسی معاملہ مین وہ اپنے دشمنونکو بھی ظالم کہتے۔ اگر حضرت موسےٰ یہ جانتے تھے کہ ایک آدمی کے مار ڈالنے مین اُنھون نے کسی ظالمانہ فعل کا ارتکاب کیا ہے تو پھر وہ اُن لوگونکو جو ایک مجرم شخصکو قرار واقعی سزا دینا چاہتے تھے۔ کیون ظالم کہتے۔ خود انکی یہ تعلیم تھی کہ جان کے بدلے جان تو پھر ان لوگونکو جو اسی قانون کے مطابق اُنھین پکڑنا چاہتے تھے جسکو وہ عدل اور انصاف کا قانون سمجھتے تھے کیونکر ظالم کہہ سکتے تھے ان کا اپنے مخالفون کو ظالم بیان کرنا اسلیئے کہ وہ قبطی کو مارنے کی وجہ سے انکی جان کے درپے ہوگئے تھے صاف ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس معاملہ مین بیگناہ سمجھتے تھے اور یقیناً جانتے تھے کہ اُنھون نے کوئی خون ناحق نہین کیا جسکے بدلے انھین سزا ملنی چاہیئے اگر وہ خون ناحق کے مرتکب ہوئے ہوتے تو ایک عدل اور انصاف کی سزا کو وہ ظلم نہین کہہ سکتے تھے پھر جب موسےٰ مدین مین پہنچتے ہین اور شیخ کبیر کے سامنے اپنا قصہ بیان کرتے ہین کہ کیونکر اُنھون نے ایک

قبطی کو مارا اور پھر کیونکر وہاں سے بھاگے تو وہ شیخ کبیر بھی قبطیونکو ہی ظالم ٹھیراتا ہی اور اس معاملہ مین بغیر کیطرف ظلم کو منسوب کرتا ہی۔ اور کہتا ہے لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو مت ڈر کہ ان لوگون سے جو تجھ پر ظلم کا ارادہ رکھتے تھے تو نجات پاگیا۔ اِسی طرح پر قصہ مین حضرت موسے کے دشمنون کے اس فعل کو کہ وہ قبطی کے بدلے انکو مارنا چاہتے تھے۔ خدا تعالے نے ظلم اور ناحق قرار دیا ہے اور اسلیئے وہ فعل جسپر یہ سزا تجویز کرتے تھے خدا تعالے کے نزدیک ظالمانہ اور ناحق نہین ہوسکتا۔ ایسا ہی خدا تعالے سے ہمکلام ہوتے ہوئے موسے کہتے ہین وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ کہ ان مصریون کا مجھ پر گنہ ہے اور یہ نہین کہا کہ خدا کا گناہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قتل کے معاملہ مین وہ خدا تعالے کے نزدیک قطعاً اپنے آپکو گنہ گار نہین سمجھتے تھے کیونکہ وہ خدا کو یہ کہتے ہین کہ مین ان مصریونکے نزدیک گنہ گار ہون نہ یہ کہ تیرے نزدیک بھی گنہ گار ہون +

حضرت موسے کے یہ الفاظ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ کہ یہ تیرے شیطانی فعلونکی سزا ہے جو انھون نے قبطی کے متعلق کہے اسی نتیجہ کے موید ہین۔ جب حضرت موسے نے دیکھا کہ قبطی انکے مکہ سے موت تک پہنچگیا ہے۔ تو فی الفور بول اُٹھے کہ یہ تیرے شیطانی فعلون کے سبب سے ہے۔ جس سے اُنکا یہ مطلب تھا کہ تو نے ناحق ایک اسرائیلی پر ظلم کرنا چاہا اسلیئے اپنی سزا کو پہونچگیا۔ ان الفاظ کو حضرت موسے کے متعلق سمجھنا ایسی بیہودگی ہی کہ اسکی تردید کی حاجت معلوم نہین ہوتی۔ جتنے پہلوؤن پر ہم اب تک غور کر چکے ہین وہ سب اس بیہودہ خیال کی تردید کرتے ہین اور قرائن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسے اس مصری کے شیطانی فعلون کا ذکر کرتے ہین۔ الفاظ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ سے بھی یہ مراد نہین لیجا سکتی کہ حضرت موسے اپنی طرف کسی ظالمانہ فعل کو منسوب کرتے ہین کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھا چکے ہین وہ اپنے دشمنونکے فعل کو جو اس قتل کا بدلہ حضرت موسے سے لینا چاہتے تھے ظالم کہتے اور سمجھتے تھے۔ اور اسلیئے ایک لمحہ کے لیئے بھی وہ اپنی طرف اس معاملہ مین ظلم کو منسوب کر سکتے تھی

ان الفاظ سے مراد فقط یہ ہے کہ مینے اپنی جانکو خطرہ مین ڈالدیا ہے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مصری جو انکے پہلے سے دشمن تھے انکے قتل کیلئے کوئی بہانہ چاہتے تھے - اسی خطرہ کے احساس کے سبب سے وہ فی الفور خداتعالیٰ کیطرف رجوع کرتے ہین اور اس سے حفاظت طلب کرتے ہین اور یہ کہتے ہین فَاغْفِرْ لِیْ کیونکہ وہ ایک راستباز آدمی تھے - اور کسی دوسرے کو خدا کے سوا اپنا مددگار اور محافظ نہ سمجھتے تھے سو خداتعالےٰ نے اُنکی دعا کو منظور کیا اور فرمایا کہ تم مصریونکے ہاتھ سے بچائے جاؤگے چنانچہ اسی وعدہ الٰہی کے مطابق عین موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ کو اطلاع دیدی کہ تمہارے پکڑنے کیلئے دشمن تجویزین کر رہے ہین سو تم اس شہر سے بھاگ جاؤ اور اس طرح پر جس حفاظت کا حضرت موسےٰ کیساتھ وعدہ کیا تھا اسکو پورا کیا - اب تک کے ان معنون کی صحت پر صرف امور متذکرہ بالا ہی شاہد نہین بلکہ دوسرے مقامات پر جہان قرآن کریم مین اس قصہ کا ذکر آیا ہے وہان سے بھی انھین معنون کی تائید ہوتی ہے - مثلاً سورہ طٰہٰ مین اللہ تعالےٰ حضرت موسےٰ پر اپنے انعامات کو بیان کرتا ہوا فرماتا ہے کہ کس طرح کئی موقعونپر ہمنے تیری جان بچائی - چنانچہ پہلا واقعہ جسکا بیان فرماکر پھر فرماتا ہے وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ یعنے تونے ایک آدمی کو قتل کردیا اور ہم نے تجھے اس غم سے نجات دی - اسمین ذرا شک نہین ہوسکتا کہ اس غم سے مراد وہی غم ہے جو بعد قتل کے حضرت موسےٰ کو اپنی جانکے لئے ہوا جسکے لئے انھون نے یہ دعا مانگی کہ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ اگر خداتعالےٰ کے نزدیک اس قبطی کا قتل گناہ ہوتا اور اسی کے مطابق سورہ قصص کے ان الفاظ کے معنے ہوتے جو ہمنے اوپر نقل کیے ہین تو ضرور تھا کہ خداوند تعالےٰ موسےٰ کو یہ بھی فرماتا کہ کس طرح وہ قبطی کے قتل مین گناہ کا مرتکب ہوا اور کیونکر اس کا گناہ معاف کردیا گیا جبکہ اُسنے توبہ کی برخلاف اسکے خداتعالےٰ اسی انعام کو بیان کرتا ہے کہ کیونکر جب وہ قبطی کو قتل کرچکا خداتعالےٰ نے اسکی جان بچائی اور قرآن مین کہین یہ بھی ذکر ہونا چاہئے تھا کہ کس طرح موسےٰ اپنے اس گناہ کیلئے نادم

ہوتا رہا اور فکر کرتا رہا کیونکہ حضرت موسےٰ کا قصہ کئی بار قرآن شریف مین بیان ہوا ہی مگر قرآن شریف مین اسی غم کا ذکر ہے جو حضرت موسےٰ کو اپنی جان کیلئے ہوا تھا اور اسی انعام کا ذکر ہے جو خدا تعالےٰ نے اس غم کیوقت مین اسکو سہارا دیا اور اُنکی جان بچائی چنانچہ جسوقت اس کو فرعون کیطرف جانے کا حکم ہوا تو حضرت موسےٰ نے یہی عرض کی اِنّی قتلتُ مِنہُم نفساً فاخافُ اَن یقتلون کہ ان مین سی مینے ایک آدمی کو مار دیا ہی اور مین ڈرتا ہون کہ وہ مجھے مار نہ ڈالین پس اسمین کوئی شک نہین کہ جس غم کا الفاظ ظلمتُ نفسِی مین اظہار کیا گیا ہے وہ آنکو انکی جانکے خطرہ کا متعلق تھا جسکا ذکر قرآن شریف مین بار بار کیا ہے اور جس حفاظت کا انکو وہان وعدہ دیا گیا ہی وہ حفاظت انکے دشمنون کے بدمنصوبون سی تھی نہ کہ خدا کی سزا سے۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد جو کچھ ہوا وہ بھی اسی نتیجہ کا مؤید ہے۔ کیونکہ اپنے سخت ترین دشمنونکے درمیان ہی حضرت موسےٰ کی زندگی معجزانہ طور پر بچائی گئی ۔

جہانتک یہ قصہ قرآن شریف مین موجود ہے اس سی حضرت موسےٰ کے گنہگار ہونے کا نتیجہ ہرگز نہین نکل سکتا۔ اب ہم دیکھتے ہین کہ حضرت موسےٰ کا فعل قبطی کے مارنے کا کس قسم کا تھا۔ اور کیا وجہ تھی کہ وہ قتل مین اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے اور اُن لوگون کو جو قصاص مین اُن کی جان لینا چاہتے تھے ناحق پر خیال کرتے۔ تھے۔ یہ امر واقعہ ہے جسکی شہادت تاریخ سے ملتی ہے کہ اسرائیلی مصریونکے ماتحت ایک سخت غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے انکے ساتھ صرف معمولی غلامون ہی کا سلوک نہ ہوتا تھا بلکہ بہت سختی اور ظلم ان پر کیے جاتے تھے اور ذلیل سی ذلیل کام ان سے لیئے جاتے تھے قرآن شریف اور توریت دونو گواہ ہین۔ آسانی سی سمجھ مین آسکتا ہی کہ اس ذلت کی حالت مین انکے ظالم آقا کس کس قسم کی بے رحمیان اُن پر کرتے ہونگے اور کس طرح پر بے دردی سی انکو مار ڈالتے ہونگے۔ تمدن کے پرانے قوانین کی روسے غلام کے قتل کیوقت

مناسب چارہ جوئی نہین ہوسکتی تھی۔ اور جب اسکے ساتھ ہم اس سختی کو بھی مدنظر رکھین جو مصری اسرائیلیون پر کرتے تھے اور اس ذلیل حالت پر غور کرین کہ جس طرح اسرائیلی رکھے جاتے تھے تو آسانی سے سمجھ مین آ سکتا ہی کہ کس طرح پر قبطی اسرائیلیونکو قانون کی گرفت سے بیخوف مار ڈالتے ہونگے۔ جبکہ حکام بھی ان بیچارے عبرانیونکی جانونکی چندان پرواہ نکرتے تھے۔ اب سوچنا چاہیئے کہ اگر ایک اسرائیلی اور قبطی لڑ رہے ہون تو بیچارے اسرائیلی غلام کی جان کسقدر خوف کی حالت مین ہوگی کیونکہ اسرائیلی تو اپنے آقا کے خلاف ہاتھ بھی نہین اُٹھا سکتا اور قبطی کو نہ اسکی جان کی پرواہ ہے اور نہ قانون کا خوف ہے۔ اب اگر حضرت موسےٰ اسرائیلی کی مدد کے لیئے وقت پر نہ پہونچگئے ہوتے تو وہ یقیناً جانبر نہ ہوسکتا۔ جب اُسنے ظالم دشمن کے پنجہ مین اپنے آپکو بے بس پایا تو ناگہان حضرت موسےٰ پر اُسکی نظر جا پڑی اور اُن سے اُسنے مدد طلب کی۔

لفظ استغاثہ جو یہان استعمال کیا گیا ہے وہ بھی ظاہر کرتا ہے کہ مظلوم اسرائیلی تھا۔ اور اگر حضرت موسےٰ اُسکی جان نہ بچاتے تو وہ خودبخود قبطی کے پنجہ سے نجات نہ پا سکتا۔ یہ حالت دیکھکر حضرت موسےٰ نے اس ظالم کے مُکہ مارا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا منشا اُسکو قتل کرنے کا نہین تھا بلکہ صرف مظلوم کو چھڑانے کا تھا۔ مُکہ سے مر جانا یہ ایک اتفاقی امر تھا ورنہ ضرب اس قسم کی نہ تھی جس سے معمولی طور پر نتیجہ موت کا پیدا ہوسکے لیکن اگر یہ بھی مانلیا جائے کہ حضرت موسےٰ کا ارادہ ہی اسکو قتل کرنے کا تھا تب بھی حضرت موسےٰ حق پر ہی تھے کیونکہ اگر وہ مظلوم کی مدد نکرتے تو معاً اُسکی جان کا خاتمہ ہو جاتا۔ اسلیئے حضرت موسےٰ نے جو کچھ فعل کیا وہ ایک جان بچانے کیلیئے تھا اور اسلیئے اُسکو گناہ یا جرم کسی صورت مین کہا نہین جا سکتا۔ حضرت موسےٰ کا قتل کے واقعہ کے بعد ہی معاً یہ کہنا کہ مین مجرمونکا مددگار ہرگز نہین ہونگا اسی امر پر دال ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اسرائیلی کی مدد کرنے مین اُنھون نے ظالم کی مدد نہین کی بلکہ مظلوم کی کی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب اُنھون نے اُسی اسرائیلی کو ایک اور قبطی کے پنجہ مین گرفتار پایا اور مدد کیلیئے چلاتے ہوئے دیکھا تو پھر وہ اسی طرح مدد کیلیئے طیار ہوگئے۔ یہ کہ اُسکو حضرت

موسیٰ نے غوی کہا اس سے مراد انکی یہ نہتھی کہ وہ ظالم ہے کیونکہ غوی کو اگر ان معنون مین استعمال کرتے تو کبھی اسکی مدد کیلئے آگے نہ بڑھتے غوی سے مراد انکی یہ تھی کہ تو جھگڑالو ہے۔ اور اس کو یہ اطلاع دینا مقصود تھا کہ اسکو ایسے آدمیون کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرنا چاہئے جو بڑی بیدردی سے اُس کی جان کا خاتمہ کر دینے کو طیار تھے پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسے ایک غلام کی جان بچانے لگے تھے کہ اتفاقاً ظالم اپنی سزا کو پہونچگیا۔ اور حضرت موسے کا یہ فعل صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ایک بے گناہ آدمی کی جان بچانے کیلئے ضروری ہو گیا تھا +

حضرت ہارون پر شرک کا الزام

پادری مانرو حضرت ہارون پر شرک کا الزام لگاتا ہے اور سند کیلئے سورہ اعراف کی آیت ۱۵۰ کا حوالہ دیتا ہے۔ اس آیت کو بمعہ ترجمہ ہم نیچے لکھتے ہین تاکہ معلوم ہو کہ کسقدر دیانتداری سے پادری صاحبان کام لیتے ہیں وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي صلے فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔ ترجمہ۔ اور جب پھر آیا موسے اپنی قوم کیطرف غضب اور رنج سے بھرا ہوا۔ کہا بُرا ہے جو کچھ تمنے میرے بعد کیا۔ کیا تمنے اپنے رب کے حکم مین شتابی کی۔ اور تختیان ڈالدین اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اسکو اپنی طرف کھینچنے لگا اُسنے کہا اے میری مان کے بیٹے۔ قوم نے مجھے ضعیف سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار ڈالتے پس میرے ساتھ دشمنونکو خوش مت کر اور ان ظالم لوگون کے ساتھ مجھکو نہ ملا" ہم تعجب کرتے ہین کہ اس ساری آیت مین کونسا لفظ ہے جو پادری مانرو کے الزام شرک کی تائید کرتا ہے۔ حضرت موسے کے غضب اور رنج جیساکہ آیت مین صاف بتایا گیا ہے قوم کے خلاف تھا کیونکہ انھون نے انکی

غیر حاضری مین گوسالہ پرستی اختیار کی اور ان الفاظ کی مخاطب بھی وہی قوم ہے کہ " برا ہے جو
کچھ تمنے میرے پیچھے کیا " پھر اسی قوم کی نسبت ہی حضرت ہارون کہتے ہین کہ قوم نے مجھے کمزور
سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہارون خود اس قوم مین شامل
نتھے بلکہ اُن کے گوسالہ پرستی کی مخالفت کرنے کی ہی وجہ سے اُنکی جان خود خطرہ مین پڑی ہوئی تھی
یہ آیت صاف شاہد ہے کہ حضرت ہارون اُن لوگون مین سے نہ تھے جنھون نے گوسالہ کی پرستش
کی تھی بلکہ برعکس اسکے اُنھون نے گوسالہ پرستی کی مخالفت یہانتک کی کہ لوگ انکے دشمن اور مارنیکے
درپے ہوگئے حضرت ہارون کا توحید پر قائم رہنا اور توحید کا وعظ بنی اسرائیل کو سنانا سورہ
طٰہٰ مین صاف الفاظ مین بیان کیا گیا ہے وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ
یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ۔ اور
ہارون نے اس سے پہلے اُنکو کہا تھا اے میری قوم تم اس گوسالہ سے آزمائے گئے ہو۔ اور تمہارا
رب بڑا رحم کرنیوالا ہے پس تم میرے پیچھے چلو اور میرے امر کی پیروی کرو " کیا ان صاف
الفاظ کے باوجود ایک نبی پر شرک کا الزام لگانا ایمانداری ہے پھر حضرت ہارون سورہ اعراف
کی اس آیت مین جو اوپر نقل کی گئی ہے صاف حضرت موسٰے کو کہتے ہین کہ مجھے ان ظالمونکے ساتھ
مت ملا اور اس طرح پر اپنے اس فعل مین شامل ہونے کا صریح انکار کرتے ہین کوئی لفظ اس
آیت مین ایسا نہین جس سے ہارون کا گوسالہ پرستی مین شامل ہونا ثابت ہو بلکہ صاف صاف
الفاظ اس جرم مین اُنکی شمولیت کی تردید کرتے ہین اور ظاہر کرتے ہین کہ وہ گوسالہ پرستی کے بخلاف
وعظ کرتے رہے۔ اس سے پہلے حضرت آدم کے متعلق لکھتے ہوئے ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ شرک
جیسے سخت گناہ کو انبیا کی طرف منسوب کرنا قرآن شریف کے صریح اور صاف الفاظ کو رد کرنا
ہے اسلیئے اس مضمون پر دوبارہ بحث کرنے کی ضرورت نہین حضرت ہارون کی شرکت کا نتیجہ حضرت موسٰے

کی اس دعا سے نکالنا کہ انھون نے کہا تھا رب اغفر لی و لاخی سخت بیہودگی ہے استغفار کے معنون پر پہلے بحث ہو چکی ہے اور استغفار کرنے سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ جسکے لئے استغفار کیا گیا ہے وہ کوئی گناہ بھی کر چکا ہے بلکہ استغفار کے معنے خدا کی حفاظت اور مدد کو طلب کرنیکے ہین علاوہ اسکے حضرت موسے کا اس دعا مین اپنے آپکو اپنے بھائی کے ساتھ شامل کرنا اور یہ کہنا کہ اے خدا مجھے اور میرے بھائی کو مغفرت عطا کر اس بات پر شاہد ہے کہ وہ گناہونکی معافی سے دعا مانگتے تھے کیونکہ اتنا تو ہر ایک کو ماننا پڑے گا کہ حضرت موسے کسی طرح سے اس گوسالہ پرستی مین شامل نہ تھے بلکہ اُسکا حال سُنکر انکو سخت رنج پہونچا تھا۔ اِن کا استغفار جیسا اپنے لئے ہے ویسا ہی اپنے بھائی کے لئے ہے اور اس سے غرض صرف حفاظت آلہی کا طلب کرنا ہے۔ کیا یہ ایک اور حیرت انگیز امر نہین کہ اگر استغفار کے معنے گناہونکی معافی کی درخواست کے سوا کچھ نہین تو استغفار کی ضرورت حضرت موسیٰ اور ہارون کے لئے تو ہو جو گوسالہ پرستی مین شامل نہین ہوئے تھے اور اس ساری قوم کیلئے اُسکی ضرورت نہو۔ جو گوسالہ پرستی مین مبتلا ہوئی تھی +

حضرت ابراہیم پر جھوٹ کا الزام

پادری مانز و کہتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین مرتبہ جھوٹ بولنے کے گناہ کے مرتکب ہوئے

مگر یہ پادری صاحب جھوٹ بول رہے ہین کیونکہ قرآن شریف مین کہین ذکر نہین کہ حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا۔ اس بیان کی تائید مین وہ قرآن شریف کو پیش نہین کرتا بلکہ حدیث کیطرف رجوع کرتا ہے ہم خیال نہین کرتے کہ اسکو یہ علم نہو کہ مسلمان حدیث کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہین۔ اُسکو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی اہل اسلام کے نزدیک معتبر نہین ہو سکتی جو قرآن شریف کے خلاف ہو۔ اب قرآن شریف تو حضرت ابراہیم کو صدیقًا نبیًّا کا خطاب دیتا ہے یعنی نہایت ہی صادق نبی اسکے مقابلہ مین کسی حدیث کو کس طرح معتبر مان سکتے ہین جسمین ایسے صادق کیطرف کذب منسوب کیا گیا

ہو۔ کیونکہ حدیثوں مین بہت سا موضوعات کا بھی مجموعہ ہی اور اسلیے کوئی حدیث قابل سند نہین جو قرآن کریم کے مخالف ہو۔ یہ کیتنی صاف بات ہی کہ قرآن کریم جو خدا کا پاک کلام ہے جھوٹا نہین ہوسکتا لیکن حدیث کو صحیح ماننے اُسکے راوی کو سچا اور حضرت ابراہیم کو جھوٹا ماننا پڑتا ہی حالانکہ حدیث کو جھوٹا ماننے صرف راوی کو جھوٹا ماننا پڑے گا۔ اب کون مسلمان ہی جو قرآن کریم کے الفاظ صِدِّيقًا نَّبِيًّا کے باوجود بھی حضرت ابراہیم کو اسلیے جھوٹا مانیگا تا کہ حدیث کا ایک راوی سچا ثابت ہو حضرت ابراہیم کے استغفار سے یہ معنی نکالنا جیسا کہ بہت دفعہ ثابت کیا جاچکا ہی محض بیوقوفی ہی۔ علاوہ اسکے عیسائیون کو کوئی عذر تلاش کرنا پڑے گا جس سے حضرت عیسیٰ مومنین کی جماعت مین خارج ہوجائین کیونکہ حضرت ابراہیم نے اپنے لیئے ہی استغفار طلب نہین کیا بلکہ کل مومنین کی جماعت کے لیے جو دنیا مین ہوئے یا ہونے والے تھے +

اگرچہ ایسی ضرورت تو نہین مگر ہم یہان ان امور پر بھی غور کرتے ہین جنکی نسبت حضرت ابراہیم کیطرف کذب منسوب کیا جاتا ہی سب سے اوّل کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے یہ کہنے مین کہ اِنِّی سَقِيْمٌ جھوٹ بولا ہم حیران ہین کہ اسمین کیا جھوٹ ہے کس معتبر ڈاکٹر نے حضرت ابراہیم کی اسوقت کیحالت کو دیکھکر یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم اپنے آپکو بیمار کہنے مین سچے نہین ہین اگر کوئی آدمی کہے کہ مین بیمار ہون تو کون شخص اسمین شک کرسکتا ہی پھر حضرت ابراہیم پر کیون ان الفاظ کی بنا پر ایک جھوٹی تہمت لگائی جاتی ہی دوسرا موقعہ جسکے متعلق حضرت ابراہیم پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہی حضرت ابراہیم کا یہ قول ہی بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا اصل بات یہ تھی کہ بت پرستون نے حضرت ابراہیم کو پوچھا کہ تو نے ہمارے بُت توڑے ہین جسکے جواب مین آپنے یہ فرمایا۔ ان الفاظ کے مختلف معنی مفسرین نے کیئے ہین وہ سائین سے ہر ایک حضرت ابراہیم کو جھوٹ کی تہمت سے بچاتا ہی۔ علاوہ ازین یہ امر بھی قابل غور ہی کہ فَعَلَهٗ کے بعد وقف ہی اسلیئے اس فعل کا فاعل اسی

مین مقدر ماننا پڑے گا اور معنی یہ کرینگے کہ کیا جسنے کیا اور کبیرھم ھذا الگ جملہ ہوگا کہ یہ اِنمین کا بڑا موجود ہے۔ چونکہ فعل اور فاعل کے درمیان اِس طرح پر وقفہ نہین آیا کرتا اسلیئے یہ معنی نہایت صحیح اور اقرب الی الفہم ہین۔ اگر کبیرھم کو فَعَلَہٗ کا فاعل بھی مان لیا جاوے تب بھی حرج لازم نہین آتا کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا منشا کسی امر کو چھپانے کا نہ تھا بلکہ صرف بت پرستونکو اُنکی بیوقوفی کیطرف توجہ دلانے کا تھا۔ کہ ایکطرف تو وہ اسبات کو مانتے تھے کہ اُنکے بتون مین وہ طاقتین ہین جن سے زمین و آسمان کے کاروبار چل رہے ہین اور دوسری طرف سب سے بڑے بت مین اسقدر طاقت بھی تسلیم نہ کرسکتے تھے کہ وہ چھوٹون کو توڑ سکے اگر اسکو جھوٹ کہا جاوے تو اُسکی غرض صرف اپنے قصور کا اخفا ہوسکتی تھی لیکن حضرت ابراہیم نے کبھی اپنے اس فعل کو چھپانا نہین چاہا بلکہ وہ عام مجلس مین تمام مشرکین کو مخاطب کرکے علانیہ کہہ چکے تھے تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ کہ خدا کی قسم مین اِن تمہارے بتون سے جنگ کرونگا جس سے صاف اُن کا منشا یہ تھا کہ مین اُنکو توڑ ڈالونگا۔ اُنکے اسی علانیہ اظہار کیوجہ سے بت پرستونکو پتہ بھی لگ گیا تھا کہ اِنکا توڑنے والا سوائے ابراہیم کے اور کوئی نہین پھر اخفا کے کیا معنے ہوسکتے ہین تیسرا موقعہ جسکی نسبت اس صادق پر جھوٹ کی تہمت لگائی جاتی ہے اُسکا ذکر قرآن شریف مین نہین یہ حضرت ابراہیم کے اس بیان کے متعلق ہے کہ سائرہ میری بہین ہے جسکا ذکر کتاب پیدایش مین ہے۔ مگر اسی کتاب کے باب ۲۰ آیت ۱۲ مین صاف لکھا ہے کہ "وہ یعنی سائرہ میری بہین بھی ہے کیونکہ وہ میری ماں کی لڑکی تو نہین مگر باپ کی لڑکی ہے" پھر اُسکو بہین کہنے مین جھوٹ ہی کیا ہوسکتا ہے +

اِس سے معلوم ہوگا کہ حضرت ابراہیم تو کبھی جھوٹ کے مرتکب نہین ہوئے اور قرآن کریم ایسے عقیدہ کو رد کرتا ہے لیکن جب ہم انجیلونکو پڑھتے ہین تو اُنمین کئی موقعہ پر یسوع کے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اب مشکل یہ ہے کہ اناجیل کو سچی تسلیم کیا جاوے تو یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہے لیکن اگر یسوع کو

سچا مانا جائے تو انجیلونکو جھوٹا ماننا پڑتا ہی۔ شاید پادری مانرو صاحب اس مشکل کو دور کرسکین اور اُمید ہے کہ وہ ضرور اس معاملہ پر کچھ روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ مثلاً **متی ۲۳/۴۳** مین یسوع چور کو کہتا ہی کہ "آج تو میرے ساتھ بہشت مین ہوگا" لیکن اسے علم تہا کہ وہ خود دوزخ کو جائے گا اور چور کو اپنے ساتھ بہشت مین لیجانا محض جھوٹ تہا **یوحنا ۲۰/۱۷** مین قبر سے نکلنے کے بعد مسیح کہتا ہی کہ مین ابھی اپنے باپ پاس نہین چڑھا ہون اور عیسائی اعتقاد کے مطابق وہ چالیس روز تک دوزخ مین رہا یا زمین پر رہا بہشت مین نہین گیا۔ ایک اور مثال جسمین یا یسوع کو جھوٹا ماننا پڑتا ہی یا انجیلونکو **متی ۱۶/۲۸** مین درج ہی جہان لکھا ہی کہ انمین سے جو یہان کھڑے ہین بعض موت کا مزہ نہ چکھیں گے یہانتک کہ وہ ابن آدم کو اپنی سلطنت مین آتے نہ دیکھ لین" اب تمام دنیا مانتی ہی کہ یہ جھوٹ ہے اور پادریان کا اختیار ہے کہ جسکی طرف چاہین اس جھوٹ کو منسوب کرین ہمین جلدی جواب دینے کی ضرورت نہین کیونکہ سخت زد یا یسوع پر واقع ہوتی ہی یا انجیلونپر۔ اسلیئے پادری صاحبان غور کے بعد جواب دین۔ پھر ایک موقعہ پر یسوع نے اپنے حواریونکو یہ کہا کہ وہ باران کے باران ہی باران تختونپر بیٹھینگے اور انھین باران مین یہودا اسکریوطی بھی شامل تھا۔ اب انجیلون سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یسوع کو یہ علم بھی تھا کہ یہودا اسکو پکڑوا کر لعنتی اور شیطان کا فرزند ہو جائیگا اسلیئے ایسے آدمی کو تخت کا وعدہ دینا جھوٹ تھا جو یسوع نے بولا۔ اور بھی کئی مثالیں پیش کیجا سکتی ہین۔ لیکن پہلے انکے متعلق پادری مانرو کے جواب سنکر پھر ہم اور پیش کرینگے ہم اُمید کرتے ہین کہ پادریصاحب انکے جواب مین تساہل سے کام نہ لینگے +

حضرت داؤد پر تہمت

پادریون نے حضرت داؤد علیہ السلام پر زنا کی تہمت لگائی ہو اگر اسکی حمایت بائبل کے جھوٹے قصون مین ہے تو ہو لیکن قرآن کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں جو بنیاد الزام کی تائید

ہنین کرتا بلکہ صاف الفاظ مین اس جھوٹ کی تردید کرتا ہی اور محقق مفسرین اور محدثین بھی اسی نتیجہ پر پہنچے ہین کہ یہ محض جھوٹ ہے چنانچہ فخرالدین رازی جو مفسرین مین سب سے بڑھ کر مانے گئے ہین تفسیر کبیر مین اس قصہ کے متعلق لکھتے ہین کہ "مفسرین مین سے اکثر محققین نے اس قصہ کو مردود ٹھیرایا ہے اور اس پر کذب اور فساد کا حکم لگایا ہے" حضرت علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ایسا جھوٹا الزام خدا کے ایک پاک نبی پر لگایا جاتا ہی تو اُنھون نے خطبہ مین یہ فرمایا مَنْ حدّثکمُ بحدیثِ داؤدَ علیٰ مَا یَرْوِیہ القصاص جلدۃ مائۃ وستین وھو حد الفریۃ علے الانبیاء یعنی جو شخص حضرت داؤد کا قصہ اس طرح بیان کریگا جس طرح قصہ گو لوگ بیان کرتے ہیں (یعنی انپر زنا کی تہمت لگائے گا) مین اس کو ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤن گا اور یہ انبیا پر جھوٹی تہمت کی حد ہی۔ یہان حضرت علی نے نہ صرف اس قصے کو جھوٹا ٹھیرایا ہے بلکہ اسکی حد عام مومنین پر تہمت کی حد سے دوگنی کردی ہی چنانچہ خطبہ مین آپنے یہی بیان فرمایا کہ جب عام مومن پر تہمت کی حد اسّی کوڑے ہی تو کوئی وجہ نہین کہ نبی پر تہمت کیلئے دوگنی سزا نہ دیجاوے۔ حضرت علیؓ کے اس خطبہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے قصے مسلمان محققین کے ذریعے اسلام مین نہین آئے بلکہ جھوٹے قصہ گو ہی انکے اصل مشتہر کرنے والے تھے۔ اس لئے جو الزام حضرت داؤد پر لگایا جاتا ہے اسکی تردید کافی طور پر حضرت علی کے اس خطبہ اور مسلمان محقق مفسرین کی رائے سے ہی ہو جاتی ہی لیکن اسکے جھوٹ کو اور بھی واضح کرنیکے لئے ہم قرآن کریم کے اصل الفاظ پر بحث کرینگے اور دکھائینگے کہ یہ قصہ گھڑنے مین کہانتک جھوٹ سے کام لیا گیا ہی جن آیات کی بنا پر اعتراض کیا جاتا ہی وہ سورہ صٓ مین آئی ہین۔ اس قصہ کو سمجھنے کیلئے سب سے پہلے یہ ضروری ہی کہ اسکے اول و آخر پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ آغاز مین اور آخر پر حضرت داؤد کی بہت ہی تعریف کی گئی ہی اور یہ خیال کرنا کہ ایسے تعریف کے الفاظ کے درمیان کسی ایسے سخت جرم کا ذکر ہی جسکے متعلق تہمت لگائی گئی ہی پرلے درجہ کی حماقت ہی چنانچہ شروع

مین پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے اللہ تعالے فرماتا ہی ۔ اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید انہ اواب وشددنا ملکہ واتینہ الحکمۃ وفصل الخطاب (”اُن اذیتون پر جو کفار کیطرفسے تجھے پہونچ رہی ہین) صبر کرو اور ہمارے بندہ داؤد کو یاد کرو جسکو ہمنے طاقت دی ہوئی تھی کیونکہ وہ ہماری طرف رجوع کرنے والا تھا اور ہمنے اُسکے ملک کو مضبوط کیا اور اسکو حکمت اور فصل خطاب عطا فرمایا“ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت ہی کہ جس طرح حضرت داؤد دکھون اور تکلیفون پر صبر کرتے رہے اسی طرح آپ بھی صبر کرتے رہین ۔ اس سورہ کا مکی ہونا اس امر پر شاہد ہے کہ یہ زمانہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بڑے بڑے مصائب کا زمانہ تھا اور کفار کیطرفسے آپکو اسوقت طرح طرح کے دُکھ اور تکلیفین پہونچ رہی تھین ان تکالیف کیوقت آنحضرت کو حکم ہوتا ہی کہ اُسی طرح صبر سے اُنکی برداشت کر جس طرح حضرت داؤد نے صبر سے مصائب کی برداشت کی +

ہم اس بات پر زور نہین دیتے کہ پادری صاحبان ضرور پہلے رائی کے دانہ کے برابر ایمان حاصل کرین تو ہی اُنکی سمجھ مین یہ بات آسکے گی ۔ کیونکہ انجیل کی شہادت سے معلوم ہوتا ہی کہ رائی کے دانہ کے برابر ایمان اِن مین بالکل نہین لیکن اگر انکے دماغ مین رائی کے دانہ کے برابر عقل ہو تو اس بات کا سمجھنا انکے لیئے چندان مشکل نہوگا کہ اگر نعوذ باللہ حضرت داؤد کے کسی فسق کا ذکر آیت مذکور مین ہی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کس بات مین اُنکی پیروی کرنے کیلئے حکم دیا گیا ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرماتے ہین کہ زانی زنا نہین کرتا درآن حالیکہ مومن ہو اور نیز یہ کہ جو شخص کسی مسلمان کا ناحق خون کرنے مین کچھ بھی حصہ لیگا وہ قیامت کے دن خدا تعالے کے سامنے اِس حالت مین حاضر ہوگا کہ اُسکی پیشانی پر ”خدا کی رحمت سے ناامید“ لکھا ہوا ہوگا ۔ اور خدا تعالے آپکو اس شخص کی پیروی کا حکم دیتا ہی جسکے متعلق ساتھ ہی یہ ذکر ہے کہ اس نے نعوذ باللہ زنا کیا اور ایک مومن کو اُسکی عورت چھیننے کے لیے ناحق قتل کرایا پھر علاوہ ازین آنحضرت کے سامنے کس طرح وہ شخص صبر کیلئے نمونہ پیش کیا جا سکتا ہی جو اپنی شہوانی خواہشات کو بھی نہین روک سکتا

ایسے شخص سے صبر کی اُمید کیا ہوسکتی ہی پھر ایک اور امر قابل غور ہے کہ حضرت داؤد کو اللہ تعالےٰ ان الفاظ مین یاد فرماتا ہے کہ وہ ہمارا خاص بندہ ہی اور اسکو **عبدنا** کے عزت کے خطاب سے پکارتا ہے گویا اس لفظ مین حضرت داؤد کی کمال عبودیت کا اظہار فرماتا ہی اور اس پاک اور خالص تعلق کو ظاہر کرتا ہی جو حضرت داؤد کو جناب الٰہی سے حاصل ہی ایسی تعریف کے ذکر کے ساتھ زنا اور قتل جیسی قبیح جرائم کا ذکر ایک احمقانہ خیال ہی خدا کا پاک کلام ایسی بیہودگیون سی پاک ہی سورہ فرقان مین اللہ تعالےٰ عباد الرحمٰن کی صفات بیان فرماتا ہے اور دوسری صفات کے ساتھ یہ بھی بیان فرماتا ہے کہ وہ زنا نہین کرتے اور نہ ناحق خون ہی کرتے ہین۔ پھر غور کرو کہ حضرت داؤد کو خدا تعالےٰ **ذوالاید** بیان فرماتا ہے یعنے صاحب طاقت۔ طاقت سے مراد صرف جسمانی یا دنیوی طاقت ہی نہین۔ کیونکہ حضرت داؤد کی دنیوی طاقت کو الگ ان الفاظ مین بھی بیان فرمایا ہی وَ شددنا ملکہٗ یعنے ہم نے اُس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور علاوہ ازین دنیوی طاقت مومنین کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ کفار کو بھی دیجاتی ہی۔ اسلیئے اس جگہ صاحب طاقت بیان کرنے سی بالخصوص ایک روحانی طاقت کا ذکر مقصود ہی۔ یعنے وہ طاقت جو انسان کو بدی کی کشش کے مقابلہ کیلیئے دیجاتی ہی اور یہی وہ روحانی طاقت ہے جسکی وجہ سی حضرت داؤد کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلیئے صبر کا نمونہ بیان فرمایا اس سی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف کے مطابق حضرت داؤد کو اللہ تعالےٰ کیطرف سے یہ طاقت دیگئی تھی کہ وہ اسکے احکام کے مطابق چلین اور اُسی راہ سی باہر ایک قدم بھی نہ رکھین انھین معنو کی تائید لفظ اوّاب سے بھی ہوتی ہی جو ساتھ ہی واقع ہوا ہے۔ کیونکہ اَوّاب مبالغہ کا صیغہ ہی یعنی بہت ہی خدا کیطرف رجوع کرنیوالا۔ اِس لیئے جہان ایک طرف اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمایا کہ حضرت داؤد کو عظیم الشان روحانی طاقت دیگئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی بیان فرماتا ہی کہ وہ ہمیشہ خدا کیطرف رجوع کرنیوالے تھے یعنی ہر معاملہ مین خدا کی فرمانبرداری کو اختیار کرتے تھے ایسے آدمی کیطرف زنا اور قتل کو منسوب کرنا اور پھر یہ کہنا

کہ یہ قصہ مذکور بھی اسی آیت مین ہی جسمین انکی یہ تعریف کیگئی ہی جیسے درجہ کی ہیوگی نہین تو کیا ہی پھر اللہ تعالے یہ بھی بیان فرماتا ہی کہ ہمنے حضرت داؤد کو حکمت عطا فرمائی تھی اور خود ہی قرآن شریف مین حکمت کی صفت بیان فرماتا ہی کہ "ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا" یعنی جسکو حکمت دیجائے اسکو خیر کثیر دیا جاتا ہے +

یہ اعلے درجہ کے اوصاف اس شخص کے بیان کیئے گیئے ہین جس کے متعلق پادری صاحبان یہ کہتے ہین کہ اس سے اگلی آیت مین اسکے سیاہ کبائر کا ذکر ہی قبل اس کے جو ہم ان آیات کے الفاظ پر غور کرین جنکی بنا پر یہ بہتان حضرت داؤد پر باندھا جاتا ہی ہم یہ بھی دیکھنا چاہتے ہین کہ ان آیات کے بعد اللہ تعالے حضرت داؤد کا ذکر کن الفاظ مین کرتا ہی قصہ کو ختم کرنے کے بعد سب سے پہلے اللہ تعالے فرماتا ہے "اِنَّ لَہٗ عِندَنَا لَزُلفٰی وَحُسنُ مَآب" "اور داؤد کو ہمارے حضور قرب حاصل تھا اور اچھا رجوع کرنا۔"

اب کیونکر ممکن ہی کہ ایکطرف تو ابھی ایک شخص کے زنا اور خونریزی کا قصہ ختم نہین ہوا اور دوسری طرف اسکی تعریف ان الفاظ مین شروع ہو جائے کہ اسکو جناب الہی مین بڑا قرب حاصل تھا قصہ کے عین اختتام پر ان الفاظ کا آنا صاف بتاتا ہی کہ قصہ مین کوئی ایسا ہی امر مذکور ہے جس سے حضرت داؤد کی استقامت اور اسکا قرب بارگاہ الہی مین ثابت ہوتا ہی ورنہ کوئی اور نظیر بھی قرآن شریف مین ہونی چاہیئے کہ جہان فاسقون کے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے خدا تعالے نے یہ بھی فرمایا ہو کہ انکو ہماری جناب مین قرب حاصل تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ دونون خیال ایکدوسرے کے متضاد ہین اور ایک کے ساتھ دوسرا جمع ہی نہین ہو سکتا پھر قرآن شریف جیسی فصیح بلیغ کتاب کیطرف ایسے متضاد خیالات کو منسوب کرنا پادریون ہی کی زیبائی ہے۔ جو شخص زنا جیسے شیطانی فعل کا مرتکب ہو کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ اسکو خدا کے حضور قرب حاصل ایسے فعل سے وہ شیطان کیطرف پھرتا اور شیطان کے نزدیک ہوتا اور خدا تعالے سے دور ہوتا ہے اور پھر اور بھی تعجب کی بات یہ ہی کہ اسکے بعد ہی خدا تعالے حضرت داؤد کو کہتا ہے کہ اے داؤد ہم

تجھے زمین پر اپنا خلیفہ بناتے ہین۔ مگر نعوذ باللہ حضرت داؤد پر یہ تہمت سچی ہی تو یہ خوب بدلہ ہے کہ ادہر تو ایک شخص نفسانی خواہشوں کے تابع تمام انسانی حقوق سے اندھا ہو کر زنا اور خون ناحق کا مرتکب ہوتا ہے اور ادہر سے خدائے تعالےٰ فرماتا ہے کہ لو اب ہم تمہین اپنا خلیفہ بنا کر انسانی حقوق کا محافظ ٹھہراتے ہین کیا خدائے تعالےٰ کو حضرت داؤدؑ کا یہ فعل بہت ہی پسند آیا تھا یا اسکے سوائے زمین پر اور کوئی خلافت کے قابل ہی معلوم نہوا۔ اس قسم کی بیہودگیون سے معترضین کو شرم کرنی چاہئے۔ اگر ایک عیسائی کے اندر بھی یہ سچی خواہش ہو کہ وہ سچائی کو معلوم کرے اور اسی کو اختیار کرے تو اس قدر مضبوط دلائل موجود ہین کہ جن سے انکار کی گنجایش ہی نہین لیکن ان لوگونکے مدنظر صرف دنیا ہی دنیا ہے اور اس سچے اور زندہ خدا کو چھوڑ کر جھوٹ سے پیار کرتے ہین ہم نے صفائی سے ثابت کر دیا ہے کہ جس آیت کی بنا پر حضرت داؤدؑ پر جھوٹا الزام لگایا جاتا ہے اس سے پہلی اور پچھلی آیات اس قصے کی سخت تردید کرتی اور اسکو جھوٹا ٹھہراتی ہین اب اصل الفاظ پر غور کرنا باقی ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝ إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ۝ يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ۔ ترجمہ۔ اور کیا پہونچی ہی تیرے پاس (داؤد کے) دشمنوں کی خبر جب وہ

دیوار پھاند کر عبادت خانے مین آگئے۔ جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ اُن سے ڈر گیا وہ کہنے لگے مت ڈر ہم
تو صرف دو فریق مقدمہ مین اور ہم مین سے بعض نے بعض پہ زیادتی کی ہے سو ہم مین انصاف کا فیصلہ کر دے
اور بات کو دور نہ ڈال اور ہم کو سیدھی راہ (اس معاملہ مین) بتلادے۔ (پھر ایک بولا) یہ میرا بھائی ہے
اسکے پاس ننانوے دُنبیان ہین اور میرے پاس صرف ایک دُنبی ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ وہ ایک بھی میرے
ہی حوالے کر دے اور اس بات کے کہنے مین مجھسے زبردستی کرتا ہے۔ حضرت داؤد نے کہا کہ اس طرح پر تیری دُنبی
کو بھی اپنی دُنبیو نمین ملا لینے کے واسطے مانگنے مین یہ ناانصافی کرتا ہے اور حق بات یہ کہ اکثر شریک ایکدوسرے
پر زیادتی کرتے ہین سوائے اُن لوگونکے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کئے مگر ایسے لوگ بہت تھوڑے ہین اور
داؤد نے سمجھ لیا کہ ہمنے اسکو فتنہ مین ڈالا ہے سو اس نے خدا کی حفاظت طلب کی اور خدا کے آگے
جھک کر گر گیا اور خدا کیطرف رجوع کیا۔ سو ہم نے اسکو حفاظت دی اور اُسکے لیئے ہمارے حضور مین
قرب ہے۔ اور اچھا ٹھکانا۔ اے داؤد ہم تجھکو اس مُلک مین خلیفہ بناتے ہین"۔ اب اس سارے قصہ مین
ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے صراحتاً یا کنایۃً یہ نتیجہ نکل سکے کہ حضرت داؤد نے نعوذ باللہ اوریا
کو قتل کیا اور اس کی جورو سے زنا کیا۔ کسقدر افسوس کی بات ہے کہ کفارہ کی من گھڑت کو قائم رکھنے
کیلئے عیسائی لوگ اپنے خداوند کے دادا کی بےادبی سے بھی باز نہین آتے۔ یہ ایک جھوٹے عقیدے کے
گندے لوازم ہین۔ قرآن شریف کے الفاظ کا...... لفظی ترجمہ جو اوپر دیا گیا ہے پادریون کو جو خدا کے
ایک پاک نبی پر کمینہ تہمتین لگاتے ہین جھوٹے ٹھیراتا ہے۔ قرآن شریف جس قصہ کو بیان کرتا ہے وہ
صرف اسقدر ہے کہ حضرت داؤد کے دشمن کسی بدارادہ کیساتھ دیوارین پھاند کر آگئے تھے لیکن حضرت
داؤد کو جاگتا پاکر وہ اپنے بدارادہ کو تو پورا نکر سکے اور اپنے بچاؤ کیلئے یہ بہانہ پیش کر دیا کہ ہم ایک مقدمہ
لیکر آئے ہین جسکا فیصلہ آپ اسیوقت کر دین حضرت داؤد نے جب دیکھا کہ اسکے دشمن اس طرح اسکی
جان کے درپے ہین تو آپنے سمجھ لیا کہ سوائے حفاظت الٰہی کے اور کسی طرح انکے ہاتھ سے بچنا مشکل ہے اور اسی لیے

خدا سے دعا کی کہ تو ہی میری حفاظت کر۔ اور چونکہ وہ خدا کے نزدیک بڑے مقرب اور بہت اُسکی طرف رجوع کرنیوالے تھے اسلیئے اللہ تعالےٰ نے اِنکی دُعا کو قبول کیا اور تمام خطرات کو دور کر دیا اور اِس ملک مین اُنھین خلیفہ بنا دیا۔ محقق مفسرین نے اِسی روایت کو صحیح تسلیم کیا ہی چنانچہ امام رازی تفسیر کبیر مین اس آیت کے نیچے لکھتے ہین "یہ بیان کیا گیا ہی کہ حضرت داؤد کے دشمنوں کی ایک جماعت آپکے قتل کے درپے تھی اور آپنے تنہائی مین عبادت کیلئے ایکدن علیحدہ کیا ہوا تھا۔ دشمنون نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور ایک شرارت کا منصوبہ پورا کرنیکے لیئے دیوارین پھاند کر عین اُسجگہ پر پہونچ گئے جہان حضرت داؤد تنہا تھے لیکن وہان پہونچنے پر اُنھون نے پہرے والونکو موجود پایا اور اِس لئے اس خوف سے کہ وہ گرفتار کر لیئے جائینگے ایک جھوٹ بنا کر حضرت داؤد کے سامنے پیش کر دیا۔" آیت کا سیاق و سباق اور دوسرے تمام واقعات اُنھین معنوں کی سچائی پر دلالت کرتے ہین۔

یہ قصہ کہ جو لوگ دیوار پھاند کر آئے تھے وہ حضرت داؤد کے دشمن نہین تھے بلکہ فرشتے تھے جو حضرت داؤد کو اوریا کی جورو کے معاملہ مین تنبیہ کرنے آئے تھے۔ قرآن شریف کے الفاظ کو مدِ نظر رکھکر صحیح تسلیم نہین کیا جا سکتا۔ ایک لفظ بھی ایسا نہین جس سے معلوم ہو سکے کہ وہ فرشتے تھے۔ برعکس اِسکے اُن کا دیوار پھاند کر آنا اور دروازونمین سے گذر کر نہ آنا یا کسی اور خارق عادت طریق سے ظاہر نہ ہونا یقینی طور سے اس نتیجہ پر پہونچاتا ہی کہ نہ تو وہ درحقیقت فریق مقدمہ تھے جیسا اُنھون نے بیان کیا اور نہ فرشتے تھے بلکہ داؤد کو قتل کرنیکا منصوبہ کرکے آئے تھے اور یہ سمجھکر کہ اسوقت وہ اکیلا اپنی عبادت گاہ مین ہوگا۔ دیوار پھاند کر اندر آگئے کیونکہ سیدھے راستے سے آنےمین باہر کے دروازے پر پہرے والے انکو روکدیتے۔ علاوہ ازین اگر وہ فرشتے ہوتے تو وہ جھوٹ نہ بولتے اور یہ نہ کہتے کہ ہم دو فریق مقدمہ ہین اگر حضرت داؤد واقعی کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے تو کیا خدا کسی اور طریق سے اُنکو اِس کا احساس دلا سکتا تھا اور کیا حضرت داؤد کا اپنا احساس گناہ کا اسقدر جاتا رہا تھا۔ اور

وہ ایسا سخت دل ہو گیا تھا کہ ایسے قبیح جرایم کا مرتکب ہو کر جیسے کہ زنا اور قتل ہین پھر بھی پتہ نہ لگا کہ مینے خدا کی مرضی کے خلاف کوئی کام کیا ہی اور جبتک دو فرشتے جھوٹ نہ بولتے اسکو پتہ ہی نہ لگ سکتا تھا کہ مینے کوئی گناہ کیا ہی۔ اس لئے ایسا خیال کرنے مین صرف خدا کے ایک پاک نبی پر ہی جھوٹی تہمت نہین لگائی جاتی۔ بلکہ اللہ تعالے کے فرشتون کو بھی جھوٹے ماننا پڑتا ہی۔ علاوہ ازین اگر حضرت داؤد واقعی ایسے گناہ کے مرتکب ہوئے ہوتے جس سے وہ خدائی اور انسانی حقوق کو توڑ چکے تھے تو فیصلہ دیتے وقت یہ الفاظ انکے منہ سے کیونکر نکل سکتے تھے کہ بہت سارے شریک ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہین سوائے ان لوگونکے جو ایمان لائے اور جو عمل نیک کرتے ہین۔ بظاہر وہ اپنے آپ کو مومن اور عمل صالح کرنیوالے سمجھتے ہین اور اس لئے وہ ان لوگون مین سے نہین ہو سکتے جو اپنے قریبیون پر یا ہمسائیون پر یا دوسرے لوگون پر کسی قسم کا ظلم روا رکھتے ہون۔ اب جب حضرت داؤد اپنے آپکو ان لوگون مین سے بھی نہین سمجھتے جو دوسرون پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی کر سکین۔ تو یہ کس قدر بیہودگی ہے کہ یہ کہا جائے کہ وہ خود نہ صرف مال پر ہی ظلم کر چکے تھے بلکہ پاکدامنی پر اور جان پر بھی حملہ کر چکے تھے کیا کوئی شخص ایسی جرأت کر سکتا ہی کہ دوسرے کو تو اتنے ظلم پر بھی سخت تنبیہ کرے کہ اسنے کسی کی بکری کیون لی اور خود ایک آدمی کو جان سے مار کر اسکی عورت کو چھین لے۔ اگر واقعی حضرت داؤد ایسا کر چکے ہوتے تو بجائے اسکے کہ اپنے آپکو ان لوگون سے مستثنے کرتے جو لوگون کے حقوق چھین لیتے ہین انکو چاہیے تھا کہ اپنے آپکو ایسے ظالمون مین سے سب سے بڑھ کر سمجھتے۔ علاوہ ازین اللہ تعالے کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا کہ دشمن جو دکھ دیتے ہین انپر اسی طرح صبر کرو جس طرح داؤد نے اپنے دشمنونکی تکلیفون پر صبر کیا بیمعنے ہو جاتا ہی۔ اگر بجائے صبر کے حضرت داؤد کے کامون مین تو نمونہ وہ پیش کیا جاتا ہے جو ایک سخت گناہ ہی۔ صبر کا نمونہ اسی صورت مین ہو سکتا ہے کہ وہ معنے لئے جاوین جو اوپر بیان کئے گئے ہین کیونکہ اس صورت مین حضرت داؤد اپنے ان دشمنونکو بھی معاف کرتے ہین جو قتل

کا منصوبہ کرکے اچانک اِنپر آن پڑے تھے۔ باوجود صاحب طاقت اور سلک ہونے کے آپ نے اِن سے وہ سلوک نکیا جس کے وہ مستحق تھے بلکہ انکو معاف کیا اور خود جناب الٰہی سے پناہ مانگی۔ وہ چاہتے تو انکو مار ڈالتے لیکن اُنھون نے اپنی طاقت پر بھروسہ نکر کے جناب الٰہی سے حفاظت طلب کی کیونکہ سچی حفاظت وہی ہے جو خدا کیطرف سے ملتی ہے یہ فقرات کہ ظن داؤد انما فتنہ اور فاستغفر ربہٗ کسی سمجھدار آدمی کو اس نتیجہ پر نہین پہونچا سکتے کہ حضرت داؤد کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھے جیسا ان پر الزام لگایا جاتا ہے۔ پہلے فقرہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ حضرت داؤد سمجھ گئے کہ ان کی زندگی بڑے خطرے کی حالتمین پڑ گئی تھی۔ اور دوسرے کے معنے یہ ہین کہ اُنھون نے اپنے رب سے حفاظت طلب کی +

حضرت داؤد کے متعلق یہ جھوٹی کہانیان کیونکر مشہور ہوگئین اسکے متعلق چند الفاظ کافی ہونگے۔ وہ طاقت اور سلطنت جو حضرت داؤد اور سلیمانؑ کو حاصل تھی سلیمان کے بیٹے کے نیچے اس مین سخت ضعف آگیا۔ جو یہودی اس کی حکومت سے آزاد ہوگئے انکے دلونمین پہلے اسکے متعلق اور پھر حضرت سلیمان اور داؤد کے متعلق نفرت بڑھتی گئی۔ مرور زمانہ سے یہ نفرت دل مین جمتی گئی اور زیادہ مضبوط ہوتی گئی اور اسلیئے جھوٹے قصے اُنکی نسبت مشہور ہونے شروع ہوگئے۔ اور بالآخر ایسے ایسے قصے مشہور کئے گئے جو اُنکی نبوت کے منافی تھے چنانچہ حضرت سلیمان پر کفر اور بت پرستی کا الزام لگایا گیا اور اسلیئے قرآن شریف کو اس الزام کی تردید کیلیئے یہ ضرورت پڑی کہ بیان کرے کہ سلیمان نے کفر نہین کیا ورنہ اسبات کے کہنے کی کوئی ضرورت نہتھی کہ وما کفر سلیمان حضرت مسیح کے متعلق بھی ایک الزام کی ہی تردید کیلیئے قرآن شریف کو یہ کہنا پڑا کہ اُنکی روح شیطانی نہین بلکہ خدا کیطرف سے ہے کیونکہ حضرت مسیح اور اُنکی والدہ پر بھی یہود نے بڑے ناپاک الزام لگائے تھے ایسے ہی جیسے کہ آجکل کے عیسائی دوسرے انبیا پر لگاتے ہین اسلیئے اللہ تعالےٰ نے

اِن الزامات کی تردید کی۔ اور جیسا کہ سلیمان کے متعلق کہا کہ وہ کافر نہین تھا اِسی طرح پر مسیح کے متعلق فرمایا کہ اُنکی روح شیطانی نہین بلکہ خدا کیطرف سے ہی۔ ہر دو نبیونکی صورتین اس قسم کے بیانکی ضرورت نہ پڑتی اگر دشمنونکے اِن ناپاک حملون کا جواب مقصود نہوتا کیونکہ جب سلیمان کے متعلق کفر کی نفی کی تو اُس سی یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیون نے کفر کیا تھا۔ ایسا ہی جب مسیح کے متعلق یہ کہا کہ اِنکی روح خدا کیطرف سی ہے نہین سمجھے۔ بلکہ دونون صورتون مین رد الزام مقصود ہے غرض حضرت داؤد اور سلیمان کے متعلق ایسی ایسی جھوٹی کہانیان شائع ہونی شروع ہوگئین۔ اور آخرکار قومی اعتقاد کا جزو ہوگئین جب اللہ تعالے نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو یہودی بھی بکثرت اِسلام مین داخل ہوے اور جسطرح یہ کہانیان اُنمین علی العموم مشہور تھین اسی طرح بعد اسلام کے بھی چلی آئین ان قصونکے زیادہ اسلام مین پھیل جانے پر حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کو یہ ضرورت پڑی کہ وہ صاف طور پر اِس امر کا اعلان کردین کہ جو شخص حضرت داؤد کی نسبت ایسا جھوٹا قِصہ بیان کریگا اُسپر جھوٹی تہمت کی دوگنی حد لگائی جاوے گی لیکن جون جون یہودی اسلام مین زیادہ داخل ہوتے گئے اور مرور زمانہ کے سبب سے اِسلام کے پاک اصولونپر اِس مضبوطی سے قیام نہ رہا جیسا کہ ابتدائی زمانہ اِسلام مین تھا۔ یہ قصے بھی زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔ یہانتک کہ کسی مفسر نے بے احتیاطی سے انکو تفسیرونمین بھی داخل کردیا لیکن ہم ثابت کرچکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ ان کا سیاق وسباق۔ محقق مفسرین کی رائے اور حضرت علی کا اعلان حضرت داؤد کے متعلق اِس الزام کو سیاہ جھوٹ ٹھیراتے ہین +

یہ تو حضرت داؤد کا قِصہ ہے لیکن انجیلونمین حضرت مسیح کے متعلق ایک فاحشہ عورت کا قِصہ بیان کیا گیا ہے سو ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہین کہ پادری صاحبان انجیل کے حرف حرف کو سچا اور الہامی مانکر حضرت مسیح کی عِصمت کو کیونکر ثابت کرسکتے ہین۔ حضرت مسیح نے ایک کنجری سے تیل ملوا

۲۲ تو اس سے یہ نتیجہ نہین نکلتا کہ باقی نبیون کی روح خدا کیطرف سے نہین

اور تیل بھی وہ جو اُسکی زنا کی کمائی کا تھا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجود شباب کے اور بن بیاہا ہونیکے یسوع ایسی عورتونکے ساتھ کھلے طور سے ملتا جُلتا تھا جنکا چال چلن نہ صرف مشتبہ تھا بلکہ جو شہرت یافتہ بدکار عورتین تھین اور اُسکا تعلق اِس قسم کا تھا کہ وہ ایک موقع پر اُن بدکار عورتون کی تعریف بھی کرتا ہے دیکھو لوقا ۷ باب ۳۸ اور متی ۲۱ باب ۳۱ اگر اس قسم کا کوئی واقعہ حضرت داؤد کے متعلق یا دوسرے کسی نبی کے متعلق قرآن شریف مین ہوتا تو پادری بہت ہی خوش ہوتے لیکن یہ اپنی آنکھ کا شہتیر اُنکی نظر سے پنہان ہے۔ اگر یہ واقعات جو انجیلونمین یسوع کی نسبت مذکور ہین کسی دوسرے نبی کے متعلق ہوتے تو کئی مانرو اور قلندر مضمون پر مضمون لکھتے کہ فلان نبی فلان گنہ کا مرتکب ہے لیکن جب یسوع کے متعلق اِس قسم کے واقعات پائے تو پھر تاویل کا دروازہ کھلجاتا ہے اور انھین واقعات سے جو دوسرے نبیونکی صورت مین گناہ بتائے جاتے ہین مسیح کی صورت مین بڑے بڑے نصایح اور اخلاقی سبق عیسائیون کے لیے نکالے جاتے ہین۔ پادریونکی یہ منطق ہماری سمجھ مین نہین آتی ایک طرف تو ہمین کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد نے بذریعہ استغفار حفاظت الٰہی طلب کی اسلیئے وہ نعوذ باللہ زنا کا مرتکب ہوا تھا اور دوسری طرف یہ کہ چونکہ مسیح کنجریون اور بدکار عورتون کے ساتھ ملا جلا رہتا تھا اِس واسطے وہ پاکباز ہے۔ راستبازی کے دشمن اور نبیونکو گالیان دینے والے ان پادریون سے بڑھکر دنیا مین کبھی پیدا نہین ہوئے۔ وہ اپنے دلون کو پاک کرنا تو جانتے ہی نہین مگر راستبازون کے دلون کی پاکیزگی کو بھی وہ ناپاکی سمجھتے ہین +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک پر حملے

پادری مانرو قرآن شریف کے+ دو مقامات پیش کرتا ہے جہان اسکے نزدیک آنحضرت کے کسی ایسے فعل کیطرف اشارہ ہے

+ اِسکے علاوہ جن چار مقامات کا ذکر پادری مانرو کرتا ہے ان پر علیحدہ استغفار اور ذنب کے نیچے بحث کی گئی ہے کیونکہ ان سے پادری صاحب عام طور پر گنہگار ہونا نکالتے ہین اور اُن دو مقامات کیطرح وہان کسی خاص گناہ کا ذکر نہین بتاتے +

جسکو گناہ کہا جا سکتا ہی اُن مین سی پہلا مقام سورہ احزاب مین ہی۔ چنانچہ اس سورۃ مین سی ایک آیت کے ایک حصہ کا ترجمہ نقل کرکے پادری مانرو بڑی جرأت سی کہتا ہی۔ "کیا اسکا یہ مطلب نہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالے نے اس گناہ کیلئے سرزنش کی کہ وہ کیون لوگون سی ڈرے" لیکن اس آیت مین جس کا وہ حوالہ دیتا ہے۔ وہ ایک لفظ بھی ایسا نہین دکھا سکتا جس سی معلوم ہو کہ آنحضرت لوگون سی ان معنونمین ڈرے تھی جن معنونمین خدا سی ڈرنا چاہیئے یا یہ کہ وہ خدا سے نہین ڈرتے تھی۔ یا یہ کہ وہ اس طرح پر ڈرنے مین کسی گناہ کے مرتکب ہوئے تھی۔ چنانچہ وہ آیت ہم یہان نقل کرتے ہین۔ واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسك علیك زوجك واتق اللہ وتخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضٰے زید منہا وطرا زوجنکہا لکیلا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاۂم اذا قضوا منہن وطرا وکان امر اللہ مفعولا ۝ ترجمہ۔ اور جب تو نے کہا اس شخصکو جسپر اللہ نے احسان کیا اور جسپر تو نے بھی احسان کیا اپنی بیوی کو طلاق مت دے اور خدا سے ڈر اور تو اپنے دل مین ایک چیز کو چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنا چاہتا تھا اور تو لوگون سی ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ حقدار ہے اس بات کا کہ تو اُس سی ڈرے۔ پھر جب زید اُس عورت سی اپنی غرض پوری کر چکا تو ہمنے اُسے تیرے نکاح مین دیدیا تاکہ مسلمانون کیلئے اپنے پالکون کی جورؤن سی جب وہ اُنھین طلاق دیدین نکاح کرلینا کوئی گناہ نہ ہے اور خدا کا امر اسی طرح پر ہوتا تھا۔" اب کسی پہلو سے سوچا جاوے خدا کے سوائے کسی اور چیز سے ڈرنا کسی صورت مین گناہ نہین کہلا سکتا۔ پادری مانرو کو چاہیئے تھا کہ اپنے دعوی کی تائید مین قرآن شریف کی کوئی آیت پیش کرتا۔ حضرت موسے مصریون سی ڈر کر مدین کو بھاگ گئے مگر کیا کہین سی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنے مین وہ خدا کے گنہگار تھے۔ پھر جب اللہ تعالے کے حکم کے مطابق حضرت موسے نے اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ بنگیا تو اُسوقت بھی موسے ڈرے

لیکن یہ کہین نہین لکھا کہ وہ ایسا کرنے مین کسی گنہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے
کہ جب حضرت موسے اور ساحرین کا مقابلہ ہوا اور اُنکی رسیان وغیرہ لوگونکی نظر مین سانپ دکھائی دینے
لگین تو حضرت موسے کی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَاَوْجَسَ فِی نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی
یعنی موسی اپنے دل مین ڈرے لیکن باوجود اسکے کہین خدا نے حضرت موسے کو سرزنش نہین کی کہ وہ
کیون ڈرا یا کہین یہ نہین کہا کہ اسنے گنہ کیا۔ اسی طرح اور بہت سی مثالین بائیبل سے پیش کی جا
سکتی ہین جن سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس قسم کا ڈرنا کوئی گناہ نہین ہے اگر عقل کی رو سے دیکھا جائے تو بھی
اس طرح پر ڈرنا گنہ نہین ہے۔ ڈر انسان کی فطرت مین رکھا ہوا ہے اور کسی خوفناک نظارے کو دیکھ
کر فطرتاً انسان ڈرجاتا ہے لیکن اس طرح پر ڈرنے سے یہ نہین کہ انسانکو خدا کا ڈر نہین رہتا۔ خدا
کا ڈر ایک الگ چیز ہے جسکے سبب سے انسان اُسکی مرضی کی راہ نہین چلتا ہے۔ اور اُسکی فرمانبرداری کے
طریق کو اختیار کرتا ہے اور اُسکی نافرمانی کو ایک بھسم کرنیوالی آگ سمجھ لیتا ہے۔ اِن معنونمین خدا کے پاک
نبی اللہ تعالےٰ سے ڈرتے ہین اور اِن معنون مین سوائے خدا کے اور کسی چیز سے نہین ڈرتے۔ چنانچہ سورہ
احزاب کی اس آیت سے مابعد کی آیت جسپر پادری مانزو اعتراض کرتا ہے اس طرح پر ہے اَلَّذِیْن
یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولایخشون احدا الا اللہ یعنے جو لوگ خدا کے
پیغام پہونچاتے ہین اور خدا سے ہی ڈرتے ہین اور سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے۔ یہان تمام انبیا کی
نسبت صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ اِن سب کو خدا نے ایسا بنایا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کبھی
کسی سے نہین ڈرتے۔ اور اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وجہ سے کہ وہ بھی انبیا مین سے ہین
بلکہ بموجب قرآن شریف کے سب سے افضل ہین لوگون سے ڈرنے مین خدا کے گنہگار نہین ہوسکتے کیونکہ
جن معنونمین خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ اُن معنونمین تمام انبیا خدا کے سوا کسی سے ڈرتے ہی نہین۔ اب
پادری مانزو صاحب اگر چاہتے تو ان الفاظ کو قرآن شریف مین عین اسی موقعہ پر پڑھ سکتے تھے جہان

انکو چند الفاظ اعتراض کرنیکے لیے نظر آگئے تھے لیکن تعصب کا پردہ انکی آنکھ پر پڑا رہا اور اسلیئے انکو یہ لفظ نظر نہ آئے انبیا کی یہ تعریف بتاتی ہے کہ حضرت موسے کا ڈرنا یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرنا یا کسی دوسرے نبی کا ڈرنا انکے خدا سے ڈرنے کے کسی طرح متضاد نہین ہے کیونکہ ایسے موقعہ پر دراصل یہ لفظ الگ معنوں مین استعمال ہوتا ہے۔ نہ صرف انبیا کی نسبت ہی قرآن شریف یہ کہتا ہے کہ وہ سوائے خدا کے کسی سے نہین ڈرتے بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی نسبت بھی فرماتا ہے کہ لا یخافون لومة لائم کہ وہ کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت سے نہین ڈرتے۔ پس جب آنحضرت کے صحابہ کا یہ حال ہے کہ وہ خدا کی راہ مین خدا کے سوا کسی سے نہین ڈرتے تو آنحضرت جو سب کے لیئے رہبر تھے کس طرح پر خدا کی راہ مین لوگون سے ڈر سکتے تھے +

اس فقرہ یعنی تَخْشَی النَّاسَ کے اصلی معنے سمجھنے کیلیئے ضروری ہے کہ زید اور زینب کے نکاح اور طلاق کے متعلق تمام واقعات پر غور کر لیا جائے۔ سب سے پہلی آیت جس مین یہ ذکر شروع ہوتا ہے سورہ احزاب مین اس طرح پر آئی ہے وَمَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ اَمْرًا اَنْ یَکُونَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِینًا۔ ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو نہین چاہیئے کہ جب اللہ اور اسکا رسول ایک امر کا فیصلہ کر دین تو پھر انکو اس امر کے کرنے یا نہ کرنے مین اختیار رہے۔ اور جو شخص اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا وہ سخت گمراہی مین پڑ گیا۔ اس آیت کی شان نزول مین علامہ سیوطی لباب النقول فی شان النزول مین لکھتے ہین کہ طبرانی نے سند صحیح سے قتادہ سے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کو نکاح کیلیئے درخواست کی اور آپکا ارادہ زید کیساتھ اسکا نکاح کرنیکا تھا۔ زینب نے سمجھا کہ آپ یہ منشا اپنے واسطے رکھتے ہین لیکن جب اسکو پتہ لگا کہ آپکا ارادہ زید کے ساتھ اسکا نکاح کرنیکا ہے تو اس نے انکار کیا۔ پس آنحضرت پر یہ وحی نازل

ہوئی وَمَا کَانَ لِمُؤمِنٍ الآیہ۔ پس وہ راضی ہوگئیں اور آنحضرت کا حکم مان لیا پھر اسی کتاب مین علامہ موصوف لکھتے ہین کہ ابن جریر نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش کی زید بن حارثہ کے ساتھ شادی کے لئے درخواست کی۔ زینب نے اس سے کنارہ کیا اور کہا کہ مین اس سے اچھی ہون از روے حسب کے۔ تب خدا تعالےٰ کیطرف سے وحی نازل ہوئی وَمَا کَانَ لِمُؤمِنٍ الآیہ اور ابن جریر نے عوفی کے طریق سے ابن عباس سے اسی طرح پر روایت کی ہے +

ان متفق روایات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے زینب کے زید کے ساتھ نکاح کیلئے درخواست کی تھی مگر زینب اور اسکا بھائی اگرچہ اس بات کیلئے تو بخوشی تیار تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو جاوے مگر زید سے نکاح کیلئے انھون نے انکار کر دیا سو بوجہ اسکے کہ زید ایک غلام آزاد شدہ تھا حالانکہ زینب قریش کے شریف خاندان کی ایک معزز عورت تھی لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خود اس سے نکاح کرنا پسند نہ کرتے تھے اور یہی چاہتے تھے کہ وہ زید پر راضی ہو جاوین۔ جب زینب اور اس کے بھائی کیطرف سے انکار پر اصرار ہوا تو خدا تعالےٰ نے انکو اس معاملہ مین متنبہ کیا اور تمام مومن مردون اور مومن عورتون کیلئے ایک عام حکم کے ذریعہ انکو مطلع فرمایا کہ جب خدا اور اسکا رسول ایک معاملہ مین فیصلہ کر چکے ہین تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لائق نہین کہ وہ انکار کرے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ خدا اور اسکے رسول کے حکم سے انکار کرینگے تو سخت گمراہی مین پڑینگے۔ اس آیت کے آنے پر زینب اور انکا بھائی راضی ہوگئے اور خدا تعالےٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا۔ اور زید کا زینب کے ساتھ نکاح ہوگیا +

یہانتک تو اس نکاح کا قصہ ہے۔ اور ناظرین اسے پڑھکر خود دیکھ لینگے کہ جو الزام آنحضرت کی ذات مبارک کیطرف منسوب کیا جاتا ہے وہ کسقدر جھوٹا ہے۔ اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ

آنحضرت کے بہت [illegible] تھی زینب کی مان امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھی (دیکھو۔ اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد پنجم صفحہ ۴۶۳) اس قدر قریب کی تو رشتہ داری تھی مگر ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ زینب ان لوگون مین سے تھی جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ابتدا ہی مین ایمان لے آئے تھے اور وہ مہاجرہ بھی تھی ان تمام باتون سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب کو بڑی اچھی طرح سے جانتے تھے تمام واقعات یعنی آپکا اور زینب کا رشتہ داریکا اس قدر قریب تعلق اور زینب کا ابتدا مین ہی مسلمان ہو جانا اور پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگنا یقینی طور پر ثابت کرتے ہین کہ زینب کوئی اجنبی عورت نہین تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بچپن سے ہی بخوبی جانتے تھے اور بارہا بچپن مین اور جوانی مین اسکو دیکھا ہوا تھا۔ علاوہ ازین اسلام سے پہلے عرب مین پردہ کی رسم نہ تھی۔ اور اسلیے مرد اور عورتین تمدنی زندگی مین باہم ملتے جلتے تھے۔ بلکہ اسلام مین بھی پردہ کا حکم آنحضرت کے زینب سے نکاح کے بعد ہوا ہے اور چونکہ تمام عیسائی مورخین اس بات کو تسلیم کرتے ہین اس لیے اسپر زیادہ بحث کی ضرورت نہین۔ اب ان تمام واقعات پر غور کرو کہ اول تو زینب آنحضرت کی پھوپھی کی لڑکی ہے اور پھر ابتدائی مسلمانون کی چھوٹی سی جماعت مین بھی داخل ہے پھر وہ آنحضرت کے ساتھ ہی مدینہ کو بھاگ کر چلی آتی ہے اور پردہ کا ملک مین کوئی رواج بھی نہین اور خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زینب سے درخواست کرتے ہین کہ وہ زید کے ساتھ نکاح منظور کرے اور پھر سوچو کہ یہ کسقدر بڑا سیاہ جھوٹ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نیم کشادہ دروازہ مین سے اتفاقاً زینب کو دیکھ لیا تھا۔ اور اسکی خوبصورتی کے سبب سے اس پر فریفتہ ہو گئے تھے اس کمینہ اور گندہ جھوٹ کو پیش کرنیوالے خدا کی لعنت کے نیچے ہین۔ ہم تو دیکھتے ہین کہ جب زینب آنحضرت کیساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو وہ خود اسکو منظور نہین کرتے اور باوجود اسکے اصرار کے کہ وہ اپنے نکاح مین اسے لیوین آپ زید کیلیے ہی زور دیتے ہین۔ اگر نفسانی خواہش ہی آنحضرت کے اس نکاح کی محرک تھی تو پھر کونسی

ہد تھی جو آپ نے اس وقت منظور کیا جب وہ جوان تھی بات یہ ہو کہ تعصب کا پردہ جو عیسائیون کی آنکھ کے آگے پڑا ہوا ہے وہ اُنھین واقعات کو اصل صورتمین دیکھنے نہین دیتا +

اب اس بیان سے جسے مسلمان محققین نے سچا اور صحیح بیان تسلیم کیا ہے اور جسے اُنھون نے قابل اعتبار قرار دیا ہے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اِس بات پر زور دیا تھا کہ زینب کا زید کے ساتھ نکاح کر دیا جاوے اور خود زینب اور اس کے رشتہ دار اُس کے مخالف تھے لیکن اللہ تعالی کیطرف سے جو وحی نازل ہوئی اُس مین یہی حکم تھا کہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہو وہی ٹھیک ہے اور زینب اور اُسکے رشتہ دارونکو اس معاملہ مین کوئی اختیار نہیں اِس لیئے اس نکاح کے متعلق یہ ایک شہرت یافتہ امر ہو گیا تھا کہ یہ نکاح خدا تعالی کے حکم کے مطابق ہوا ہے۔ یہ بات بہت قابل توجہ ہے کیونکہ اسکی طرف پھر بھی ہم توجہ دلائینگے جب تک وحی نازل نہین ہوئی تب تک زینب زید کے ساتھ نکاح پر راضی نہین ہوئی اور اس امر سے مسلمان اور غیر مسلمان سب آگاہ تھے سب جانتے تھے کہ زینب نے انکار کیا تھا مگر آنحضرت کے فیصلہ کے مطابق وحی الہی نے فیصلہ کیا اسلیئے ایک ایسے نکاح کے متعلق جو خدا کے حکم سے ہوا تھا لوگ ہر وقت منتظر تھے کہ آیندہ کیا ہوتا ہے +

اب ہم نکاح کے بعد کے واقعات پر غور کرتے ہین سب سے پہلے قرآن کریم کے ان الفاظ مین ہمنے اس مضمون کیطرف توجہ دلائی گئی ہے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ و انعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ ۔ اور جب تو کہتا تھا اس شخص کو جسپر اللہ تعالے نے احسان کیا اور تونے احسان کیا کہ اپنی بیوی کو طلاق مت دے ور خدا سے ڈر" اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دینی چاہتا تھا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے طلاق سے روکا۔ انکے متعلق قتادہ انس سے روایت کرتا ہے کہ زید بن

حارثہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور زینب بنت جحش کی شکایت کی (یعنی اس امر کی کہ وہ اس سے متکبرانہ طریق سے پیش آتی ہے) اسپر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق مت دو اور خدا سے ڈرو۔ دیکھو لباب النقول فی اسباب النزول۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد زینب جو نہایت معزز خاندان قریش کی عورت تھی اپنے حسب کی بڑائی کے سبب سے ایسے طریق سے زید سے پیش آتی تھی جو اسکو ناگوار گذرتا تھا۔ اور آخر اسکو بالکل ناقابل برداشت پاکر زید نے آنحضرت کے پاس شکایت کی اور طلاق دینا چاہا لیکن آنحضرت نے اسے منع کیا اور فرمایا کہ اس سختی کی برداشت کرکے اپنی بیوی کو رکھو اور خدا سے ڈرو۔ یہ کہنا کہ یہ الفاظ دل سے نہ تھے نہایت کمینہ درجہ کی بے ایمانی ہے خواہ اس کا کہنے والا میور ہو یا مارسیو یا یسوع کی انجیل کا کوئی اور حلیم واعظ۔ اگر آنحضرت کو یہ کہنا درست ہے تو کیون جائز نہین کہ یسوع کو بھی بھیڑ کی صورت مین ایک بھیڑیا بلکہ بھیڑئے سے بھی بدتر مانا جاوے وہ وقت کب آئے گا کہ پادری صاحبان بھی ایمانداری سے اعتراض کرنا سیکھین گے کب انکو یہ سمجھ آئیگی کہ خدا کے پاک اور معصوم نبیونکو گالیان دینے سے وہ اپنے موہوم خداوند کی کوئی خدمت نہین کرسکتے۔ اگر تمام برگزیدونکو گنہگار کہا جائے گا تو اس سے ایک ضعیف انسان ایک عاجز مخلوق جو نو ماہ تک عورت کے پیٹ مین خون حیض سے پرورش پاتا رہا خدا اور خالق ارض وسما نہین بن جائیگا زید آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور اپنی بیوی کے متکبرانہ سلوک کی جو شرافت خاندان کے احساس کی وجہ سے تھا۔ آپکے پاس شکایت کرتا ہے اور طلاق کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت نہایت سختی سے اسے روکتے مین مگر یہ سچائی کے دشمن کہتے ہین کہ نعوذ باللہ منافقانہ الفاظ تھے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہین جانتے تھے کہ زید آپکے ارادے سے جو اسکی بیوی کے متعلق آپ رکھتے تھے آگاہ ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ آپ کی خاطر طلاق دے رہا ہے تو اس قدر [illegible] اتق اللہ یعنی خدا سے ڈرو کس طرح آپ زید کو ان الفاظ مین روک سکتے تھے کہ اے زید خدا سے ڈر اور اپنی بیوی کو

طلاق مت دے۔ کیا یہ لفظ منافقانہ ہوسکتے ہین۔ نہین بلکہ یہ لفظ ہی ایسے ہین کہ دل کے اندر سے نکلے ہوئے ہین خدا سے ڈر ایک ایسا فقرہ نہین ہے جو ایک مجرم دل زبان پر لاسکے اور پھر ایسے شخص کے سامنے جسے وہ جانتا ہو کہ اسکے فاسد خیال سے وہ آگاہ ہے کیا انسانی فطرت ایک لمحہ کیلئے بھی اس خیال کی برداشت کرسکتی ہے اور پھر زید جسکو یہ لفظ بولے جاتے ہین کون ہے اور اسکا آنحضرت سے تعلق کیا ہے۔ یہ وہ نازک تعلق ہے جو مرید اور مرشد کے درمیان ہوتا ہے۔ مرید اپنے مقتدا کو یقیناً جانتا ہے کہ میرا آقا خدا کا بھیجا ہوا ہے تا لوگونکو راستبازی کی طرف بلائے وہ خدا سے ہمکلام ہوتا ہے اور خدا اس سے ہمکلام ہوتا ہے وہ اپنی راستبازی مین ایک کامل انسان ہے وہ نیکی کا ایک نمونہ ہے جسکے ہر ایک قول و فعل کی اسے پیروی کرنی چاہیئے۔ اب اس نازک تعلق کو جسکی بنیاد راستبازی اور پاکیزگی پر تھی سامنے رکھو اور ان الفاظ پر غور کرو جو ایسے آقا کے منہ سے اس مرید کیلئے نکلے ہون کہ خدا کے سامنے تقوا اختیار کرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔ کسقدر ظلم اور بے ایمانی ہے کہ کہا جائے کہ یہ الفاظ منافقانہ اور ظاہرداری کے تھے اور دلی منشا یہ نہ تھا کیا منافقانہ الفاظ ایسا ہی اثر کیا کرتے ہین۔ جیسا کہ آنحضرت کے الفاظ نے صحابہ کے دلپر اثر کیا .... جنھون نے ان الفاظ کو سنکر اپنا سب کچھ اسی کی راہ مین کھو دیا اگر آپکے الفاظ دل سے نہ تھے تو انھون نے دلونپر کیون اثر کیا۔ کیا یہ سچ نہین کہ دلپر وہی اثر کرتا ہے جو دل سے نکلے +

پھر ہم اصل مضمونکیطرف توجہ کرتے ہین جب زید نے خانگی مشکلات کیوجہ سے زینب کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو آنحضرت نے اُسے بہت ناپسند کیا اور اسکو اس فعل سے روکا۔ آپنے کیون روکا اسکے کئی وجوہات تھے اوّل تو زینب کا آپکے ساتھ نہایت ہی قریب کا تعلق تھا اور زید سے بھی آپکو بڑی محبت تھی اور آپ پسند نہین کرتے تھے کہ دو شخص جنسے آپکو اسقدر تعلق اور محبت تھی انمین ناچاقی ہو۔ علاوہ برین خود ہی آنحضرت اس شادی کے محرک ہوئے تھے اور زینب کے منشا کے خلاف آپنے اسپر زور دیا تھا حالانکہ

زینب کے دوسرے رشتہ دار بھی اُسے پسند کرتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ زینب کے وارث بھی قومی اور رسمی خیال کے لحاظ سے اس طلاق سے ناخوش ہوتے اور یہ بات بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دلکہ مضطرب کرنیکا باعث ہوسکتی تھی اگر نکاح کیوقت وہ لوگ تھوڑے بھی ناخوش تھے تو اب طلاق سے انکو بہت ہی رنج کا اندیشہ تھا لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ زینب کا نکاح حکم الہی کے مطابق ہوا تھا اب آنحضرت کو یہ فکر تھا کہ جاہل اور بھی خیال کرینگے اپنے نزدیک اُسے بھی ایک اعتراض سمجھ لینگے کہ ایک نکاح جو وحی الہی کے حکم کے نیچے ہوا تھا اتنی جلدی اسکا نتیجہ ایسی ناچاقی اور طلاق ثابت ہوا۔ آپ یہ بھی سوچتے تھے کہ تو الف منکر جو ہر وقت اسلام پر اعتراض کرنے کے لیے حیلے سوچتے رہتے تھے انھیں بھی طلاق پر زبان درازی اور طعنہ کا موقعہ ملیگا اور وہ لوگونکو سچائی کے قبول کرنے سے روکینگے یہی وجہ تھی کہ آپنے زید کو طلاق دینے سے روکا تھا اگر نفو ملکو زباندرازی اور طعنہ کا موقعہ نہ ملے چنانچہ اسکے بعد جو الفاظ قرآن کریم مین استعمال ہوے ہین وہ آنحضرت کے دل کی اس مضطربانہ حالت کو ظاہر کرتے ہین وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ اور تو اپنے دلمیں چھپاتا تھا اُسکو جسے اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا اور اللہ زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرے" ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرت کے دل کی کیا حالت تھی۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ طلاق ہو کر اس ناچاقی کا افشا ہو اور معاندین اسلام کو زباندرازی کا موقعہ ملے۔ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ اس قسم کی نکتہ چینیاں ناواقفونکی ٹھوکر کا باعث ہو جاتی ہین مگر اللہ کی یہی خواہش تھی کہ زید طلاق دے اور جھگڑے پر پردہ پڑجائے یہی وہ بات تھی جسکو آنحضرت چھپانا چاہتے تھے مگر اللہ تعالے کا منشا یہ نہ تھا یہانتک جیسے آگے چلکر اسی آیت کے آخیر پر بیان کیا گیا ہے اس نکاح اور طلاق مین خدا تعالی ایک خاص منشاء الہی کو پورا کرنا چاہتا تھا جیسا کہ فرمایا وکان امر اللہ مفعولا آنحضرت اسی بات سے ڈرتے تھے کہ ایسا نہو کہ یہ نکتہ چینیاں کہا کیطرف سے سچائی کے قبول کرنے مین لوگونکے لیے روک ہوجاوین

وہ لوگون سے ڈرتے تھے مگر انھین کے فائدے کیلئے کہ ایسا نہو یہ لوگ ہلاکت مین پڑ جاوین۔ آنحضرت کو یہ غم جو لوگون کیلئے تھا کہ وہ راہ ہدایت پر کیون نہین آتے اِس کا اظہار قرآن شریف مین دوسرے موقعہ پر اس طرح پر کیا گیا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِين ایک موٹی سمجھ کا آدمی تو یہ خیال کرے گا کہ اِس جگہ آنحضرت کو سرزنش کی گئی ہی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ خدا تعالے آنحضرت کی تعریف کرتا ہے اس غمگساری اور ہمدردی کیلئے جو آپکو لوگون کے ساتھ تھی اسی طرح اِن الفاظ تَخْشَى النَّاس مین لوگون کی بہتری کے غم کیطرف اشارہ ہے۔ آنحضرت کے دلکی ایسی حالت کو دیکھکر اللہ تعالے فرماتا ہے کہ ان لوگون سے ڈرنا نہین چاہیئے۔ کیونکہ اس طلاق کے ذریعے اللہ تعالے اپنا ایک خاص منشا پورا کرنا چاہتا ہے اور اِسی کی مصلحت نے یہ تقاضا کیا ہے کہ اِسی طرح پر یہ نکاح اور پھر طلاق ہو پس جب اسکا ارادہ اور مصلحت یہی چاہتے ہین تو پھر اور کسی ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ ہی حقدار ہے کہ ہر وقت اُسی سے ڈرنا چاہیئے گویا اِن الفاظ مین یہ بتایا گیا ہے کہ تم اس بات سے مت ڈرو کہ ایسی طلاق سے کوئی مضرت پیدا ہوگی اور اسلیئے جس طرح حکم الہی ہے اسی طرح ہونے دینا چاہیے +

اس وقت تک آنحضرت کا زینب سے نکاح کرنیکا کوئی ارادہ نہ تھا کیونکہ ابھی ایکدو سال پیشتر ہی وہ انکار کر چکے تھے جب زینب نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ بالآخر زید نے طلاق دیدی اور آنحضرت نے بھی حکم الہی کے مطابق اُسے روکنا چھوڑ دیا اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر گئی جیسا کہ الفاظ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا کا منشا ہی۔ اسکے بعد یعنی طلاق اور عدت کے گذر جانیکے بعد حکم الہی آتا ہے کہ آنحضرت خود زینب سے نکاح کرلین۔ چنانچہ الفاظ منقولہ بالا کے بعد خدا تعالے فرماتا ہے زَوَّجْنٰكَهَا یعنے ہمنے اُسے یعنی زینب کو تیری بیوی بنا دیا۔ یہان یہ نہین فرمایا کہ تونے زینب سے نکاح کی خواہش ظاہر کی یا نکاح کرلیا۔ تو ہمنے تجھے اجازت دیدی بلکہ یہ فرمایا کہ خود ہمنے ہی تیرا نکاح

اسکے سامنے کردیا۔ یعنی ہمارے حکم سے تو نے نکاح کیا۔ اور جب تک ہمنے حکم نہین دیا نکاح نہین کیا
کیا ان الفاظ سے یہ صاف نتیجہ نہین نکلتا۔ کہ آنحضرت نے حکم الہی کے بغیر ارادہ نکاح کا نہین
کیا۔ اور یہ حکم اُسوقت نازل ہوا جب طلاق کے بعد عدت بھی گذر چکی تھی۔ اگر یہ نکاح آنحضرت کی خواہش
سے ہوتا تو قرآن شریف کو چاہیئے تھا کہ اسی طرح پر اسکو بیان کرتا لیکن قرآن شریف ہمین یہی بتاتا
کہ آنحضرت کی خواہش نہ تھی بلکہ خدا کا حکم تھا +

اب اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ کیون خدا تعالے نے پہلے ہی موقعہ پر آنحضرت کو حکم نہین دیا
کہ آپ ہی زینب سے نکاح کرلین بلکہ اسوقت تو زید کے نکاح کا حکم دیا اور اب جب کہ چاتی کے بعد طلاق
ہوگئی تو پھر آنحضرت کو حکم دیا کہ اب تم زینب سے نکاح کرو* وہان ہی اس سوال کا جواب اس طرح پر دیا گیا
ہے۔ لکیلا یکون علے المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاۓھم اذا قضوا منھن
وطرا وکان امر اللہ مفعولا۔ (”ہمنے اسواسطے تیرا نکاح زینب سے کیا ہے) کہ مسلمانونکے
لیے اپنے لے پالکونکی مطلقہ بیویونسے نکاح کرلینا گناہ نہ ہے اور یہ خدا کا حکم تھا جو اسی طرح پر پورا
ہونا تھا۔“ یہان نہایت صاف الفاظ مین اس حکم کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ کیون ہمنے بعد طلاق کے
رسول کو حکم دیا کہ زینب سے نکاح کرو۔ ان الفاظ کے معنون مین کسی قسم کے شک و شبہ کی بھی گنجایش
نہین اگر یہ نکاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی خواہش کا نتیجہ مانا جاوے تو یہ وجہ نکاح کی
جو قرآن شریف نے خود بیان فرمائی ہے بے معنی ہوئی جاتی ہی۔ اب اس جگہ دو سوال ہین جنکا حل کرنا
ضروری ہی۔ اول یہ کہ آیا تبنیت کی رسم فی الواقع مضر رسم ہے یا نہین اور آیا یہ ضرورت تھی کہ اس
بُری رسم کو دور کرنیکے لیئے آنحضرت خود ایک نمونہ بنے اس جگہ ہم نہایت اختصار کیساتھ ان سوالونکے
جواب دینگے۔ اول تبنیت کی رسم کو لو اسکے مضر ہونیمین کسی کو شک نہین ہوسکتا صرف کہدینے سے
ایک انسان دوسرے کا باپ یا بیٹا نہین ہوسکتا علاوہ برین اسکی بنیاد جھوٹ پر ہے اور جو شخص

* خدا تعالی جو عالم الغیب ہی وہ خوب جانتا ہوگا کہ زید اور زینب کا نکاح بالآخر فسخ ہونیوالا ہی پھر پہلے اُسنے کیون یہ حکم دیا کہ زینب کا نکاح زید کیساتھ ہی ہو۔ اس کا جواب خود قرآن شریف نے دیا ہی اور جہان آنحضرت کو حکم ہوا ہے کہ تم زینب سے نکاح کرو۔

جھوٹ بولتا ہی وہ راستبازی سی دور رہتا ہے۔ اس رسم کے بدنتائج ہندو مذہب مین جسکے پیرو بیحد مبتلا ہو رہے ہین اور اسی بدرسم کیوجہ سے آخر نیوگ جیسا ناپاک اصول اس مذہب کے پیروؤن کو ماننا پڑا ہے۔ اور اس طرح پر بے غیرتی سے ایک عورت خاوند کی موجودگی مین اجنبیون کے پاس صرف اولاد لینے کیلئے بھیجی جاتی ہے اس قسم کے ناپاک اصولونکی دنیا سی بیخکنی کرنا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بڑا مقصد تھا۔ اور اسلیئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام اس رسم کو بھی دنیا سے دور کرے لیکن جن لوگونکو کسی قسم کی اصلاح سے کام پڑا ہے وہ خوب سمجھ سکتے ہین کہ بغیر نمونہ بننے کے رسوم کا دور کرنا ناممکن ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشن کی کامیابی کا یہ راز ہے کہ آپ نے جو کچھ اپنے پیروؤن کو حکم دیا پہلے خود اسپر عمل کر دکھایا۔ اس گہری ذہانت سے جو اللہ تعالے نے آپکو عطا فرمائی تھی آپ دیکھتے تھے کہ فطرت انسانی ایسی واقع ہوئی ہے کہ جبتک واعظ خود نمونہ بنکر نہ دکھلا دے دوسرے لوگونکو ان نیک کامون کی طاقت نہین ملتی جن کا وعظ انکو کیا جاتا ہے۔ یسوع نے کیون ناکامیابی کا منہ دیکھا کیونکہ انجیلون کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تعلیم وہ دیتے تھے وہ ناقابل عمل تھی اور خود بھی اسپر ان کا عمل نہ تھا۔ کیون آج عیسائی قومین شراب خوری سے تباہ ہو رہی ہین ؟ کیونکہ یسوع نے خود شراب سے پرہیز نکیا۔ اس جگہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نمونے پر غور کرو کہ آپ نے کس طرح شرابخوری کو خود پرہیزگاری کا ایک کامل نمونہ بنکر مسلمانون کے درمیان سی دور کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر ایک پہلو مین کامل نمونہ تھے اور انھون نے خود راستبازی کے تمام طریقون پر چلکر اپنے پیروؤن کو دکھا دیا کہ کس طرح انسان ایک کامل انسان بن سکتا ہے بدرسوم کی بیخکنی جیسے مصلح کا عظیم الشان کام ہوتا ہی پرانی رسوم آہستہ آہستہ عادت مین داخل ہو جاتی ہین کئی ہزار کتابین نصیحت کی ایک انسان ہی بھی بدعادات کو نہین چھوڑ سکتین چہ جائیکہ دنیا سے انھین نیست و نابود کر دین

صحابہ کو قرآن شریف مین یہی سکھایا گیا تھا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ
حسنۃ کہ تمہارے لئے ہر ایک نیکی کا نمونہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مین ہین اسلیئے جو وہ آپکو کرتے دیکھتے
وہی کرتے یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا کہ تبنیت کی رسم کو
دنیا سے دور کرنے کے لئے وہ خود زینب سے نکاح کرین جو عربون کی رسم کے مطابق سخت معیوب
امر سمجھا جاتا تھا کیونکہ زید جو زینب کو طلاق دے چکا تھا اس کے ساتھ رسول خدا اسقدر محبت
کرتے تھے کہ لوگ اُسے آپ کا بیٹا کہنے لگے تھے اسلیئے سب سے پہلے آنحضرت ہی کو حکم ہوا کہ زینب کے
ساتھ نکاح کرکے اس بدرسم کی جڑھ کاٹین۔ اگر آنحضرت کی اپنی خواہش یہ ہوتی کہ زینب کو نکاح
مین لاوین۔ تو اس سے پہلے کوئی روک اُن کیلیئے نہ تھی آپ اسے اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے اور
آپ جسوقت چاہتے وہ اور اسکے وارث بخوشی راضی ہوتے کہ آپ اس سے نکاح کرلین چنانچہ جب زید
کے لیئے آپ نے اُسے مانگا تو اسوقت بھی زینب اور اُسکے ورثا دونون کی منشا یہی تھی کہ آپ خود اُس سے
نکاح کرلین لیکن آپنے اُسے پسند نہین کیا اور اُسوقت زید کے ساتھ ہی زینب کا نکاح کرایا۔ اس
مین مصلحت الہی یہی تھی کہ زید کے طلاق دیدینے کے بعد آپ اس سے شادی کرین تا اسلام سے یہ رسم
اُٹھ جاوے کہ صرف کہدینے سے کوئی شخص حقیقی بیٹا بن سکتا ہے سو پہلی دفعہ خدا تعالے نے یہی چاہا
کہ زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو اور پھر حالانکہ آنحضرت بظاہر طلاق کو پسند نہ کرتے تھے لیکن خدا کے
حکم کے مطابق طلاق ہی ہوئی اور آخر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح سے منشاء
الہی پورا ہوا۔ اس امر الہی کے پورا ہونے کیطرف ان الفاظ مین اشارہ ہے جیسا کہ فرمایا وکان
امر اللہ مفعولا اور پھر فرمایا وکان امر اللہ قدرا مقدورا یعنے امر الہی
ہوکر ہی رہنا تھا اور اس امر الہی کا ہونا پہلے سے ہی مقدر ہو چکا تھا تمام اعتراض زید اور زینب کے نکاح
پر اور پھر طلاق پر اور اسکے آنحضرت کے ساتھ نکاح پر خدا تعالے کے ان الفاظ سے دور ہو جاتے ہین

کہ ایک امر الٰہی تھا جو ہو کر ہی رہنا تھا۔ کیونکہ پہلے سے مقدر ہو چکا تھا اور منشا الٰہی اس میں یہ تھا جیسا کہ خود اللہ تعالےٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اسلام سے تبنیت کی رسم اٹھا دیجائے +

آیت مذکورہ بالا سے مابعد کی آیت اور بھی وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کا زینب کے ساتھ نکاح کرنا حکم الٰہی ہی کی تعمیل میں ہوا تھا اور اپنی کسی خواہش کو پورا کرنے کے لئے نہیں تھا۔ ما کان علی النبیّ من حرج فیما فرض اللہ لہ ترجمہ۔ "نبی پر اس کام کر نے میں کوئی گناہ نہیں جو اللہ تعالےٰ اسکے لئے فرض کرے۔" پادری مانرو کو اپنے اعتراض پر شرم کرنی چاہئے قرآن شریف صاف صاف کہتا ہی کہ آنحضرت کو خدا نے حکم دیا کہ نکاح کر لیں۔ اس لئے آپ پر کوئی حرج نہیں۔ کیا سچ یہ ہے کہ آنحضرت کو کسی گناہ کیلئے سرزنش کی گئی ہے؟ ایک آپ کو ہر ایک الزام اور گناہ سے جو آپکے بداندیش دشمن آپ پر لگاتے ہیں بری اور پاک اور معصوم ٹھیرایا گیا ہے۔ یہ الفاظ کہ خدا نے پیغمبر کیلئے اسبات کو فرض کر دیا تھا کہ وہ زینب سے نکاح کریں اسبات کی نفی کرتے ہیں کہ آپ کا اپنا بھی کوئی ارادہ یا خواہش اس امر کا تھا۔ علاوہ ازیں یہاں سے صاف ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت کیطرف اس معاملے میں کوئی گناہ منسوب نہیں کیا جا سکتا حالانکہ پادری مانرو بڑی جرات کے ساتھ یہ دعوے کرتا ہے کہ نبی علیہ السلام اس معاملہ میں گنہگار تھے اگر پادری صاحب یہ کہیں کہ رسول کریم علیہ السلام لوگوں سے ڈرنے سے گنہگار ہوئے تو اسکی بھی صاف نفی اسی آیت میں موجود ہے جہاں فرمایا ہے الذین یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللہ یعنی جو لوگ خدا کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور سوائے خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے یہ لفظ عام ہیں یعنی کسی معاملہ میں بھی انبیاء سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے یہ خیال کر لینا کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ وہ تبلیغ پیغام الٰہی میں کسی سے نہیں ڈرتے

اور باقی امور دین ڈر جاتے ہین محض بیوقوفی ہے علاوہ ازین جو الفاظ ویخشونہ دونون فقرات
کے درمیان آگئے ہین ان سے بھی یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خشیت کا ذکر عام ہے اور صرف تبلیغ
پیغام تک محدود نہین ورنہ یہ الفاظ درمیان مین نہ آتے۔ اصل مین ان مین سے ہر ایک جملہ
الذین خلوا من قبل کا بیان ہے کیونکہ پہلی آیت مین یہ نہین بتایا گیا کہ الذین خلوا
من قبل سے کیا مراد ہے سو اس جگہ اس امر کو کھولکر بیان کیا گیا ہے کہ وہ وہ لوگ ہین جو پیغام
الہی مخلوق تک پہونچاتے ہین اور خدا سے ڈرتے ہین اور خدا کے سوا کسی چیز سے نہین ڈرتے۔ ڈوبتے کو
تنکے کا سہارا کافی ہے یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے اور شاید پادری مانزو صاحب کو بحیثیت ایک
پادری کے اپنی شہرت قائم رکھنے کیلئے ایسے ایسے بے بنیاد حیلے سوچنے پڑین جیسے مثلاً یہ کہ اسمین
صرف انبیا سابق کا ذکر ہے اور آنحضرت اس مین شامل نہین ہین مگر اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ بحیثیت
نبی ہونیکے آنحضرت ویسے ہی اس مین شامل ہین جیسے کہ دوسرے نبی۔ بلکہ اگر آنحضرت کا ذکر بالخصوصیت
اس مین مقصود نہو تو ایسا بیان کرنے سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء سابق یون کیا کرتے تھے
اصل مقصود کتاب اللہ کا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو ہی بیان کرنا ہے۔ علاوہ ازین
بہت ساری آیات اس مضمون کی ہین جن کو خود پادری صاحب کئی دفعہ ذکر کر چکے ہین کہ آنحضرت
دوسرے انبیاء کیطرح نبی ہین پادری مانزو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسکے نزدیک تو انبیاء سابق بھی
معصوم نہین ہین پھر کیا وجہ ہے کہ وہ اس تعریف مین دوسرے انبیاء کو تو داخل سمجھے مگر آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم کو اس مین داخل نہ سمجھے پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حضرت موسےٰ کے ڈرنے کا تو خود قرآن
شریف مین ذکر اور حضرت موسےٰ الذین خلوا من قبل مین داخل ہین پس اگر حضرت
موسےٰ اس تعریف مین داخل ہین تو آنحضرت کیون نہین +

ہم یہ بھی بیان کر چکے ہین کہ جہان کہین کسی نبی کے سوائے خدا سے ڈرنے کا ذکر ہے اس جگہ یہ

مراد نہیں کہ وہ اس دوسری چیز سے اسی طرح ڈرا جیسے انسان کو خدا سے ڈرنا چاہئے یا یہ کہ وہ اس وقت خدا سے نہیں ڈرتا تھا ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن شریف نے کہیں اس طرح ڈرنے کو گناہ نہیں کہا ہے اور اگر کہا ہو تو پادری مانرو کا فرض ہے کہ وہ آیت پیش کرے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ڈرنا اقتضائے بشریت اور انسانی کمزوری کا خاصہ ہے چونکہ نبی میں بھی بشریت ہوتی ہے اس لیئے اس کا بمقتضائے بشریت ڈرنا گناہ نہیں اور نہ ہی قابلِ اعتراض ہے۔ ہاں انبیاء کے ساتھ یہ سنت اللہ ہے کہ جب کبھی بمقتضائے بشریت وہ ڈریں تو حفاظت الٰہی معاً اُن کے شاملِ حال ہو جاتی ہے اور انسانی کمزوری کو دبا دیتی ہے۔ جو لفظ اس آیت میں بولے گئے ہیں **وتخشى الناس والله احق ان تخشٰه** ان سے بھی یہی قانون الٰہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ الفاظ آنحضرت کے دل کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ وحی الٰہی دل کے اندر سے پیدا نہیں ہوتی لیکن یہ انعام الٰہی دل کی حالت کے بموجب عطا ہوتا ہے اور جس دل پر وارد ہو اس کی حالت کا نقشہ دکھاتا ہے۔ آنحضرت کے دل کی پہلی حالت بمقتضائے بشریت یہ ہے کہ آپ کے دل میں ایک لمحہ سے بھی کم کیلئے لوگوں کے ڈر کا خیال آیا۔ جن معنوں میں اس ڈر کو چاہیں لیں لیکن اس خیال نے آپکے دل میں جگہ نہیں پکڑی اور نہ اس کا کچھ اثر آپ کے دل پر ہوا بلکہ معاً دوسری حالت دل کی یہ ہو گئی کہ **والله احق ان تخشٰه** کہ اللہ ہی سے ڈرنا چاہئے اور حقیقی ڈر اللہ ہی کا ڈر ہے نہ کہ غیر اللہ کا یہ سچ نہیں کہ پہلے خیال کا بھی آپ کے دل پر کوئی اثر ہوا تھا کیونکہ پیشتر اسکے کہ وہ دل میں جگہ لے دوسری حالت بدل گئی اور وہی آپ کے دل کی مستقل حالت ہے جس پر آپ قائم رہے۔ ایک خیال بمقتضائے بشریت تھا لیکن دوسرا خیال جو صحیح اور سچا تھا اور منصب رسالت کے لازم حال پہ تھا وہ معاً اس پہلے خیال کو دل سے دور کرتا اور انسانی کمزوری کو دبا دیتا ہے کیونکہ یہ دوسرا خیال حفاظت الٰہی کا لازمی نتیجہ ہے جو کسی انسانی کمزوری کو نبی کے دل پر غالب نہیں ہونے دیتی۔

انبیا مین بشریت کا حصہ بھی موجود ہوتا ہے اور اس لیئے بلحاظ بشریت کے اگر کوئی خیال ان کے دل مین آئے تو خدا کا فضل اور حفاظت معًا اس کو دبا لیتے ہین۔ ہمارا یہ اعتقاد نہین کہ انبیا مین بشریت نہین ہوتی البتہ یہ اعتقاد ہم رکھتے ہین اور سچا مذہب یہی ہے کہ بشریت کی کوئی کمزوری انبیأ پر غالب نہین ہوتی بلکہ ہر وقت خدا کی حفاظت اور مدد اس طرح پر ان کے ساتھ لگی رہتی ہے جو بشریت کی کمزوریون کو دبائے رکھتی ہے۔ چنانچہ وَتَخْشَى النَّاسَ کے ساتھ ہی اللہ تعالےٰ کا یہ ذکر کر دینا کہ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ یہی بتاتا ہے کہ آنحضرت کے دل کی اصلی حالت جس پر آپ قائم تھے وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ کی مصداق ہے ایسا ہی جہان حضرت موسےٰ کا ڈرنا بیان کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى یہ بھی بلحاظ تقاضائے بشریت ہے مگر حضرت موسیٰ اس پر قائم نہین ہے اور نہ اُس کا کوئی اثر ان کے دل پر ہوا بلکہ ساتھ ہی منصب رسالت کے لحاظ سے جو ان کے دل کی حالت ہونی چاہیئے وہ بیان کر دی گئی ہے اور وہ یہ ہے فَلَمَّا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى یعنے اپنے مظفر و منصور ہونے کا احساس۔ اور یہی اُن کے دل کی اصلی حالت ہے اور جس پر وہ ہمیشہ قائم ہین بشری کمزوری دل پر تسلط نہین کر سکتی بلکہ اسکے آتے ہی معًا حفاظت الٰہی شامل حال ہو کر کمزوری کو دبا دیتی ہے اور خوف وغیرہ سب کچھ جاتا رہتا ہے (یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت موسےٰ کو خوف صرف یہ تھا کہ ایسا نہو لوگ ساحرون کے دہوکہ مین آجائین) اس طرح پر اللہ تعالےٰ کا انبیاء کے ساتھ تعلق ہوتا ہے کہ ہر ایک بشریت کی کمزوری معًا حفاظت الٰہی کے ذریعہ دبا دیجاتی ہے اور اس کا اثر دل پر مستقل طور پر کچھ نہین ہوتا اور نہ وہ کمزوری ان پر غالب ہی آسکتی ہے +

قرآن شریف کی ان آیات سے معلوم ہوگا کہ اس قصہ کے مختلف واقعات بالترتیب قرآن شریف مین بیان کئے گئے ہین سب سے پہلے وہ وحی ہے جسکے آنے پر زینب زید کیساتھ نکاح

پیدا ہوئی ہوئی۔ پھر ایک جھگڑا پیدا ہوتا ہے اور زید آنحضرت کے پاس شکایت لیکر آتا ہے اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت اُسے روکتے ہیں اور آپ کو یہ بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ اس ناچاقی کے افشا ہونے سے لوگوں کو ابتلا ہو۔ مگر آخرکار طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اور عدت بھی گذر جاتی ہے اُسکے بعد آنحضرت کو حکم ہوتا ہے کہ زینب سے نکاح کریں اور اس کی اصلی غرض یہ بتائی گئی ہے کہ متبنیت کی رسم دنیا سے دور ہوجائے اور مسلمانوں کو لے پالکوں کی مطلقہ بیویوں کے نکاح کرنے میں مضائقہ نہ ہو۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہی وہ غرض تھی جسکے پورا کرنے کے لیئے یہ سارے واقعات خدا تعالے کے منشاء کے مطابق ظہور میں آئے اسکے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بریت کیجاتی ہے تاکوئی شریر مخالف ٹھوکر سے بچیں اور صاف لفظوں میں کہا جاتا ہے کہ آنحضرت پر اس معاملے میں کسی قسم کا الزام نہیں لگایا جا سکتا اور وجہ اسکی ساتھ ہی یہ بیان کیجاتی ہے کہ خدا نے حکم دیا تو آپ نے نکاح کیا۔ اور بالآخر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ لوگوں سے ڈرنے میں آنحضرت نے گناہ کیا کیونکہ خدا کے رسول سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے۔ اور ہم یہ بھی دکھا چکے ہیں کہ آنحضرت کا لوگوں سے ڈرنا مخصوص ناچاقی کے معاملہ میں تھا چنانچہ بخاری بھی یہی روایت کرتا ہے کہ یہ آیت زید اور زینب کے معاملات کے متعلق ہے یعنی ناچاقی اور طلاق کے متعلق۔ اگر ہم اس ڈرنے کو ان معنوں میں بھی لیں کہ آنحضرت ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے لے پالک کی بیوی سے نکاح کر لیا تو بھی کوئی حرج نہیں اور نہ ان معنوں کے لینے سے ان دلائل میں سے کوئی دلیل کمزور ہوتی ہے جو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں لیکن سیاق وسباق آیت انہیں معنوں کو چاہتا ہے جنہیں ہم نے ترجیح دی ہے +

جو واقعات اس قصے کے یہاں بیان کئے گئے ہیں وہ معتبر اور صحیح روایات میں ملتے ہیں اور اس لئے انہیں کی صحت پر یقین کیا جا سکتا ہے چونکہ یہ واقعات پادریوں کے مفید مطلب

نہین ہین اس لئے وہ مردود قصون اور رواتیون پر بھروسہ کرتے ہین اور صحیح اور معتبر روایتون کیطرف نہین آتے کہا جاتا ہے کہ جب زینب کا زید سے نکاح ہوگیا تو ایکدن آنحضرت زید کے گھر تشریف لیگئے اسوقت وہ تو گھر مین موجود نہین تھا لیکن اس کی بیوی موجود تھی اتفاقاً آنحضرت کی نظر اسپر دروازے کے شگاف مین سے جا پڑی اور یہی باعث نکاح کا ہوگیا کیونکہ جب زید کو معلوم ہوا کہ یہ واقع ہوا ہے تو اس نے خود آنحضرت کیخاطر اپنی بیوی کو طلاق دیدی تا آپ اس سے شادی کرلیوین چنانچہ ایسا ہی ہوا صرف یہی نہین کہ قرآن شریف اس جھوٹے قصہ کی تائید نہین کرتا بلکہ صاف لفظون مین اسکی تردید کرتا ہے اگر اس قصے کو سچا مانا جاوے تو اس سے قرآن شریف کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ اسکے روسے تو آنحضرت اس معاملہ مین قابل الزام ٹھہرتے ہین حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس معاملہ مین آپ کسی طرح سے قابل الزام نہین۔ دوسرے اس قصے کے روسے آنحضرت کا نکاح زینب کے ساتھ اپنی خواہش کا نتیجہ ہوگا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ خدا نے آپ پر یہ فرض کردیا تھا اور اسلیئے نکاح صرف خدا کے حکم سے ہی ہوا نہ کہ اور کسی طرح۔ اور نیز اس کو امر الہی بیان کیا گیا ہے تیسرے اس قصہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت زینب سے نکاح چاہتے تھے لیکن قرآن شریف کہتا ہے کہ آپ نے زید کو طلاق دینے سے روکا۔ اگر آپ کو نکاح کی کچھ بھی خواہش ہوتی تو آپ زید کو طلاق دینے سے نہ روکتے بلکہ خوش ہوتے۔ یہ کہنا کہ ممانعت کے لفظ اوپرے دل سے تھے اول کہنے والیکے اپنے دل کی حالت کو ظاہر کرتا ہے کہ کیسا سیاہ اور گندہ دل ہے اور دوسرے بہر حال منع تو کیا خواہ اوپرے دل سے ہی کیا لیکن اگر نکاح کی خواہش ہوتی تو روکتے کیون۔ علاوہ ازین اس قسم کی نصیحت کہ خدا سے ڈرو اور راستبازی اختیار کرو سچے دل کی نصیحت ہوسکتی ہے جھوٹے کے مناسب حال ایسے الفاظ ہی نہین۔ چہارم قصہ کی غرض یہ ہے کہ زینب کے ساتھ نکاح کرنے مین آنحضرت کا صرف اپنی خواہشات کو پورا کرنیکا مقصد تھا۔ حالانکہ قرآن شریف کہتا ہے کہ اس نکاح سے خالص یہی غرض تھی کہ

تہنیت کی رسم کو دور کیا جاوے ۔ پنجم جن الفاظ مین زید کو بیان کیا گیا ہے وہ بھی اُس قصہ کو جھوٹا ٹھہراتے ہین بجائے اس طرح کہنے کے کہ جسوقت تو زید کو کہتا تھا کہ قرآن شریف فرماتا ہے وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ ۔ جب تو کہتا تھا اس شخصکو جسپر خدا نے احسان کیا اور جسپر تو نے احسان کیا ۔ اس مین دو باتین زید کے متعلق بیان کی گئی ہین اول یہ کہ وہ اُن لوگون مین سے ہے جن پر اللہ نے انعام کیا اسلئے وہ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ مین شامل ہوا اور یہی وہ مرتبہ ہے جسکے لیئے تمام مسلمان خواہش رکھتے ہین اب اگر یہ مانا جائے کہ زید نے یہ جانکر زینب کو طلاق دی تھی کہ رسول خدا اُس سے نکاح کی خواہش رکھتے ہین اور ان تمام واقعات کو سچا مانا جائے جو میور صاحب نے اپنی کتاب مین لکھے ہین تو زید انعمت علیہم مین سے نہین ہو سکتا بلکہ اس صورت مین یہ واقعہ اُسکی بڑی بے عزتی اور گمراہی کا ثبوت ہوگا کہ ایسے شخص کے پیچھے وہ چلتا تھا جو اپنی نفسانی خواہشون کے پورا کرنے مین دن رات لگا رہتا تھا ۔ پس زید کو ان لوگون مین داخل کرکے جنکو قرآن شریف نے منعم علیہ مانا ہے خدا کے کلام نے اس جھوٹے قصہ کی تردید کردی ہے ۔ پھر زید کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ رسول خدا کے بھی اسپر بہت احسان ہین لیکن اگر ایسا امر آنحضرت کیطرف سے ظہور مین آیا ہوتا تو آپ کے سارے احسان اور انعام باطل اور کالعدم ہو جاتے اور قابل ذکر نہ ہوتے چہ جائیکہ خصوصیت سے اُن کا ذکر کیا جاتا پس جب قرآن شریف کا لفظ لفظ اس قصہ کی تردید کرتا ہے تو اسکو صحیح ماننے کیلیئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ ہر ایک روایت جو قرآن شریف کے مخالف ہو وہ رد کرنی چاہیئے +

جب یہ معلوم ہوگیا کہ قرآن شریف اس قصہ کی تردید کرتا ہے تو اب ہم یہ دیکھینگے کہ آیا واقعات اسکو کیسا ٹھہراتے ہین سب سے پہلے یہ مسلم ہے کہ زینب آنحضرت کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھی اور اسلیئے آنحضرت اُسکو بچپن ہی سے جانتے تھے ۔ دوسرے وہ ابتدا مین ہی اسلام لے آئی تھی

اور یہ ممکن ہی نہ تھا کہ آنحضرت نے اُسے دیکھا ہو۔ تیسرے وہ مہاجرہ بھی تھی چوتھی اسلام سے پہلے عرب مین پردہ کی رسم نہ تھی اور عورتین اور مرد باہم ملتے جلتے تھے اور اسلام مین بھی پردہ کا حکم اسوقت آیا جب زینب کا نکاح آنحضرت سے ہو چکا تھا۔ یہ کسقدر جھوٹ ہے کہ اتفاقاً آنحضرت کی نظر زینب پر جا پڑی۔ زینب ہمیشہ آنحضرت کے سامنے رہی بلکہ آپکے سامنے جوان ہوئی بیاہی گئی اور پھر خود آپنے اُس کا نکاح زید سے کرایا اور خود اُسکے ساتھ نکاح کرنا منظور نکیا۔ کیا یہ سچ نہین کہ آنحضرت کے ساتھ نکاح کیوقت اُس کی عمر پینتیس ۳۵ سال کی تھی اور یہ عمر گرم ملکون مین تو عورتون کیلئے بڑھاپے کی عمر سمجھی جاتی ہے۔ پھر ایک اور امر قابل غور ہے اگر کوئی اس قسم کا واقعہ ہوا ہوتا جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے تو ضرور تھا کہ آپکے پیروؤن کے دلون مین سخت شبہات پیدا ہوتے۔ اگر آپ ایسے ناجائز فعل کے مرتکب ہوتے تو آپکا سلسلہ ایک لحظہ مین درہم برہم ہو جاتا۔ زید جو پہلے آپ کی صداقت کا منکر ہوتا کیونکہ اُسکو ان تمام واقعات سے خبر تھی اور اس کی شہرت ضرور پھیل جاتی ایسے واقعہ پر ایک آدمی بھی آپکے ساتھ نہ رہ سکتا کیونکہ یہ فعل بظاہر صورت ایسا قبیح ہے کہ مرشد اور مرید کا نازک تعلق اس سے ایکدم مین ٹوٹ جاتا ہے آپکے پیروؤن کا تعلق آپکے ساتھ صرف راستبازی اور نیکی پر [illegible] تھا اور آپ کو وہ قابل پیروی نمونہ جانتے تھے کونسی چیز تھی جسکو دیکھکر آپکے صحابہ نے اپنے وطن اور جائدادین چھوڑ دین۔ دکھ اور تکالیف سہے اور جانونکو بے دریغ قربان کر دیا۔ یہ صرف آپ کی راستبازی اور صحابہ کے دلونمین آپکے نقش قدم پر چلنے کی سچی خواہش تھی۔ پھر اس طرح کا ناجائز فعل کو آپکے اندر پاکر آپکے ساتھ رہ سکتے۔ لیکن ہمین صاف شہادت ملتی ہے کہ ایک صحابی کے دل مین بھی کسی قسم کا شک یا شبہ پیدا نہین ہوا۔ کیا اس سے قطعی اور یقینی ثبوت نہین ملتا کہ یہ قصہ جسے میور صاحب پیش کرتے ہین ایک صریح جھوٹ ہے اور اسکی اصلیت آنحضرت کی زندگی کے واقعات سے کچھ بھی نہین۔ ان سب امور سے جو قرآن شریف و معتبر احادیث اور واقعات [illegible] ثابت ہے

اس قصے کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہے +

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ خود اس قصے کی سند کیا ہے میور صاحب طبری کا حوالہ دیتے ہین طبری ایک ایسا مورخ ہے جسنے بغیر تنقید کے روایات کو اپنی کتاب مین داخل کیا ہے صرف ایک محدثین کا فرقہ ہی ایسا ہے جسنے احادیث کا جھوٹ اور سچ پرکھنے مین محنت شاقہ اٹھائی ہے۔ طبری ان لوگون مین سے نہین ہے۔ اور نہ ہی اسنے اپنی تاریخ یا تفسیر مین جھوٹ اور سچ کو الگ کرنیکی کوئی کوشش کی ہے بلکہ ہر ایک روایت کو جو اسے ملگئی بلا تنقید درج کر دیا ہے اسلیئے کسی روایت کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کو دیکھنے کیلیئے ہمین محدثین کیطرف رجوع کرنا چاہیئے طبری نے جو روایت لی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسقدر سادگی سے بلا تحقیق اُسنے اس قصے کو درج کر دیا ہے۔ یہ قصہ دو بار طبری مین مذکور ہے اور روایت لفظی مین دونو روایتون مین تھوڑا سا اختلاف ہے راوی دونون صورتون مین ایک ہی بیان کئے گئے ہین۔ طبری محمد بن عمر سے وہ عبد اللہ بن عامر اسلمی سے اور وہ محمد بن یحییٰ بن حبان سے اس روایت کا ذکر کرتا ہے طبری جو ایک چوتھی صدی کا مورخ ہے صرف تین واسطے بذریعہ ایک روایت کو آنحضرت تک پہونچاتا ہے اور اُسکی روایت ...... اسی سے مشکوک ہو جاتی ہے اب ہم ہر سہ راویونکو علیحدہ علیحدہ لیتے ہین اخیر جس شخص تک روایت پہونچائی جاتی ہے وہ محمد بن یحییٰ بن حبان ہے لیکن چونکہ وہ صحابہ مین سے نہین اسلیئے ایک ایسے قصے کو جو اسکے سامنے نہین ہوا صرف اسی کی سند پر کوئی وقعت نہین دیجا سکتی یہ روایت کسی صحابی تک نہین پہنچتی اور اسلیئے ہم اسے رد کرنے پر مجبور ہین یہ محمد ۱۲۱ھ مین فوت ہوا۔ محمد سے عبد اللہ بن عامر اسلمی روایت کرتا ہے جو ۱۵۰ھ مین مرا اور اسکو اسماء الرجال کی کتابون مین احد من الضعفاء لکھا ہے اسلیئے اسکی روایت بھی قابل اعتبار نہین رہتی۔ علاوہ ازین انھین کتابون مین یہی بیان کیا گیا ہے کہ وہ محمد بن یحییٰ سے کوئی روایت نہین کرتا اور نہ ہی محمد بن عمر اس سے کچھ روایت کرتا ہے اس لیئے اس کی

روایت محمد بن یحییٰ سے اور اس سے محمد بن عمر کی روایت محدثین کے نزدیک بالکل ناقابل اعتبار ہے محمد بن عمر کی نسبت جس سے طبری کو روایت پہونچی ہے ابھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسکا پورا پتہ نہیں دیا گیا۔ علاوہ ازین یہ روایت طبری نے صرف ایک ہی ذریعہ سے پہنچائی ہے حالانکہ محدثین کے نزدیک اعلیٰ درجہ کی صحت روایت کیلئے ضروری ہے کہ وہ مختلف ذریعوں سے مختلف آدمیوں کو پہونچی ہو جس سے جھوٹ یا سازش کا شک جاتا رہے اسلیئے ایک ایسی روایت کی بنا پر جو ہر طرح سے جھوٹی ثابت ہوتی ہے آنحضرت پر حملہ کرنا ایمانداری کا کام نہین ہے +

ان سب امور پر غور کرنیسے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس قصہ کی بنا پر پادری مازو نے آنحضرت پر گناہ کا الزام لگایا ہے وہ قصہ ہی جھوٹا ہے۔ اور قرآن شریف ایسے الزام کی تردید کرتا ہے۔

ایک اور پہلو سے غور کرکے ہم اسی نتیجہ پر پہونچتے ہین۔ عرب ایک غیور قوم تھی اور بسبب اپنی شرافت کے احساس کے ان مین غیرت کا مادہ بہت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مچھیے یا دھوبی نہین تھے اور نہ ہی وہ عورتین جنھون نے آپ کی دعوت کو قبول کیا تھا کنجریان تھین بلکہ کیا مرد اور کیا عورت سب باغیرت اور پاکدامنی کی قدر کرنیوالے تھے۔ ایک موقعہ پر جب آنحضرت اپنی کسی بیوی کے ہمراہ جا رہے تھے تو دو آدمی پاس سے گذرے آپ نے اسیوقت انکو بلاکر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے۔ یہ اسلیئے نہین تھا کہ ان گذرنیوالے کے دلونمین آپ کی نسبت کوئی شک پیدا ہوا تھا بلکہ آپکی غیرت یہ نہین چاہتی تھی کہ امکانی طور پر بھی آپ کے صحابہ میں سے کسی کے دل مین کوئی شک پیدا ہو اور اسی کامل عصمت اور پاکدامنی کے لحاظ سے جو آپکو حاصل تھی۔ آپ نے یہ فرمایا اس جگہ یسوع مین اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مین ایک بین فرق ہے انجیلون مین ایک قصہ لکھا ہے کہ ایک موقعہ پر یسوع ایک کنجری کے ساتھ ایک ایسے مقام پر پایا گیا جہان اور کوئی انسان نہ تھا۔ اب اس باریک فرق پر غور کرو کہ آنحضرت اپنی بیوی کے ساتھ جارہے تھے لیکن پھر بھی

آپنے اسے ضروری سمجھا کہ اس پاک و نازک تعلق کے مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کیلئے جو آپکے مریدوں اور آپکے درمیان تھا کسی کو امکانی طور پر بھی شک کی گنجایش نہیں ہونی چاہئیے برعکس اس کے یسوع باوجود اسکے کہ شادی بھی نہوئی ہوئی تھی اور انجیلوں کے بیان کے مطابق شراب کے استعمال سے بھی پرہیز نہ کرتا تھا ایک مشہور بُرے چال چلن کی عورت کیساتھ اکیلا گفتگو کرتا ہوا پایا گیا لیکن اسنے کچھ بھی خیال نہ کیا کہ ان لوگوں کے دلوں میں جنہوں نے اسے اس حالت میں دیکھا ہوگا کیا خیالات گذرے ہونگے حالانکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اسکے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ہی جاتے تھے اسقدر محتاط ثابت ہوے۔ ایک ایسے غیور آدمی کی نسبت جو اپنی عصمت کی حفاظت میں ہر وقت محتاط رہے۔ ایسے الزام کا لگانا جیسا کہ زینب کے معاملے میں آنحضرت پر لگایا گیا ہے پادریوں کی شرارت ہے۔ انہیں واقعات سے یہ بھی پتہ ملتا ہے کہ آپکے صحابہ کو کیوں آپکی کامل راستبازی پر پورا یقین تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اس کی راہ میں اپنی جانیں قربان کرنیکو کچھ بھی مشکل نہ سمجھتے تھے لیکن برخلاف اسکے یسوع کے مریدوں کو ایسا موقعہ ہی نہیں ملا کہ وہ اس کی کامل راستبازی پر پورا یقین حاصل کریں اور اسی لئے جب ذرا سی تکلیف یسوع کو پہونچی تو بعض نے اسے پکڑوا دیا بعض نے لعنت بھیجی اور باقی سب بھاگ گئے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو کامل یقین صحابہ کو آنحضرت کی راستبازی کی نسبت تھا۔ اس کا عشر عشیر بھی یسوع کے مریدوں کو یسوع کی نسبت حاصل نہیں ہوا کیونکہ بکثرت واقعات جنکا ذکر انجیل میں موجود ہے انکی ایمانی کمزوری کی وجہ سے تھے۔ یہاں ہم پادری صاحبان سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہی واقعات جو یسوع کی نسبت انجیلوں میں لکھے ہیں کسی اور نبی کی نسبت ہوتے تو اُسکے حق میں وہ کیا کیا عیب جوئی کرتے۔ اسکا جواب دیتے وقت ناظرین کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ یسوع کے ہمعصروں کی رائے یسوع کی نسبت کیا تھی اور اس آیت کا بھی مطالعہ کرنا چاہئیے جہاں انجیل میں لکھا ہے۔ یسوع کو معاصرین شرابی کھانیوالا یعنی کھاؤ پیو کا دوست کہتے تھے۔

دوسرا موقعہ جہان پادری مانرو کے نزدیک آنحضرت کا کوئی گناہ بیان کیا گیا ہے ۔ آیت ذیل ہی اِنَّآ اَنزَلنَآ اِلَيكَ الكِتٰبَ بِالحَقِّ لِتَحكُمَ بَينَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُن لِّلخَآئِنِينَ خَصِيمًا ۝ (سورہ نساء) ہمنے یہ کتاب حق کے ساتھ تیری طرف اتاری ہی تاکہ لوگون کے درمیان اس طرح فیصلہ کرے جس طرح خدا تجھے دکھاتا ہے اور دغابازون کیطرف سے جھگڑنیوالا کبھی مت ہو ۔ شاید ناظرین حیران ہون کہ پادری مانرو اسی آیت سے آنحضرت کا کوئی گناہ ثابت کرنا چاہتے تھے مگر یہان کسی گناہ کا ذکر نہین ۔ پادری صاحب کی دلیل یہ ہی کہ چونکہ آنحضرت کو کہا گیا ہی کہ دغابازونکی طرف سے جھگڑنے والے مت ہو اس لئے ضرور ہی کہ پیغمبر صاحب کسی دغاباز کیلئے جھگڑے ہون مگر ایسی دلیل پادری مانرو کی بے سمجھی ظاہر کرتی ہی جب خدا تعالے کسی نبی کو کوئی حکم دیتا تو اس سے منشا یہ نہین ہوتا کہ وہ اسکی خلاف ورزی کرچکا ہی شاید اس بیہودگی کو پادری صاحب دوبارہ غور کرکے خود ہی سمجھ لین پادری مانرو نے اپنے نزدیک کوئی "فاضل مفسر" بھی مانا ہوا ہی جسکے پیچھے وہ بلا تحقیق چلتا ہے اور قرآن کے الفاظ پر کبھی غور نہین کرتا اگر ان فاضل مفسرین نے جنکا حوالہ پادری مانرو دیتا ہے اپنی رائے بیان کی ہی تو جبتک اسکی معقولیت قرآن کے الفاظ سے نہ دکھائی جاوے وہ قابل تسلیم نہین ہوسکتی اور اگر وہ کسی روایت کی نقل کرتے ہین تو روایت کا صدق وکذب زیر بحث ہوگا آیت مذکورہ بالا کی شان نزول کے متعلق ایک قصہ مختلف پیرایونمین بیان کیا گیا ہے اور اگرچہ انمین سے کوئی روایت بھی حدیث کے اعلے درجہ کی صحیح طبقے مین سے نہین ہی لیکن وہ روایت جسکو کسیقدر تسلیم کیا جاسکتا ہی وہی ہے جسے جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لباب النقول فی اسباب النزول مین بیان کیا ہی اور وہ اس طرح ہے ۔ "ترمذی اور حاکم وغیرہما نے قتادہ بن نعمان سے روایت کی ہی کہ ہم مین سے کچھ لوگ تھے جن کو بنو ابیرق کہتے تھے بشر بشیر مبشر ۔ اور بشیر ایک منافق آدمی تھا جو صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ہجو کیا کرتا تھا اور پھر ان شعرون کو دوسرون کیطرف منسوب کر دیتا تھا اور یہ لوگ اس قدر حاجتمند
تھے کہ جاہلیت مین اور اسلام مین فاقہ تک نوبت پہنچی ہوتی تھی اور لوگون کا کھانا مدینہ مین کھجورین اور
جو تھے۔ میرے چچا رفاعہ نے ایک بوجھ درمک کا خرید اور اسکو ایک مکان مین رکھ دیا جہان اُنکے
سلاح اور تلوار وغیرہ بھی تھے اس مکانمین نقب لگی اور طعام و سلاح دونو چرا لیے گئے صبح
کو میرا چچا آیا اور کہا کہ ہمارے مکان مین نقب لگی ہے اور ہمارا طعام اور سلاح دونو چوری چلے گئے
ہین پس ہمنے گھر مین تلاش شروع کی اور پوچھنے لگے تو ہمکو کہا گیا کہ رات کو بنو ابیرق آگ جلاتے دیکھے گئے
ہین اور ہمارا خیال ہے کہ وہ تمہارا ہی طعام تھا۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمارے خیال مین چور لبید بن سہل
ہے اور یہ شخص ہم مین سے تھا جسکے متعلق صلاحیت اور اسلام بیان کیا جاتا تھا جب لبید نے
سُنا تو اُسنے تلوار کھینچ لی کہ مین اور چوری کرون۔ خدا کی قسم مین تمکو تلوار سے ہلاک کر دونگا ورنہ اس چوری
کھولو۔ بنو ابیرق نے کہا کہ ہمپر حملہ مت کرو ہم تمکو چور نہین کہتے پھر ہم گھر مین پوچھنے لگے۔ یہان
تک کہ ہمین کوئی شک باقی نہ رہا کہ بنو ابیرق نے ہی یہ کام کیا ہے میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور آپکے پاس یہ ذکر کرو سو مین آنحضرت کے پاس گیا اور عرض کیا
کہ اس طرح سے ہم مین سے کچھ اہل بیت ہین جنھون نے میرے چچا کے مکان مین نقب لگا کر طعام اور ہتھیار
نکال لئے ہین طعام کی تو اب ہمین حاجت نہین لیکن ہمارے ہتھیار ہمین واپس دیدین آپنے فرمایا
کہ مین غور کرونگا جب بنو ابیرق نے یہ سُنا تو ایک آدمی کے پاس آئے جسکو اسیر بن عروہ کہتے
تھے اور اس معاملہ مین اسکے ساتھ گفتگو کی پس چند آدمی اس مکان کے رہنے والونمین سے جمع
ہو گئے اور کہا کہ یا رسول اللہ قتادہ بن نعمان اور اسکا چچا ہم مین سے چند آدمیونکو جو اہل اصلاح اور مسلمان
ہین چوری کا الزام لگاتے ہین اور انکے پاس کوئی دلیل یا ثبوت اس امر کا نہین ہے قتادہ کہتا ہے
پھر مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا تو آپنے فرمایا کہ کیا تو ان لوگونپر جنکو اہل اصلاح

اور مسلمان کہا جاتا ہے بغیر دلیل اور ثبوت کے چوری کا الزام لگاتا ہے مین واپس آیا اور اپنے چچا کو خبر دی اسنے کہا اللہ ہی مددگار ہوا ابھی عرصہ نہ گذرا تھا کہ قرآن شریف کی یہ آیت نازل ہوئی "انا انزلنا الیک الکتاب الآیہ" +

اب اس تمام قصہ مین سے پادری مانرو کو چاہئے کہ وہ الفاظ پیش کرے جہان رسول خدا کے کسی گناہ کا ذکر ہے جو کچھ آنحضرت صلعم نے کیا واقعات کے ماتحت وہ بالکل حق تھا قتادہ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہین کی اور نہ ہی وہ اپنے دعوے کو ثابت کرسکا کیونکہ جب آنحضرت نے اس سے ثبوت مانگا تو وہ خاموش ہوکر چلا گیا اور اسکے چچا نے بھی تہمت اور شہادت ضروری سے مایوس ہوکر یہی کہا کہ اللہ ہی ہماری مدد کرے گا بحیثیت ایک جج کے آنحضرت قتادہ کا دعوے خارج کرتے مین بالکل حق پر تھے کیونکہ اسنے کوئی شہادت پیش نہین کی اور جج کسی مقدمہ کا فیصلہ صرف شہادت کے رو سے ہی کرسکتا ہے اور اگر اسکے سامنے کوئی شہادت نہو تو وہ دعوے کو خارج کرتے مین انصاف اور حق کی کارروائی کرتا ہو اگر درحقیقت ایسا فیصلہ ٹھیک نہو تو جج قابل الزام نہین بلکہ نقص کرنے والا قابل الزام ہوگا کیونکہ اسنے ضروری شہادت پیش نہین کی اسلئے اگر آنحضرت کا ارادہ قتادہ کے خلاف فیصلہ کرنیکا تھا بھی تو بھی آنحضرت پر اسمین کوئی الزام نہین آسکتا یہ کسقدر بیوقوفی ہو کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ ثبوت لے نہو نیکی وجہ سے آنحضرت ایک دعوے کو خارج کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ گنہگار ہین۔ کیا کہین آپ کو خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ جس دعوے کی شہادت مدعی پیش نہ کرے اسکا فیصلہ مدعی کے حق مین دینا چاہئے انبیا پر نکتہ چینی کی عادت نے پادری مانرو کو اس بیہودگی کیلئے مجبور کیا ہے ۔ ۔ ۔ سے نکالنے و پہلے نفس اسباب کو سوچ لیتا +

اگر آنحضرت قتادہ کے خلاف فیصلہ کر بھی دیتے تو وہ بالکل حق بجانب ہوتے کیونکہ جج کا کام صرف شہادت پیش کردہ پر غور کرنا ہے لیکن وہ ۔ ۔ ۔ نے فی الفور آپکو اطلاع دیدی کہ اگرچہ مدعی کے پاس

ثبوت کوئی نہین لیکن تفسیر وہی ہے اسلئے آپنے اسی کے مطابق فیصلہ دیا جو اللہ تعالےٰ نے آپکو دکھایا تھا اور آپ دغابازون کے طرفدار کبھی نہین بنے نہ کبھی ایسا ارادہ کیا بلکہ یہ الفاظ کہ لا تکن للخائنین خصیما آنحضرت کے دل کے اصلی حالت سے آگاہ کرتے ہین کہ وہ پاک دل کبھی دغابازون کا طرفدار ہو ہی نہین سکتا۔ اس طرح آیت مذکورہ بالا آنحضرت کے منہ مین یون ہوگی کہ خدا نے مجھ پر حق کے ساتھ یہ کتاب اتاری ہے تاکہ لوگون کے درمیان مین اسی طرح فیصلہ کرون جسطرح اللہ تعالےٰ نے مجھے دکھائے اور مین کبھی بھی دغابازون کا طرفدار نہین ہون گا ایک سمجھدار آدمی پادری اس پر تعجب کرے گا کہ کہان سے گناہ کا نتیجہ نکالا ہے +

پادری مانزو کا ایک خط بنام ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز اور اسپر ریویو

" جناب ایڈیٹر صاحب مجھے ریویو آف ریلیجنز کا جولائی نمبر پہونچا اور مین نے دیکھا ہے کہ اسکے چالیس صفحون سے تیس صفحہ پر میرے ایک رسالے پر ریویو ہے۔ عرض یہ ہے کہ یہ رسالہ کوئی نئی تصنیف نہین ہے جیسا کہ ریویو کی تمہیدی ریمارکس سے شک گذرتا ہے بلکہ محض اس خط و کتابت کو جو جنوری ۱۹۰۳ء سے چند ماہ پہلے اپی فینی مین چھپتی رہی تھی دوبارہ ایک رسالے کی صورت مین کسیقدر نئے نوٹون کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اور ان چٹھیون کی جب وہ اخبار مذکور مین چھپتی تھین مرزا صاحب کو بخوبی اطلاع تھی اس خط و کتابت کے بعض حصون پر بحث کرتے ہوئے جو بیانات میگزین مین کئے گئے ہین مین انکی تردید کرنیکو بالکل تیار ہون اگر مرزا صاحب میرے لئے راستہ کھولدین۔ اپی فینی مین اس خط و کتابت کا سلسلہ اسلئے بند ہو گیا تھا جیسا کہ مرزا صاحب کو بخوبی علم ہونا چاہیے کہ مرزا صاحب نے اپنے اس دعوے کی تائید مین کہ قرآن شریف مین ذنب انسانی کمزوری کے معنون مین آیا ہے۔ کوئی قرآن شریف کی آیت پیش نہین کی۔ یہی نقص قرآن شریف کی آیت کو پیش نکرنے کا جون کے ریویو

میں ظاہر ہے جب اِس جائز درخواست کو کہ قرآن شریف کی ایسی آیت پیش ہونی چاہیئے پورا کر دیا جاویگا تو اسوقت مرزا صاحب کو یہ کہنے کا حق ہوگا۔ کہ اُنھون نے اخرکار اور بہت توقف کے بعد اِس خط وکتابت کی بڑی تنقیح کو طے کر دیا ہے جبتک یہ نہ کیا جاوے تو دوسرے امور پر لکھنے سے خواہ وہ تحریرین کتنی ہی لمبی کیون نہون یا مر واقع چھپ نہین سکتا کہ ضروری تنقیح کو مرزا صاحب جان بوجھکر ٹالتے ہین۔ اِن حالات کے ماتحت انھین مجھسے یا امید نہین کرنی چاہیئے کہ مین بحث کو دوسرے کسی پہلو پر غور کرون اور نہ ہی اپنی فیملی کے ایڈیٹر سے کبھی یہ امید رکھنی چاہیئے کہ وہ اس خط وکتابت کو پھر کھولے گا بڑی تنقیح جیسا کہ مین کہہ چکا ہون وہ یہ ہے کہ قرآن مین جو لفظ ذنب ۳۷ مقام پر آیا ہے جیسا کہ پادری اپسن نے بیان کیا ہے انھین سے کونسے مقام کو مرزا صاحب اپنی رائے کی تائید مین پیش کرتے ہین ابتک اُس قسم کی کوئی آیت پیش کرنے سے حالانکہ بار بار اُنسے مطالبہ کیا گیا ہے مرزا صاحب کا مقدمہ خارج ہو چکا ہے اور اب اُس کی دوبارہ سماعت اُسی صورت مین ہو سکتی ہے کہ وہ اُس نقص کو دور کردین جسکی وجہ سے ان کا مقدمہ خارج کیا گیا ہے۔"

آپ کا تابعدار جیمس **مانرو**

مانرو صاحب کا یہ خیال ہے کہ اب عصمت کے مضمون پر قلم اٹھانے سے ہم روکے گئے ہین جب تک کہ پادری صاحب بحیثیت جج یہ فیصلہ نہ دین کہ ہمنے ذنب کے معنے درست کئے ہین لیکن یہ اُنکی غلطی ہے ان کا یہ عذر کہ یہ رسالہ نئی تصنیف نہین ہے قابل سماعت نہین کیونکہ بہرحال پبلک کے سامنے یہ نئی صورت مین پیش ہوا ہے اور ہمین حق حاصل ہے کہ اسپر ریویو کرین۔ پادری صاحب نے معلوم ہوتا ہے اتنی تکلیف نہین اٹھائی کہ عصمت پر جو مضمون ہے اس تیس صفحے کے مضمون کو پڑھ بھی لیتے جسکا وہ حوالہ دیتے ہین کہ جولائی کی میگزین مین انھون نے دیکھا ہے اگرچہ باوجود اس لاعلمی کے بھی کہ ہمنے اس مضمون مین کیا لکھا ہے پادری صاحب لکھتے ہین کہ مین "اُسکی تردید کیلئے بالکل تیار ہون۔" حالانکہ مضمون کو پڑھا ایک دفعہ بھی نہین شاید پادری صاحب کے نزدیک نیک نیتی سے اور ایمانداری سے مباحثہ کرنا اسی کا نام ہے

لیکن اگر وہ ہمارے اس مضمون کو پڑھ لیتے تو انہیں یہ خط لکھنے کی حاجت نہوتی کیونکہ ہمنے تمہید مین لکھدیا تھا کہ ہم انبیاء کے ان افعال پر جن کو گناہ کہا جاتا ہے بحث کرنے کے بعد اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر بھی غور کرینگے جن مین لفظ ذنب پر بحث بھی ہوگی - دیکھو صفحہ ۲۵۵ - سطر ۹ - ۱۰ - ۱۱

پادری مانرو صاحب مباحثہ مین حیلون کو خوب کام لاتے ہین اور اظہار حق ہرگز نہین چاہتے جب مفتی محمد صادق صاحب نے ۲۲ - اگست ۱۹۰۳ء کے اپی فینی مین خط لکھا تھا جس مین انھون نے ریویو آف ریلیجنز کی بنا پر تین وجوہات کئے تھے کہ ذنب کے معنے کلام اللہ کی ان آیات مین جہان انبیاء کے ذنب کا ذکر ہے صرف انسانی کمزوری ہین تو پادری مانرو نے اسوقت یہ جواب دیا تھا کہ چونکہ قرآن شریف مین انبیاء کیطرف ایسے افعال منسوب کئے گئے ہین جو گناہ کے مفہوم مین آتے ہین اس لئے ذنب کے یہ معنے انبیاء کے متعلق نہین لئے جا سکتے لیکن اب جب ہمنے یہ ثابت کیا کہ قرآن شریف مین کسی نبی کے کسی گناہ کا ذکر نہین ہے تو پادری صاحب کہتے ہین کہ یہ باتین ہی غیر متعلق ہین اور وہ اس طرف توجہ نہین کر سکتے - تعجب ہے کہ ایک طرف تو ذنب کے معنون کی تردید مین کس زور و شور سے اس بحث کو پیش کیا - کہ انبیاء کے گناہون کا ذکر قرآن شریف مین ہے اور جب اس باطل خیال کی تردید کیگئی تو جواب یہ دیتے ہین کہ یہ غیر متعلق باتین ہین پادری صاحب کیون عمداً پبلک کو دہوکے دیتے ہین اگر وہ اپنے آپ کو اس الزام سے بری سمجھتے ہین تو پھر وہ دوسری مثل ان پر صادق آئے گی کہ دروغگو را حافظہ نباشد - ۱۳ - ستمبر ۱۹۰۳ء کے اپی فینی مین پادری صاحب نے یہ مضمون چھپوایا تھا جو بیان کے رسالہ مین پھر چھپا ہے جس کو ہم شبہ کے دور کرنے کے لئے ان کے اپنے الفاظ مین یہان نقل کرتے ہین +

"قرآن شریف مین یہ لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدم نے خدا کی نافرمانی کی اور ممنوع پھل کھایا پھر اسی سورۃ اعراف مین لکھا ہے کہ کس طرح حضرت آدم شرک جیسے سخت گناہ کے مرتکب ہوئے

آدم کے ان افعال کا جن کا ذکر قرآن شریف مین ہی مفتی صاحب کیا نام رکھتے ہین کیا ان دونون فعلون مین سی ہر ایک فعل گناہ تھا یا انسانی کمزوری جو صرف فطرت انسان مین ہی ایسا ہی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین دفعہ جھوٹ بولا۔ کیا یہ جھوٹ گناہ تھی یا صرف انسانی کمزوری حضرت موسیٰ کی نسبت سورہ قصص مین یہ ذکر ہے کہ اسنے ناحق ایک خون کیا۔ کیا مفتی صاحب کی رائے مین یہ گناہ تھا یا انسانی کمزوری پھر سورہ اعراف مین مفصل ذکر ہے کہ کیونکہ ہارون نے اسرائیلیون کو گوسالہ پرستی مین مدد دی اور ترغیب دی کیا مفتی محمد صادق صاحب کے نزدیک ہارون کا یہ فعل گناہ تھا یا نہین۔ مین اس فہرست کو بہت لمبا کرسکتا ہون اور حضرت نوح ع۔ یونس۔ داؤد۔ وغیرہ علیہم السلام کے گناہ قرآن کریم مین دکھا سکتا ہون۔ لیکن بالفعل اسی قدر کافی ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کسقدر اصرار کے ساتھ مانرو یہ مطالبہ کرتا ہی اور اس فیصلہ کو کہ انبیاء کے یہ فعل گناہ تھے یا نہین۔ ذنب کے معنون کے تصفیہ کیلیئے کس قدر ضروری سمجھتا ہے لیکن جب اصل حقیقت ان باتون کی پیش کی گئی تو کس چالاکی سے وہ ہمین خط لکھتا ہی کہ ان باتون کی اسے کچھ ضرورت نہین پہلے تو سوال پر سوال کرتا جاتا ہے کہ فلان نبی کے فلان فعل کا جس کا ذکر قرآن شریف مین ہے کیا نام رکھنا چاہیئے اور جب جواب دیا جاتا ہے تو کس دلیری سے وہ الٹا الزام ہمکو دیتا ہے کہ ہم تنقیح طلب کو ٹال رہے ہین اصل بات یہ ہے کہ پادری صاحب کو اپنے مطلب کے لئے کوئی ٹیڑھا رستہ اختیار کرنے مین کسی قسم کی شرم یا پرہیز نہین ہے۔ ایسے شخص کو کس طرح یقین دلایا جا سکتا ہے کہ انبیاء واقعی معصوم تھے۔ جبتک کہ پہلے اسے اس بڑے دھوکے سے نہ نکالا جاوے جو وہ سمجھتا ہے کہ یسوع مسیح آسمان پر چڑھ گیا تھا۔ اور جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ یہ اس کا فرضی خدا مٹی کے نیچے پڑا ہے۔ ہان سری نگر کی مقدس خاک مین لیٹا ہوا ہے۔ پادری صاحب کا ہمارا ایک اور سوال بھی ہی کہ کیا استغفار کے ان معنون کو جو ہم نے کئے ہین وہ صحیح تسلیم کرتے ہین یا نہین یعنی

یہ کہ استغفار صرف گناہون کی معافی مانگنے کا نام ہی نہین ہے بلکہ گناہ سے حفاظت طلب کرنا بھی اس کا اعلےٰ اور اہم مفہوم ہے اس کا ثبوت ہم بارہا پیش کر چکے ہین اور دکھا چکے ہین کہ جنتی جنت مین داخل ہونے کے بعد بھی ہمیشہ استغفار کرتے رہین گے۔ ہم امید کرتے ہین کہ پادری صاحب اس کا جواب دیکر ہمین ممنون کرینگے ✦

پادری مانزو کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ مسیح موعود کبھی کسی مباحثہ مین اسکے فریق ثانی نہین بنے اس کا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب کو ایپی فینی کے سارے مضامین سے بخوبی اطلاع تھی یا یہ کہ جو بحث پادری صاحب نے شروع کی تھی اسکے بند ہونے کا ان کو علم تھا سیاہ جھوٹ ہے حضرت مسیح موعود کیطرف سے ایک مفصل مضمون عصمت انبیاء پر مئی ۱۹۰۲ء کے ریویو مین چھپا تھا اور پادری اب تک اسکے جواب مین خاموش ہین۔ پادری مانزو نے بہت ساری دلیلون مین سے صرف ایک دلیل کو پکڑا یعنی ذنب کے معنو پر بحث شروع کی لیکن حضرت مسیح موعود کے مضمون مین یہ بحث صرف دو صفحون مین منجملہ ۴۵ صفحون کے درج تھی اور جب تک پادری مانزو حضرت مسیح موعود کے مضمون کے اصلی اور بڑے حصہ پر بحث نکرین اور یا صاف لفظون مین یہ اقرار نکرین کہ مجھے اس سارے مضمون پر کوئی اعتراض نہین۔ حضرت مسیح موعود کا یہ فرض نہین ہے کہ وہ پادری صاحب کے لغو اور پوچ اعتراضون کا جواب دین۔ پادری صاحب کو اس سارے مضمون کو ایک مضمون سمجھکر معرض بحث مین لانا چاہئیے اور یا تو وہ کل دلائل پر بحث کرین اور یا صاف صاف کہدین کہ اس حصہ کے سوائے جہان ذنب کا ذکر ہے مضمون کے باقی حصہ پر انھین کوئی اعتراض نہین کیا یہ ایمانداری ہے کہ ایک بڑی چھوٹی سی بات کو لے کر پبلک کو دہوکہ دیا جاوے اور باقی کل کے کل دلائل کا اخفا کیا جاوے کیا پادری مانزو نے ان تمام دلائل پر جو حضرت مسیح موعود نے پیش کئے تھے غور کیا ہے اور اگر نہین تو کیا اس کو یہ کہتے ہوئے شرم نہین آتی کہ مینے مسیح موعود کے دلائل کو توڑ دیا ہے۔ علاوہ برین ہم

ایک شہادت کا وزن تو بحیثیت مجموعی جانچا جا سکتا ہے نہ یہ کہ ایک غیر مستقل ٹکڑے کو لے کر باقی کو علیحدہ کر دیا جائے گویا کہ اس حصہ کا باقی بحث سے کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ یہ مضمون عصمت انبیاء کے اثبات مین لکھا گیا تھا اور منجملہ بہت سارے دلائل کے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ ذنب کے معنے انسانی کمزوری بھی ہین۔ کل گیارہ عنوانون مین یہ مضمون تقسیم ہوا تھا یعنی ۱۔ نجات اور شفاعت ۔ ۲ عصمت اور شفاعت مین تعلق۔ ۳۔ قرآن شریف سے ثبوت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انسان کامل تھے۔ ۴۔ استغفار۔ ۵۔ ذنب اور جرم مین فرق۔ ۶۔ شفاعت کی ضرورت۔ ۷۔ قرآن شریف سے آنحضرت کی شفاعت کا ثبوت۔ ۸۔ عیسائیون کا خدا۔ ۹۔ ثبوت قرآن شریف سے کہ آنحضرت کے قول وفعل خدا کیطرف سے تھے۔ ۱۰۔ مسیح موعود کا آنا۔ ۱۱۔ عصمت کے مسئلہ کا اخیری فیصلہ ✣

ان مین سے پادری مانرو کا اعتراض صرف پانچوین عنوان پر ہے لیکن اس اعتراض مین بھی وہ ایمانداری سے کام نہین لیتا حضرت مسیح موعود نے تو ذنب اور جرم مین فرق دکھایا تھا مگر اب مانرو اسپر بحث کرتا ہوا یہ کہتا ہے کہ ہم جرم کے معنون پر کوئی غور نہین کرینگے جب تک ذنب کے معنون کا فیصلہ نہو جائے۔ قرآن شریف لغت کی کتاب تو ہے نہین کہ اُس سے ذنب کے معنے نکالکر پادری صاحب کی تسلی کر دیجاوے بلکہ اس امر کا کہ قرآن شریف نے کسی لفظ کو کن معنون مین استعمال کیا ہے۔ فیصلہ اسی طرح ہو سکتا ہے کہ قریب المعنی الفاظ کے استعمال۔ سیاق وسباق یا قرآن شریف کے عام مفہوم پر غور کیا جاوے۔ چنانچہ عصمت انبیاء کو ثابت کرتے ہوئے انہین اصولون پر حضرت مسیح موعود نے ذنب اور جرم کے درمیان فرق دکھایا تھا۔ لیکن پادری مانرو سیدھا طریق کبھی اختیار نہین کرتا وہ ہمیشہ حیلون سے کام نکالنا چاہتا ہے۔ اور بڑی دلیری سے ان کو کام مین لاتا ہے ستمبر کے ریویو کے پرچہ مین ہمنے ذنب کے معنے ثابت کرنیکے لئے چار امور ثابت کئے تھے لیکن پادری

مانزہ کو نہ تو یہ جرأت ہوئی کہ اس مضمون کو اپنے رسالے مین درج کرین اور نہ ہی اسکی تردید کی ان مین طاقت تھی۔ اور اسلیئے انھون نے مصلحت یہی سمجھی کہ اس مضمون کا کہین ذکر تک بھی نکرین۔ یہ چار امور حسب ذیل ہین +

(۱) لفظ ذنب قرآن شریف مین قریباً چالیس دفعہ استعمال ہوا ہے حالانکہ جرم۔ اثم فسق قریباً دو سو دفعہ استعمال ہوئے ہین +

(۲) باوجودیکہ الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق بمقابلہ ذنب کے اس کثرت سے استعمال ہوئے ہین لیکن انمین سے کبھی بھی کوئی لفظ انبیاء کے حق مین نہین بولا گیا +

(۳) الفاظ جرم۔ اثم۔ فسق کے متعلق قرآن شریف نے صاف صاف بیان کر دیا ہے کہ یہ افعال خدا کے حکم کی نافرمانیان ہین جنپر خدا تعالے کیطرف سے سزا کا وعید ہے اور ان کے کرنیوالون کیلئے جہنم مقرر کیا گیا ہے +

(۴) ذنب کی ایسی تعریف قرآن شریف مین کہین نہین کی گئی اور نہ ہی ہر ایک ذنب کیلئے دوزخ کی سزا مقرر کی گئی ہے +

نہ پادری مانزو نے اور نہ ہی اسکے کسی دوست نے ان چار امور مین سے ایک کو بھی غلط ثابت کر کے دکھایا۔ پادری اپسن مانزو کے فاضل مصری دوست نے جو بیوقوفی کی ہے اُسپر ہر ایک شخص جسکو عربی زبان سے کچھ بھی واقفیت ہے ہنسے گا۔ پادری مانزو حضرت مسیح موعود کو اپنا فریق مخالف تجویز کرنے مین اپنے پایہ سے بڑھکر جرأت کرتا ہے اسے شاید ابھی اتنا تجربہ نہین ہوا ہے جیسا لاہور کے فاضل بشپ کو جنے ایسے مقابلے سے گریز کی تھی پادری صاحب کو بشپ صاحب سے سبق حاصل کرنا چاہیے تھا شاید مانزو کو یہ خیال ہو کہ بشپ صاحب کو وہ بحث کے حیلے یاد نہ تھے جن مین پادری صاحب مشاق ہین مگر اغلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بشپ صاحب نے سمجھ لیا ہوگا کہ ایسے مباحثہ مین جہان

دونون فریق برابری کی حیثیت مین ہونگے ایسے حیلے کام نہ دیسکینگے۔ کیونکہ اتنا تو ہم جانتے ہین کہ عرصہ دراز تک بتیب صاحب پادری کا کام کرتے رہے ہین۔ اور اسلیئے وہ ان سب باتون سے واقف ہین ایسے حیلے سرف اپنی فینی کے اخبار مین یا الگ رسالے شائع کرنے مین کام آسکتے ہین +

اب صرف ہمین چند لفظ پادری مانرو کے اس فیصلہ کے متعلق کہنے ہین جو اسنے کیا ہے فیصلا اس کا یہ ہے کہ مرزا صاحب کا مقدمہ بہ سبب شہادت کے نہونے کے خارج کیا گیا ہے۔ حالانکہ نہ تو اس نے خود حضرت مسیح موعود کی کسی دلیل کا جو عصمت انبیاء پر آپنے تحریر فرمائی ہین جواب دیا ہے اور نہ ریویو آف ریلیجنز کے ان دلائل کا جواب دیا ہے جو دونکے مضمون کے متعلق اس مین لکھے گئے تھے۔ یہ تو ہوا لیکن خود پادری صاحب نے یسوع کی عصمت پر جو اناجیل کی بنا پر حملے کئے گئے تھے ان کا آج تک کچھ بھی جواب نہین دیا گویا کہ ان کے کانون مین روئی بھری ہوئی ہے۔ ہر ایک دلیل کے جواب مین وہ محض گونگے کی طرح خاموشی اختیار کرتے ہین۔ کیا بار بار ان کو توجہ نہین دلائی گئی کہ جس حالت مین دوسرے انبیاء کو خدا کے کلام مین متقی۔ صالح۔ راستباز کہا گیا ہے تو یسوع نے نیک کہلانے سے کیون انکار کیا۔ اور پھر علاوہ اس انکار کے اسنے اگر وہ واقعی بے گناہ تھا تو یوحنا کے ہاتھ پر گناہون سے توبہ کر کے بپتسمہ کیون لیا۔ کیا پادری مانرو نے بائیبل کی کسی آیت کا حوالہ دیا ہے۔ جس مین ”مین نیک نہین ہون“ کے معنے ”مین نیک ہون“ لیئے گئے ہون۔ یا وہ گرامر کا کوئی ایسا قاعدہ پیش کرسکتا ہے جسکے روسے ان الفاظ کے معنے کہ ”تو مجھے نیک کیون کہتا ہے“ یہ ہونے چاہیئے کہ ”تجھے چاہیئے کہ مجھے نیک کہے“ یا انگریزی زبان کی کوئی ایسی ڈکشنری پیش کی ہے جس مین لکھا ہو کہ ناٹ گڈ کے معنے نیک ہوتے ہین کیا اسے معلوم نہین کہ یہ اور اسی قسم کے اور سوالات مین مضمون سے برابر اسے پوچھے جارہے ہین اور ان کے جواب مین اس نے اور دوسرے تمام پادریون نے اب تک خاموشی اختیار کر رکھی ہے

دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم ہندوستان مین یسوع کی انجیل کے واعظ اور مفسر ہو کر آئے ہین اور کرتوت یہ کہ بیس ماہ سے ایک سوال کا جواب بھی نہین دیا۔ کیا پادری مانرو کو حضرت مرزا صاحب کے برخلاف اس عجیب پر کہ اس کے اپنے بیان کے مطابق انھون نے اسکے ایک سوال کا جواب پانچ ماہ تک نہین دیا۔ یہ فیصلہ دیتے ہوئے کہ عدم ثبوت کیوجہ سے ان کا مقدمہ خارج ہے شرم نہ آئی جب وہ خود بیس ماہ سے ہمارے متواتر سوالون کے جواب مین خاموش ہو رہا ہے۔ کیا یہی سچائی ہے جو اس نے انجیل سے سیکھی ہے کیا یہ طریق کسی ایماندار مباحث کے شایان شان ہے۔ یہ مصرعہ گویا پادری صاحب کیلئے ہی لکھا گیا تھا ؎ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد۔

دعویٰ یسوع کی عصمت کا ہے اور انبیاء کو گالیان دیجاتی ہین لیکن پادری صاحب کی موہوم عصمت یسوع پر انجیل ہی کی بنا پر اعتراض کئے جاتے ہین اور بیس ماہ سے لگاتار سوالون کا سلسلہ چلا آتا ہے تو پادری صاحب اپنی ناکامی اور شکست کو چھپانے کیلئے بڑی جرأت سے یہ کہتے ہین کہ ہمنی مرزا صاحب کا مقدمہ عدم شہادت کے لئے خارج کر دیا ہے قبل اسکے کہ وہ ایسی بیہودگی کرتا اسے چاہئے تھا گھر کو صاف کر لیتا۔ اور ان سوالون کا جواب دے لیتا جو بار بار اس سے پوچھے گئے ہین یا صاف لفظون مین اقرار کرتا کہ ان کا جواب دینے سے وہ عاجز ہے اگر ان دونون راہون مین سے وہ کوئی راہ بھی اختیار نہین کرے گا تو آئندہ ہم اس سے کوئی واسطہ نہین رکھین گے اور نہ اسکی تحریرون پر کوئی غور کرینگے خواہ وہ اپنے فینی مین چھپین یا ہمارے پاس بھیجی جاوین +

مسٹر مانرو نے اپنے دوسرے رسالہ مین جو عصمت انبیاء پر لکھا ہے حضرت مسیح موعود کو گالیان نکالی ہین۔ اور گستاخی۔ الحاد۔ جہالت اور عمداً لوگون کو دھوکا دینے وغیرہ وغیرہ کا الزام دیا ہے غالباً پادری صاحب کی نظر اس انجیلی وعظ پر تھی جس مین لکھا ہے کہ تو کسی کو بیوقوف مت کہہ ورنہ تجھے جہنم مین ڈالا جائے گا اور ان الفاظ مین انھون نے دنیا کو اپنی نیکی کا نمونہ دکھایا ہے

اگر مسیح موعود کی جانب سے اس کو کوئی ذاتی تکلیف و رنج پہنچتا تو اس حالت مین وہ ایسی دشنامہائے ناہنجار کے دینے مین کسی حد تک معذور سمجھا جاتا۔ لیکن مسیح موعود نے اپنے مضامین مین اسکا کوئی حوالہ نہین دیا ہی اور نہ ہی اُس کا نام لیا ہے۔ فی الحال اس سے درگذر کر کے ہم دیکھتے ہین کہ اُسنے اپنے اسی رسالہ کے پہلے صفحہ مین ایک عجیب بات لکھی ہی لیکن جہانتک ہمنے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہے اور پڑھا ہی اُسکی کسی آیت سے یہ امر مفہوم نہین ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہین جو اُسنے پہلے رسالے مین نقل کی ہین اور جن سے باستثنائے یسوع کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و باقی کل پیغمبر صریحاً گنہگار ثابت ہوتے ہین۔ کیا پادری صاحب کلام مجید کی ایک بھی ایسی آیت بتلا سکتے ہین جس مین گنہگار رہا ہے یا نہ ہونیکے بارہ مین یسوع کو دیگر پیغمبرون سے مستثنیٰ رکھا گیا ہو۔ وہ صریحاً قرآن مجید کی ایسی آیتون کا تذکرہ کرتا ہے جن مین باستثنائے یسوع کے باقی پیغمبرونکو صاف گنہگار ثابت کیا گیا ہی اور بحیثیت ایک جنٹلمین ہونیکے اسکا فرض ہے کہ ان آیتون کا پتہ دیوے وہ آیت " مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ " کا حوالہ دیکر ظاہر کرتا ہے کہ تمام باتون مین یہ مقدس پیغمبر دیگر پیغمبرون جیسا ہے اور اگر وہ گنہگار ہین تو یہ پیغمبر بھی اُن سے مستثنیٰ نہین ہی اور خود ہی اسکا یہ ترجمہ کرتا ہے کہ حضرت محمد صلعم ایک رسول سے بڑھکر نہین ہین اور اور رسول ان سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ لیکن جو اسی قسم کی آیت یسوع کی بابت ہی اسکو لکھنا بھول گیا ہی وہ یہ ہے " مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ " اس اور سابقہ آیت مین فرق صرف یہ ہے کہ اس مین بجائے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے المسیح ابن مریم لکھا ہی اور پادری مانرو کے ترجمہ کے مطابق اسکا یہ ترجمہ ہوگا کہ مسیح ابن مریم ایک رسول ہی بڑھکر نہین ہے اور اور رسول اس سے پہلے سب فوت ہو چکے ہین۔ پھر یسوع کی کہان استثناء ہے وہ جو پیغمبر اس سے پہلے گذر چکے ہین

ان سے وہ کوئی الگ اعزاز نہین رکھتا۔ اور اسی طرح پر تمام باتون مین دوسرے رسولون جیسا ہے جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزید آن یہ بھی قابل ذکر ہے کہ یسوع بھی دوسرے پیغمبرون کی طرح وفات پاگیا۔ دوسری دو آیتون سے جنکا تذکرہ پادری صاحب نے کیا ہے صاف ظاہر ہے پہلی آیت مین تو حضرت عیسیٰ اُن پیغمبرون مین شامل ہین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے فوت ہوچکے ہین۔ اور دوسری آیت مین بیان ہوا ہے کہ جو پیغمبر اس سے پہلے وفات پاچکے ہین ان سے وہ کوئی الگ نہین ہے پادری مانزو کو جواب دینے مین شاید کوئی دہوکہ نہ لگے اسلیئے اُنکو پھر متنبہ و آگاہ کرنا ضروری ہے کہ چونکہ صرف متعدد پیغمبرون کے نام قرآن مجید مین لیئے گئے ہین اسواسطے یہ استثنا یسوع کی باقی تمام پیغمبرون کو گنہگار ٹھہرانے کیواسطے یا اسکا فرض ہوگا۔ کہ وہ مقدس کلام مجید سے کوئی آیت اس مضمون کی پیش کرے جس سے وہ نتیجہ نکلے جسکو اُسنے ایسی بیباکی سے پیش کیا ہے۔ اور نیز چونکہ اُسنے کلام مجید کی آیتون کا تذکرہ کیا ہے اسواسطے کوئی حدیث یا کسی تفسیر کا کوئی قول اس غرض کیلئے قابل تسلیم نہین ہوگا۔ پادری صاحب نے اپنے پچھلے رسالہ مین جس کا وہ فقرہ بالا مین حوالہ دیتے ہین صرف مفصلہ ذیل پیغمبرون کو گنہ کا الزام لگایا ہے یعنی حضرت آدم، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت ابراہیم، حضرت ہارون، حضرت نوح، اور ہمارے پیغمبر صلعم۔ کیا وہ کلام مجید کی کوئی ایسی آیت بتلا سکتا ہے۔ جس مین یوحنا جس کا شاگرد یسوع تھا۔ یا شعیب، یا اسحٰق، یا اسمٰعیل، یا الیاس، یا کسی دیگر پیغمبر کے کسی گناہ کے فعل کا ذکر ہوا ہو کیا یہ تمام پیغمبر یسوع کی طرح مستثنیٰ ہین پھر قرآن شریف صاف بیان کرتا ہے کہ اس مین صرف متعدد پیغمبرون کا نام لیا گیا ہے پادری مانزو نے کس دلیل و ثبوت سے اُن پیغمبرونکو جن کا نام قرآن مجید مین نہین تھا گنہگار سمجھا ہے اس کا یہ بیان کہ قرآن شریف مین ایسی آیات ہین جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پیغمبر باستثنائے ابن مریم کے گنہگار تھے بالکل مردود ہے جبتک وہ ایسی آیت پیش نکرے جس سے یہ ثابت ہو۔ اصل بات تو یہ ہے کہ کسی پیغمبر کے

معصوم یا گنہگار ٹھہرانے کے واسطے قرآن مجید سے یہ ثبوت پیش کرنا چاہئے۔ یہ بات کہ قرآن مجید مین ایک بھی آیت نہین ہے جو پیغمبرون کے گنہگار ٹھہرانے کیلئے ثبت ہو۔ پادری مانرو نے اپنی خاموشی سے خود مان لیا ہے کیونکہ اب تک وہ کوئی آیت پیش نہین کرسکا۔ دوسری جانب ایک مولوی صاحب نے چند آیات عصمت انبیا کے اصول کی تائید و ثبوت مین اسکو بتلائی تھین لیکن ان پر اسکو بذیعہ اعتراض تھا کہ قرآن کریم مین ایسی آیات بھی ہین جن مین اسکے زعم مین بعض انبیا کے گناہون کا ذکر ہے۔ ان سب آیات پر ہم اسی سال کے جولائی اور اگست کے نمبر مین مفصل بحث کرکے دکھا چکے ہین کہ ان مین کسی نبی کے کسی گناہ کا ذکر نہین اور پادری مانرو نے اب تک اس مضمون کی کوئی تردید بھی نہین کی اس لئے اب دو امر کا فیصلہ ہو گیا ہے۔ اوّل یہ کہ قرآن مجید مین کوئی ایسی آیت مذکور نہین ہے جس سے عام طور پر سب پیغمبرون کی گنہگاری کا اثبات ہو۔ دوم یہ کہ قرآن مجید مین کوئی فعل گناہ کا کسی پیغمبر کے حق مین منسوب نہین کیا گیا اب ہم دیکھین گے کہ آیا قرآن مجید مین کوئی ایسی آیتین بھی ہین جن سے عصمت انبیاء کے اصول کا ثبوت ملتا ہو استغفار کے معانی پر بحث کرتے ہوئے پہلے اس آیت کا حوالہ دیا جا چکا ہے جو سورہ انبیاء مین ہے جسکا مدعا یہ ہے کہ جو کچھ انبیاء کہتے یا کرتے ہین وہ سب باذن اللہ کہا جاتا ہے وہ آیت یہ ہے

وَمَا اَرسَلنَا مِن قَبلِکَ مِن رَسُولٍ اِلَّا نُوحِی اِلَیہِ اِنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا
فاعبدون وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانہٗ بل عبادٌ مکرمون
لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہٖ یعملون۔ یعلم ما بین ایدیھم وما
خلفھم ولا یشفعون الا لمن ارتضٰی وَھُم من خشیتہٖ مشفقون

اور کوئی پیغمبر تجسے پہلے ہمنے نہین بھیجا جس کی طرف ہمنے یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی خدا نہین اسلئے میری ہی عبادت کرو تاہم وہ کہتے ہین کہ رحمن نے ایک بیٹا بنا لیا ہے اُنکی

قات ایسے عیبون سے پاک ہے پیغمبر صرف اسکے معزز بندے ہین **وہ نہین بولتے جبتک**
وہ ان کو نہ کہے - اور اسی کے حکم کے پیچھے وہ کام کرتے ہین - وہ ان کے آگے اور پیچھے کی سب
باتون کو جانتا ہے اور وہ صرف اسی خاطر جس پر وہ راضی ہو شفاعت کرتے ہین اور وہ ہر وقت
اللہ تعالے کے خوف سے ڈرتے رہتے ہین - اس جگہ ہمنے علاوہ آیت محولہ کے جسکے ترجمہ پر لکیر کھینچ
دیگئی ہے اس سے ماقبل اور مابعد کی آیتین بھی لکھدی ہین تاکہ صاف معلوم ہو جائے کہ پیغمبرونکے
سوا ان آیات مین اور کسی کا ذکر نہین - یہان پیغمبرونکے بارے مین اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ
وہ خدا کے اذن کے بغیر کوئی بات منہ سے نہین نکالتے اور جبتک کسی کام کے کرنے کے لئے
اللہ تعالے انکو حکم ندیوے تب تک وہ کام نہین کرتے - درحقیقت یہان اللہ تعالے پیغمبرونکے
اقوال و افعال کو اپنے اقوال و افعال قرار دیتا ہے پیغمبرون کی عصمت کے بارے مین اس سے بڑھکر
اور کس ثبوت کی ضرورت ہے جو الفاظ پیغمبرونکے بارے مین اس جگہ استعمال کئے ہین وہ بلحاظ مفہوم
کے ان الفاظ سے ملتے ہین جو دوسری جگہ پر فرشتون کے حق مین بولے گئے ہین - **یخافون ربہم
من فوقہم ویفعلون مایؤمرون** - وہ اپنے رب سے ڈرتے ہین جو انکے اوپر ہے اور
جس بات کا انکو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہین - بہرحال یہ تو ایک مسلم امر ہے کہ ملائکہ معصوم ہین اور
قرآن مجید مین جن الفاظ مین انکی تعریف کی گئی ہے انہین الفاظ مین پیغمبرون کی بھی تعریف کی گئی ہے
اسواسطے مذکورہ بالا آیت مین عصمت انبیا کا بالکل صاف ثبوت ملتا ہے ✦

قرآن مجید کی اور بہت سی آیتون سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے - سورہ فاطر کی اکتیسوین آیت
مین وارثین کتاب یعنی امت تین قسم پر تقسیم کئے گئے ہین (۱) وہ لوگ جو بدیونکے ارتکاب سے اپنی
جانون پر ظلم کرتے ہین (۲) وہ لوگ جو میانہ روی اختیار کرتے ہین (۳) وہ لوگ جو سب سے بڑھکر
نیکی کا کام کرتے ہین - اول الذکر جماعت کے لوگ برے افعال کیساتھ ملے جلے ہوتے ہین - دوسری

قسم کے لوگ معمولی نیکی کا کام بجالاتے ہین لیکن یہ نہین کہ بدی سے وہ بالکل محفوظ ہو گئے ہون اور اس لئے لغزش مین بھی مبتلا ہو سکتے ہین اگرچہ ان مین بدی تحریک جلدی دب جاتی ہے۔ تیسری قسم کے مومن ہین جو بدی سے بالکل محفوظ ہوتے ہین اور نیکیون ہی مین صرف اوقات کرتے ہین یہی جماعت پیغمبرون کی ہے۔ یہ امر کہ صادق مومنون کی ایک ایسی جماعت بھی ہے جو بدی کی مس سے بالکل امون ہے۔ اس کی تائید قرآن مجید کی اور آیتون سے بھی ہوتی ہے۔ جب شیطان کو ابدی سزا کا حکم دیا گیا تو اُس نے کہا فبعزتك لاغوينهم اجمعين الا عبادك منهم المخلصين ترجمہ۔ مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ مین ان سب کو گمراہ کرون گا۔ سوائے انکے جو تیرے مخلص بندے ہین۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے مخلص بندون کی بھی ایک جماعت ہے جن پر شیطان کا کوئی تصرف نہین اور جنکو وہ صراط مستقیم سے نہین پھسلا سکتا۔ ایسا ہی اللہ تعالے فرماتا ہے إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ یعنے شیطان کا عباد الرحمٰن پر کوئی تصرف نہین۔ اس جگہ لفظ عباد جو عبد کی جمع ہے۔ تمام مخلوق کیواسطے مستعمل نہین ہوا بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ایسے مخلص اور منتخب بندون کے واسطے ہے جیسا کہ پیغمبر اس سے بھی عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے کیونکہ انسان کسی بدی کا مرتکب نہین ہو سکتا جبتک کہ شیطان اُس پر قابو نہ پالے لیکن ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء پر شیطان قابو نہین پا سکتا اسلئے انبیاء بدی کے کبھی مرتکب نہین ہو سکتے +

علاوہ ازین یہ مسلم امر ہے کہ انبیاء کا فرض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ پس اگر وہ خود اپنے کہنے کے برخلاف عمل کرے تو وہ اُن مین سے ہوگا جنکو قرآن مجید پیغمبر صلعم کی زبانی مفصلہ ذیل الفاظ مین ملامت کرتا ہے۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسكم ترجمہ۔ کیا تم لوگون کو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنا آپ خود بھول جاتے ہو۔ یہ الفاظ قرآن مجید

ہین علمائے یہود کے حق مین بولے گئے ہین جنھون نے پیغمبرون سے انکار کیا اور انکو جھٹلایا یہود کے علماء یہ سمجھتے تھے کہ ہمین کسی پیغمبر کی ضرورت نہین ہو کیونکہ خدا کا کلام ہمارے پاس موجود ہے اور ہم دوسرے لوگون کو اس کی تعلیم دیتے ہین۔ لیکن خدا تعالے انکو ملزم قرار دیتا ہے کیونکہ جس بات کے کرنے کا وہ اورون کو حکم دیتے ہین وہ خود نہین کرتے اور فرماتا ہے کہ تمہین نجات نہین مل سکتی جب تک پیغمبر کی پیروی نکرو۔ اگر پیغمبر بھی گنہ گار ہوتے ہین تو وہ صریحًا انھین الفاظ کے نیچے آتے ہین جو علماء یہود کی نسبت یہان بیان کئے گئے ہین اور اسلئے اگر انبیاء اور علماء یہود مین کوئی فرق نہین تھا تو علماء یہود کو انبیاء سے انکار کرنے پر لعنت ملامت کیون کیگئی۔ وہ بھی نیکی کے کام کرنے کی تعلیم دیتے تھے لیکن خود اس پر عمل نہین کرتے تھے اور پیغمبر بھی یہی کام کرتے تھے اس صورت مین تو انبیاء کی بعثت کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ نیکیون کی تعلیم دینے کیلئے علماء یہود بکثرت موجود تھے لیکن اصل بات یہ ہو کہ صرف تعلیم بے اثر ہے جبتک کہ عملی نمونہ نیکی نہ دکھلاوے اور نہ ایسی تعلیم لوگون کو بدائیون سے ہٹا سکتی ہو اور اسی لئے پیغمبرون کے آنے کی ضرورت ہوتی ہو اور وہ جو کچھ تعلیم دیتے ہین اس پر خود عمل کرتے ہین اور اس طرح نیکی کا ایک نمونہ قائم کرتے ہین +

یہ بات کہ جو شخص افعال بد کا مرتکب ہو وہ پیغمبر نہین ہو سکتا۔ مفصلہ ذیل آیت سے ظاہر ہوتی ہے وَاِذِ ابْتَلٰے اِبْرَاهِیْمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ +

اِس آیت مین اللہ تعالے اوّل اُن احکامات کا ذکر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم کو دئے گئے تھے جنکو انھون نے بالکل پورا کر دیا۔ انکی راستبازی پر خوش ہو کر اللہ تعالے نے انکو امام بنایا۔ اسپر حضرت ابراہیم نے بارگاہ الٰہی مین عرض کی کہ میری ذریت مین سے بھی پیغمبر بنائے جائین تو جواب ملا کہ تمہاری ذریت سے صرف وہی لوگ پیغمبر بنائے جائینگے جو بُرے کام نہین کرینگے اور یہ کہ اسکے عہد سے بدکارون کو

کوئی حصہ نہیں ملیگا۔ اس آیت سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار شخص کو خدا کبھی پیغمبر نہیں
بناتا۔ اس میں پہلے ابراہیم ؑ کو نبوت ملنے کا ذکر ہے کیونکہ وہ راستباز تھا۔ اور پھر اُسکو صاف اطلاع دیتا
ہے کہ اگرچہ اس کی راستبازی کی وجہ سے اس کی ذریت سے پیغمبر بنائے جائینگے تاہم جو شخص ان میں سے
بُرے کام کرے گا وہ ہرگز نبوت کے لئے منتخب نہیں ہوگا دو نتائج ایسے ہیں جو کسی طرح قابل انکار نہیں
(۱) تو یہ کہ خدائے قادر مطلق کبھی کسی بدکار یا گنہگار کو پیغمبر نہیں بناتا۔ اور (۲) یہ کہ حضرت ابراہیم کی
اولاد میں سے وہ تمام لوگ جو پیغمبر بنائے گئے معصوم تھے ایسے صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے انبیاء کو گنہگار
ٹھہرانا۔ کیا یہ حماقت نہیں ہے۔ پھر سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ مختلف پیغمبروں کے نام لیکر فرماتا ہے
وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِن قَبْلُ وَمِن
ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ وَكَذَٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ
وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ٥
ترجمہ۔ اور ہم نے اِسکو یعنی حضرت ابراہیم ؑ کو اسحاق ؑ اور یعقوب ؑ عطا کیا۔ اور ان کو ہدایت
دی اور نوح علیہ السلام کو اس سے پہلے ہدایت دی تھی۔ اور اس کی اولاد سے داؤد ؑ و سلیمان ؑ و ایوب ؑ
یوسف اور موسےٰ ؑ و ہارون ؑ کو اور ہم راستبازوں کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ ؑ اور عیسےٰ
اور الیاس ؑ یہ تمام ہمارے نیک بندے تھے اور اسماعیل ؑ اور الیسع ؑ اور یونس ؑ اور لوط ؑ ان سب کو
ہم نے باقی لوگوں پر فضیلت دی۔ اس آیت کو پہلی آیت کے ساتھ ملا کر پڑھا جاوے تو صاف پایا جاتا ہے
کہ یہ تمام پیغمبر جن کی بابت ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا۔ اس وعدے کے مطابق
پیغمبر بنائے گئے تھے جو حضرت ابراہیم کو دیا گیا تھا کہ تیری ذریت میں سے پیغمبر بنائے جائینگے مگر صرف
وہی لوگ جو بدی کا ارتکاب نکرین گے یہ صرف چند آیات ہیں جن سے عصمت انبیاء ثابت ہوتی ہے

قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا ہوا ہے لیکن ان سب کا یہاں نقل کرنا ضروری نہیں کیونکہ جسقدر اوپر تحریر کیجا چکی ہیں ان سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ گناہ پیغمبر کیطرف منسوب نہیں کیا جا سکتا مندرجہ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال تمام احکام الٰہی کے تابع ہوتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی نیکیاں خالص و اعلےٰ درجہ کی ہوتی ہیں اور ان میں بدی کی ملاوٹ ایک ذرہ بھی نہیں ہوتی اور شیطان کا انپر کوئی تصرف نہیں ہوتا اور وہ اور ونکو ان نیکیوں کی تعلیم دیتے ہیں جنپر وہ خود عمل کرتے ہیں اور کوئی بدکار یا گنہ گار پیغمبر نہیں بنایا جا سکتا۔ اور یہ کہ ان سبکو صراط مستقیم پر چلایا گیا تھا جس سے وہ کبھی الگ نہیں ہو سکتے تھے +

اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دیکھا جاوے تو آپ کو بلحاظ عصمت کے سارے دوسرے انبیاء پر کئی وجوہ سے بہت بڑی فوقیت حاصل ہے کیونکہ اول تو پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء سے افضل و اعلےٰ تھے اور اسلئے اپنی پاکیزگی اور عصمت کے لحاظ سے اور تمام پیغمبروں سے بڑھے ہوئے تھے (۲) ان کی عصمت نہ صرف اس لئے ثابت شدہ ہے کہ وہ ایک پیغمبر تھے۔ اور تمام پیغمبروں کو قرآن کریم نے معصوم قرار دیا ہے بلکہ بہت سی آیات میں خاص طور پر یہ عصمت صاف بیان کی گئی ہے ایک موقعہ پر قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَمَن يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا۔ ترجمہ۔ جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کریگا اس کی سزا جہنم ہے۔ اس جگہ اللہ تعالےٰ اور اسکے رسول کی اطاعت کا ایک ہی کلمہ میں ذکر کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پیغمبر کے اقوال و افعال بغیر حکم الٰہی نہ تھے ورنہ انکی اطاعت اللہ تعالےٰ کی اطاعت کے ساتھ کی جانی ضروری نہ تھی ایک اور موقعہ پر آتا ہے وَمَن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ جو کوئی رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ خود خدا کی اطاعت کرتا ہے جسکے یہ معنے ہیں کہ رسول کی مرضی اللہ تعالےٰ کی مرضی ہے کیونکہ اگر پیغمبر کی ایک

کام کی مرضی ہو جو خدا تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو ایسی صورت میں پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت نہیں ہو سکتی ان دو آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر کی خواہش خلاف منشا ایزدی نہیں ہو سکتی اور اس لئے وہ گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام کرنا پایا جاتا ہے۔ مزید برآں چند آیات مثلاً قل اِنّ صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین اور آیت ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم اور آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔ اور آیت ما ضل صاحبکم وما غوٰی وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی پر پہلے اچھی طرح سے بحث کی گئی ہے۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے۔ کہ یہ تمام آیات رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے لئے قطعی دلیل ہیں۔ اسی طرح آیت قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم۔ ترجمہ۔ کہہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو تو میرے نقش قدم پر چلو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا اور تمھارے گناہ معاف کر دے گا۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا ورنہ ایک شخص کے جس سے کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب بھی ہو جاتا ہو نقش قدم پر چلنے سے گناہ کیونکر معاف ہو سکتے تھے یا اللہ تعالیٰ کیونکر خوش ہو سکتا تھا۔ اس آیت پر مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے۔ ایک دیانت دار جو قرآن مجید کا مطالعہ کرے ایک لمحہ کیلئے بھی نہیں کہہ سکتا کہ جس شخص کا ان آیات میں ذکر ہے وہ گنہ گار تھا۔ ان آیات کے علاوہ جنکے یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید میں اور بہت ساری آیات ہیں جن میں ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کا صاف صاف ذکر ہے چنانچہ ایک جگہ ہمارے رسول اکرم کو نیکی کا نمونہ کہا گیا ہے اور تمام لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کی پیروی اختیار کریں اور آپکے نقش قدم پر چلیں۔ اگر ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے قدم ایک ممنوع جگہ پر پڑے ہوئے تھے تو آپکے بعثت

مین نمونہ پر چلنے کا حکم ہوتا۔ قرآن مجید ہر ایک غلطی سے مبرا اور کافی ہدایت کا جامع تھا پس اگر
پیغمبر صلعم غلطیون سے پاک نہ تھے تو کیون انکو نمونہ قرار دیا گیا۔ پھر لکھا ہو کہ خود اللہ تعالے اور اسکے
فرشتے اُسپر درود بھیجتے ہین ملے مسلمانو تم بھی اُسپر درود بھیجو۔ یہان مومنون کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالے
کا درود و رحمت رسول اکرم پر بھیجین اور اسلئے جو شخص انکو گنہگار سمجھتا ہے وہ خلاف منشا ایزدی
کرتا ہے اللہ تعالے کا رسول اکرم پر درود بھیجنا اُن کی عصمت کی وجہ سے ہے۔ اس سے اگلی آیۃ
مین اور بھی زیادہ وضاحت سے یہی بیان کیا گیا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ
لعنھم اللہ یعنی جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کو ایذا دیتے ہین اللہ تعالے کی اُنپر لعنت ہے
اور آیت ان الذین یؤذون المومنین والمومنٰت بغیر ما اکتسبوا فقد
احتملوا بھتانًا واثمًا مبینا۔ اور وہ لوگ جو مومن مردون اور مومن عورتون کو بغیر کسی قصور
کے ایذا دیتے ہین وہ ایک بہتان اور صاف گناہ کے مرتکب ہین دونو آیتون کا فرق ظاہر ہے
پہلی آیت مین خدا کی لعنت اس شخص پر ہوتی ہو جو خدا اور اس کے رسول کو ایذا دیتا ہے۔ اور دوسری
آیت مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ مومنون کو بغیر انکے کسی قصور کے ایذا دین وہ بہتان کے
مرتکب ہین جن الفاظ پر خط کھینچا گیا ہے وہ پہلی آیت مین نہین ہین ان الفاظ کے ہونے سے صاف
پایا جاتا ہے کہ قصور کا امکان جو مومنون کے بارے مین ہے جسکے واسطے الفاظ "بغیر انکے کسی قصور
کے" استعمال کرنے کی ضرورت ہوئی۔ ایسا امکان قصور کا پیغمبرون کے بارے مین نہین ہو یہ بات
اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالے اور اسکے رسول کا ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے اور
مومنون کا ذکر الگ کیا گیا ہے اسلئے چونکہ کوئی قصور اللہ تعالے کیطرف منسوب نہین کیا جا سکتا
ایسے ہی پیغمبر کیطرف بھی نہین کیا جا سکتا۔ مزید برآن آنحضرت صلعم کو ایذا پہونچانے کو گناہ کہا
گیا ہے اور اس مین کچھ شک نہین کہ جو شخص آنحضرت صلعم پر گناہ کا الزام لگاتا ہے یا انکو گنہگار

کہتا ہے وہ آپکو ایذا پہونچاتا ہے اسواسطے قرآن کریم سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلعم کو گنہگار کہیگا وہ خود بڑے سخت گناہ کا مرتکب ہوگا کیونکہ پیغمبر صلعم کو آپ کی طرف کوئی گناہ منسوب کرکے ایذا پہونچانیوالے پر لعنت کیگئی ہے حالانکہ مومنین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ خدا تعالےٰ کی برکات آنحضرت کے لئے طلب کرین کیا اب بھی پادری مانرو کو واقعی شک ہے کہ انبیاء معصوم نہین ہوتے ؟

آنحضرت صلعم کی زندگی ایسی پاکیزہ اور ہر ایک عیب و نقص سے ایسی مبرا ہے کہ آپکے ہمعصر دشمن آپ کی ساری زندگی مین ایک عیب بھی بیان نہ کر سکے جبکہ قرآن شریف نے یہ دعویٰ کیا **فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون** - مین اس سے پہلے تمہارے درمیان بہت مدت رہا ہون (تم بتا سکتے ہو کہ مین نے کونسا برا کام کیا) پس تم کیون نہین سمجھتے (کہ جس شخص سے ساری عمر مین خفیف سے خفیف گناہ کا ارتکاب بھی نہین ہوا وہ افترا علے اللہ جیسے بڑے گناہ کا مرتکب کیونکر ہو سکتا ہے) ایک ایسی زندگی کے ساتھ جو کہ اپنی پاکیزگی اور ہر ایک الزام سے بری ہونے مین یگانہ ہے ایسے سخت گناہ کو کہ وہی شخص خدا پر افترا کرتا اور بہتان باندھتا ہے - ہم کسی طرح مطابق نہین کر سکتے - آنحضرت صلعم نے اپنے دعوے کی سچائی پر اپنی پہلی زندگی کی پاکیزگی اور بے عیبی کو بطور شہادت پیش کیا ہے جو کہ انکے مخالفون مین بھی مسلم تھی - جو شخص عین جوانی مین نہ خدا اور نہ انسان کو ناراض کرتا ہے وہ کیونکر اپنے بڑھاپے مین اپنی نیک شہرت پر دھبہ لگانیکا مرتکب ہو سکتا ہے - یہ دلیل آنحضرت صلعم کی سچائی کیلئے قرآن شریف نے استعمال کی ہے اور اسکی شوکت پادری مانرو صاحب کو اُس وقت اور بھی زیادہ معلوم ہوگی جب وہ آپکے ابتدائے چالیس سالہ واقعات کا یسوع کی ابتدائے تیس سالہ زندگی سے مقابلہ کرے گا یسوع کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی مین چھپے ہوئے ہین اور وہ خود ایک لفظ تک کا بھی اشارہ اپنے وعظون مین ان حالات کیطرف نہین کرتا بلکہ اس کے سوانح نویسون کو بھی اس امر پر خاموش ہی رہنا پڑا ہے اور اسکے دشمنون نے جو کچھ بیان

کیا ہی وہ اس قسم کے قصص ہین جن مین سی ایک عشق کا قصہ ہی کہ اگر انکو صحیح مانا جاوے جیسا کہ یہودیون کی ساری تاریخ کو عیسائی صحیح مانتے ہین تو یسوع کی عصمت مین بھی بڑا شک پڑتا ہے لیکن صرف قرآن شریف کے رو سے ہم انکو معصوم مانتے ہین برخلاف اسکے آنحضرت صلعم کی زندگی کے حالات مفصل طور پر حدیثون مین بیان کئے گئے ہین اور آپ کی پاکیزگی و نیکی کا شہرہ اسوقت بھی ایسا تھا کہ آپ عام طور پر الامین کے نام سے مشہور تھے ۔ اس مطہر و مقدس زندگی کا حوالہ قرآن شریف نے نہایت ہی مختصر و خوبصورت الفاظ مین اس طرح پر دیا ہے کہ اسی کو آپکے دعوی کی سچائی پر دلیل کے طور پر پیش کیا ہے ۔ اور دلیل صرف وہی چیز ہو سکتی ہی جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کی پاکیزگی و بے عیبی کے کفار بھی اسی طرح قائل تھے جیسا کہ مسلمان +

ایسن اور الف میم کے مضامین عصمت انبیا پر

عصمت انبیا کے مضمون پر مفصل بحث ہم اس رسالہ کے مختلف جلدون مین کر چکے ہین لیکن خواہ کسیقدر دلائل دئے جاوین عیسائی مناظرین کے نزدیک وہ کبھی کافی نہین ہو سکتے اس سی پہلے پادری مانز و کے اعتراضون کا جو اسنے حضرت آدمؑ کے ممنوع درخت کے کھانیکے متعلق کئے تھے جواب دے چکے ہین لیکن اسوقت دو مضمون اور دو مختلف آدمیون کیطرف سی اسی مضمون پر شایع ہوکر ہمارے پاس پہونچے ہین یعنی ایک پادری ایسن کا مضمون حضرت آدم اور داؤدؑ پر ۔ اور دوسرا ایک شخص الف میم کا مضمون مسئلہ عصمت پر عموماً اور حضرت آدم پر خصوصاً معلوم ہوتا ہے کہ پادری ایسن نے ہمارے اصل مضامین کو نہین پڑھا ورنہ وہ یہ بات نہ لکھتا کہ مرزا صاحب قادیان نے بڑی جرات سی یہ لکھا ہے کہ اس مضمون کے متعلق معتبر اور مستند کتابین صرف امام رازی کی تفسیر اور لسان العرب جو دس جلدون مین ( ) عربی لغت کی کتاب ہی ہین " چونکہ مسٹر ایسن پادری کا کام کرتے ہین اس لئے اگر انکو نے بغیر اصل

مضمون کے سمجھنے کے ہی اس کی تردید بھی لکھدی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہین۔ ہم نے (نہ مرزا صاحب نے کیونکہ مضامین زیر بحث حضرت مرزا صاحب کے لکھے ہوئے نہین) یہ صاف طور پر لکھا تھا کہ ہم صرف قرآن کریم کو ہی سند مانتے ہین اور تفسیرون کو کوئی مسلمان بھی کلام الہی یا وحی الٰہی نہین مانتا اور امام رازی کا حوالہ بعض جگہ صرف ان جھوٹے قصون کی تردید کے لئے دیا تھا جو عیسائی مناظرین اس رنگ مین پیش کیا کرتے ہین کہ گویا وہ معتبر اور محقق مفسرین کے نزدیک صحیح اور مسلم ہین اور لسان العرب کا حوالہ صرف بعض الفاظ کے معانی کیلئے دیا گیا لیکن یہ ہمنے کہین نہین لکھا کہ اسکے سوائے باقی کل کتابین ناقابل اعتبار ہین +

الف میم ابتدائے مضمون مین اس جرأت کے ساتھ جو صرف پادری صاحبان سے ہی مخصوص ہے لکھتا ہے کہ "عیسائی اپنی کتب مقدسہ کی بنیاد پر ہمیشہ اس بات کے قائل رہے ہین کہ بجز مسیح کلمۃ اللہ کے جو پاک بے ریا بے عیب گنہگارون سے جدا اور آسمانون سے بلند ہے (عبرانی ۷-۲۶) ہر انسان نبی ہو یا ولی کبھی نہ کبھی اپنے خدا کی حکم عدولی کر کے گنہگار اور عاصی ہو گیا" اور آگے چلکر امام رازی کے حوالہ سے لکھتا ہے کہ مسلمانون کے بعض فرقون یا بعض مسلمان متکلمین نے عصمت انبیاء کا انکار کیا ہے۔ اور یہی لوگ اسکے نزدیک محققین ہین" لیکن ان محققین نے حضرت عیسٰی کو بھی مستثنٰی نہین کیا۔ اور جیسا وہ دوسرے انبیاء کو معصوم نہین مانتے ویسا ہی مسیح کو بھی معصوم نہین مانتے۔ اس لئے ان فرضی "محققین" کی رائے اگر ہمارے خلاف ہے تو الف میم کی بھی اس سے تائید نہین ہوتی کیونکہ اسنے اپنی کتاب کا ایک باب اس امر کے ثابت کرنے کے لئے مخصوص کیا ہے کہ قرآن شریف کی رو سے مسیح معصوم ہے لیکن اس حصہ مضمون پر بالفعل ہم کچھ گفتگو کرنا نہین چاہتے ہمنے کبھی اس امر سے انکار نہین کیا بلکہ "عصمت انبیاء پادری مانزو کے رسالے" کے عنوان کے نیچے جو مضمون لکھا تھا اسکے ابتدا مین ہی صاف طور پر

شروع نہ زندگی کا آخر مگر خدا کے بیٹے سے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے" (عبرانیون ۷)
یا فی یعنی آیسونہا سی بھی ٹھیک ہے۔ یسوع کو تو ماں کیطرف سے کچھ نہ کچھ گناہ کا حصہ ملا ہوگا مگر
ملک صدق کا نہ باپ تھا اور نہ ماں اسلئے وہ راستی کا بادشاہ اور سلامتی کا بادشاہ اور گناہ سے
بالکل پاک ٹھہرا پھر وہ ہمیشہ کیلئے زندہ ہے اور موت کا اسپر قابو نہین اسلئے حقیقی یا صوری
گناہ بھی اسکی طرف منسوب نہین ہو سکتا کیونکہ گناہ ہوتا تو موت بھی ضرور آتی حالانکہ یسوع
پر موت بھی واقع ہوئی اور یسوع کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ ملک صدق کیطور پر کاہن بنایا گیا۔
اسکے بعد لوقا کی شہادت کو جو وہ ذکریا اور اسکی عورت کے حق مین دیتا ہے "وے دونون خدا
کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکمون اور قانونون پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱ ب) یہ
آیت ان عیسائیون کو جھوٹا ٹھہراتی ہے جو کہا کرتے ہین کہ کوئی شخص خدا کے سارے حکمون اور قانونون پر
نہین چل سکتا اور کہ اسلئے یسوع مسیح کے کوئی بے عیب نہین۔ پھر یہی مصنف (جو عیسائیون کے
نزدیک الہامی مصنف ہے) ان دونون راستبازون کے بیٹے کی نسبت لکھتا ہوا کہتا ہے "وہ
خداوند کے حضور بزرگ ہوگا اور نہ مے اور نہ کوئی نشہ ہی پیئے گا اور اپنی ماں کے پیٹ سے ہی
روح القدس سے بھر جائیگا اور بنی اسرائیل مین سے بہتونکو ان کے خدا کیطرف سے پھیرے گا"
لوقا ۱ ب۔ عجیب بات یہ ہے کہ یسوع بھی ان لوگون مین تھا جنہین یوحنا نے انکے خداوند کی
طرف پھیرا۔ اب غور کرو کہ یسوع پر تو تیس سال کی عمر مین روح القدس نازل ہوتا ہے اور اسی لئے
اسکی عصمت کو اگر مانا جائے تو اسی وقت سے مانی جا سکتی ہے لیکن یوحنا پر روح القدس ماں کے
پیٹ مین ہی اترا اسلئے تمام سچے عیسائیون کو چاہئے کہ اسے ابتدا سے ہی معصوم سمجھین لیکن
اناجیل کے ان بیانات کے عین برعکس۔ الف میم بے بنیاد دعویٰ کرتا ہے کہ یسوع مادر زاد نبی
تھا۔ روح القدس کے نازل ہونے سے پہلے وہ کیونکر نبی ہوگیا کیونکہ روح القدس کے نازل ہونے کے

بغیر نبوت نہین مل سکتی۔ اور اسلئے "مادرزاد نبی" کا خطاب یسوع پر تو کسی حالت مین چسپان ہو
ہی نہین سکتا اسکا مستحق اگر ہے تو یوحنا ہے جسنے یسوع کو بپتسمہ دیا اور جسپر ماں کے پیٹ مین
ہی انجیلون کی شہادت کے مطابق روح القدس نازل ہوا۔ مرقس بھی یوحنا کی شہادت دیتا ہے کیونکہ
وہ کہتا ہے کہ "ہیرودیس یوحنا کو بڑا راستباز اور مقدس جانکر اس سے ڈرتا تھا" (مرقس ۲۰/۶)
یہان بھی یوحنا کے بیگناہ ہونیکا صاف طور پر اقرار ہے اور چارون انجیلون مین ایک بھی آیت
ایسی نہین جس سے اسکے برخلاف کوئی نتیجہ نکل سکے بلکہ جب اس واقعہ پر غور کیا جاوے کہ یوحنا نے
بہت سلے یہودیون کو جن مین یسوع بھی شامل تھا بپتسمہ دیکر برکت دی تو صاف معلوم ہوتا
ہے کہ وہ اپنے وقت مین سب سے بڑا راستباز تھا۔ اور یسوع سے بھی افضل درجہ پر اسکی عصمت تھی یہ
سب کچھ صرف انجیلون کی بنیاد پر ہے +

پولوس لوقا اور مرقس تو یہ شہادت دیتے ہین لیکن اسکو پس پشت ڈالکر الف میم جرأت
سے یہ بیان کرتا ہے کہ یسوع ناصری کے سوا باقی کل دنیا کو عیسائی گنہگار مانتے ہین بلکہ وہ
یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ یہودی بھی یہی اعتقاد رکھتے ہین کیونکہ وہ لکھتا ہے۔ "جس طرح اہل کتاب نے
اپنی کتب آسمانی کی بنیاد پر عصمت انبیاء سے عموماً انکار کیا اسی طرح اہل اسلام کے مسلمان
بھی محققین گنہ چکے" وغیرہ۔ اہل کتاب مین یہود اور نصاریٰ دونو شامل ہین اور اگر مصنف کا
اس عبارت سے یہ منشا نہ بھی ہوتا ہم اس امر کا دیکھنا نہایت ضروری ہے کہ یہود کا عقیدہ کیا تھا
کیونکہ اصل عقیدہ وہی ہے اور عیسائیون نے صرف یسوع کو خدا بنانے کے لئے یہ عقیدے گھڑے
ہین اور اسیواسطے ان عقیدون کی انکی اپنی مسلم کتابون مین تردید پائی جاتی ہے اسلئے اب بقیہ
حصہ عیسائی دنیا کے مذہب اور انکی کتب مقدسہ پر غور کرنیکے بعد ہم یہودیون کا اعتقاد دیکھتے
ہین۔ یہ امر قابل غور ہے کہ یہودی ایک ایسے مسیح کے منتظر تھے جو انکے گذشتہ انبیاء کی مانند ہو۔

اسکا آنا موسوی شریعت کے خادم کے رنگ مین تھا اور اسلئے وہ خادم ہونکی حیثیت مین اپنے
آبائی بنی اسرائیل کے عظیم الشان غلامی سے نجات دہندہ ہو یہ کہ نہین ہو سکتا تھا اور انہی
فضیلت اسکو دنیا کی بہتری و انعام سکی تھا۔ جیسے کہ اعتقاد مین حضرت مسیح سے حاکم
درجے پہونچا ہی سے بھی ظاہر ہے کہ اسکے آنیکا مقصد صرف یہی تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو دوسرے
لوگون کی غلامی سے نجات دے۔ اگرچہ یسوع نے اتنا بھی نہ کر دکھایا لیکن حضرت موسیٰ نے بعض قوم کو
نجات دہندہ تھے بلکہ انکے شارع بھی تھے جنکے پیچھے ہر پیغمبر چلتا تھا اور جنکی شریعت کے معضلات کو
وہ حل کرتا تھا۔ جب عیسائیون کا یہ دعویٰ ہے کہ جو پیشگوئیان مسیح کے متعلق ہین وہ مسیح
کو معصوم قرار دیتی ہین تو اُسکا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ دوسرے انبیاء بھی یہود کے نزدیک معصوم تھے
ابتدائی عیسائیون کی شہادت سے جو مسیح کے متعلق صحیح عقیدے پر قائم تھے جیسا کہ وہ یہودیون کے
درمیان چلا آتا تھا اور اُن فرقون کی شہادت سے جو ابتدائی عیسائیون کے عقائد کے مطابق قائم
تھے اس تعلیم کی جو اوپر بیان کیا گیا ہے پوری تائید ہوتی ہے اور اسکے متعلق جو الحجات ہم اوپر دیچکے
ہین ان امور کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ یہودی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال روا نہ رکھ سکتے
تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موسیٰ ع اور انکے دوسرے بڑے بڑے انبیاء گنہگاری کی حالت مین اس دنیا سے
گذر جائین اور انکو گناہون سے پاک کرنیکے لئے مسیح انکے پیچھے آوے بلکہ مسیح کے آنیکی امید بھی صاف صاف
الفاظ مین حضرت موسیٰ کے بہت مدت بعد یہود کو دی گئی جب کہ وہ مصائب کے نیچے پیسے جا رہے
تھے اور ایسے وقت مین وہ پیشگوئیان کی گئیں کہ ایک ایسا نبی آوے گا جو انکو غیر قومون کی غلامی اور حکومت
سے نجات دیگا کوئی یہودی آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال نہین کر سکتا کہ شیث، نوح، ابراہیم
اسحاق، یعقوب، موسیٰ اور دوسرے مقدس نبی جنھون نے مسیح کے آنیکی کبھی کوئی پیشگوئی نہین
کی اور نہ کبھی اپنی دوستون کو یہ تعلیم دی کہ خدا انسان بنکر آسمان سے اُترے گا وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ

بلکہ انکی نجات ایک شخص کی پھانسی سے ہوگی جو ہزار ہا سال بعد آنیوالا ہے جو پیغمبر آتا رہا وہ خدا کا حکم لوگون کو پہونچاتا رہا اور یہی تعلیم انکو دیتا رہا کہ نجات اور گناہ کی غلامی سے آزادی صرف احکام الٰہی پر چلنے سے ملسکتی ہے اور سچی پاک زندگی ان راستبازی کے طریقون پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے جو خدا تعالےٰ نے انکے ذریعہ ظاہر کئے ہین۔ ایک بھی فقرہ صحف انبیا مین ویسا نہین بتایا جا سکتا جسمین کسی نبی نے اپنی امت کو یہ بھی کہا ہو خواہ وہ شریعت کے سب حکمون کو پورا کرین اور اللہ تعالےٰ کی پوری پوری اطاعت اختیار کرین تاہم ایک حصہ انکے گناہون کا ایک انسان یسوع کیخاطر باقی رکھ لیا جاویگا اور اسلئے نفس کی کامل پاکیزگی سے نہین بالکل مایوس رہنا چاہئیے جبتک کہ وہ انسان اس دنیامین ظاہر نہ ہو۔ نہ ہی کبھی کسی نبی نے یہ کہا کہ خدا کے احکام سے پورا کرنیکی انسان کو طاقت نہین دیگئی بلکہ برعکس اسکے اللہ تعالیٰ اسرائیلیونکو یون فرماتا ہے "تاکہ تم میرے سب حکمونکو یاد کرو اور انکو عمل مین لاؤ اور اپنے خدا کیلئے مقدس ہو" (گنتی 15/40) جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سب حکمونپر عمل کرسکتے اور خدا کے نزدیک مقدس ٹھہر سکتے تھے اسلئے اگر انبیاء علیہم السلام نے یہ تعلیم دی جیسا کہ واقعی انھون نے دی کہ سچی پاکیزگی صرف ان احکام کی پورے طور سے پیروی کرنیسے مل سکتی تھی جو اللہ تعالےٰ نے انکے ذریعہ لوگونکو دئے تھے تو مسیح کی بینظیر عصمت تاکہ وہ دنیا کے گناہونکو جو ایک پاک اور الٰہی شریعت سے دور نہ ہوسکے اُٹھالے ایک سراسر لغو اور باطل خیال ٹھہرتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام یہ جانتے تھے کہ سب سے بڑا کام جو وہ کر سکتے ہین وہ صرف یہ ہے کہ لوگونکو نیم فرشتے اور نیم شیطان بنادین تو وہ اپنی امتون کو بھی تو ایسا کہدیتے اور پھر ایسی حالتمین جب کوئی انسان بدکاری سے خالی نہین تھا تو مومن اور غیر مومن مین خدا نے یہ فرقان کیون قائم کیا کہ ایک فریق کو تو آسمان سے مدد بھیجی اور اپنی نصرتین انکے شامل حال کین اور دوسرے فریق کو سزاؤن مین مبتلا کیا اور اسی دنیا مین انکو ذلیل و خوار کیا +

پھر ایک اور پہلو اس سوال کا ہے یوحنا ۹ : ۱۶ مین لکھا ہے کہ یہودیون نے کہا کہ "کیونکر ہو سکتا ہو کہ گنہگار انسان ایسے معجزے دکھائے" اور پھر آگے چلکر اسی مباحثہ کی اثنا مین یہ کہا گیا ہو کہ "ہم جانتے ہین کہ خدا گنہگارون کی نہین سُنتا پر اگر کوئی خداپرست ہو اور اُسکی مرضی پر چلے تو اسکی وہ سنتا ہے" یوحنا ۹ : ۳۱ - ان آیات سے یہود کے اعتقاد کا واضح طور پر پتہ ملتا ہے - کوئی گنہگار معجزے نہین دکھا سکتا اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کی سنتا ہے جب تک وہ اسکی مرضی کی راہون پر نہ چلے اگر یہود اپنے انبیاء کو گنہگار سمجھتے تو وہ ان کیطرف معجزات کو منسوب نکرتے حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ انبیاء کے صحائف زبردست معجزات سے بھرے پڑے ہین جو اُنھون نے دکھلائے اس نتیجہ کو کہ گنہگار معجزات نہین دکھا سکتا عیسائیون کو بھی ماننا پڑے گا - کیونکہ جس آدمی کا یوحنا نوین باب مین ذکر ہے اُس نے مسیح کے دعوے کو اسی دلیل پر تسلیم کیا تھا کہ وہ معجزات دکھاتا ہے اور گنہگار معجزات نہین دکھا سکتا اگر اُسنے اس دلیل پر یسوع کا دعوے تسلیم کرنے مین غلطی کی تو دوسرے لوگ جنھون نے مسیح کے دعوے کو تسلیم کیا اُنھون نے بھی ایسی ایسی غلطیون سے ہی تسلیم کیا ہوگا - اور اس طرح پر یہ ماننا پڑے گا کہ مسیح کو جن لوگون نے قبول کیا وہ سب کسی نہ کسی غلطی مین پڑکر گمراہ ہو گئے تھے اور نہ ہی اس دلیل پر کہ معجزات جھوٹے نبی بھی دکھا سکتے اور شیطان کے توسل سے بھی معجزات دکھائے جا سکتے ہین یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیا کا بیگناہ ہونا معجزات سے ثابت نہین ہوتا کیونکہ جن انبیا کے معجزات کا بائبل مین ذکر ہے وہ جھوٹے نبی نہ تھے اور نہ ہی شیطان کی طاقت سے وہ معجزات دکھلاتے تھے یہ امر یہودیون اور عیسائیونکے نزدیک مسلم ہے +

علاوہ ازین جن الفاظ یا فقرات سے یسوع کی عصمت کی دلیل نکالی جاتی ہے وہی اور ویسے ہی الفاظ اور فقرات دوسرے انبیا کی نسبت بھی بائبل مین استعمال ہوئے ہین اور اس لئے یا تو یسوع بھی معصوم نہین یا دوسرے انبیا بھی اس کی طرح معصوم ہین حضرت نوح کے متعلق بائبل مین یہ

الفاظ ہین کہ" نوح اپنے قرنون مین صادق اور کامل تھا اور نوح خدا کے ساتھ چلتا تھا" (پیدایش ۶/۹) ابراہیم کو خداوند نے مخاطب کرکے فرمایا "مین خدائے قادر ہون تو میرے حضور مین چل اور کامل ہو" (پیدایش ۱۷/۱) حضرت موسیٰ کو اللہ تعالےٰ نے فرمایا "تو خداوند اپنے خدا کے آگے کامل ہوگا" اور پھر موسیٰ بہت ہی حلیم تھا روے زمین کے سب لوگون سے بڑھکر" (استثنا ۱۸/۱۳) پھر زبور مین حضرت داؤد خداوند کے مقدس لوگون کا یون ذکر کرتے ہین "مبارک وے جو راہ مین کامل رفتار ہین اور خداوند کی شرع پر چلنے والے ہین - مبارک وے جو اسکی شہادتون کو یاد رکھتے ہین اور اپنے سارے دل سے اسے ڈھونڈتے ہین وے بدی بھی نہین کرتے وے اس کی راہون پر چلتے ہین" (زبور ۱۱۹/۱-۳) اور پھر "صادق کا منہ دانائی کی بات کہتا ہے اسکی زبان سے عدالت کا کلمہ نکلتا ہے اسکے خدا کی شریعت اسکے دلمین ہے اسکا پاؤن کبھی نہ پھسلیگا" (زبور ۳۷/۳۰-۳۱) لاوی کی متعلق خداوند تعالےٰ یون فرماتا ہے - "سچائی کی شریعت اسکے منہ مین تھی اور اسکے لبون مین کوئی شرارت پائی نہ گئی وہ میرے ساتھ سلامتی اور راستی سے چلتا رہا اور اسنے بہتون کو بدی کی راہ سے پھیرا" (ملاکی ۲/۶) لوقا نے الفاظ ذکریا کے متعلق کہ وہ خداوند کے تمام احکام پر چلتا اور بےعیب تھا اور مرقس کے الفاظ یوحنا کے متعلق کہ وہ راستباز اور مقدس تھا پہلے نقل کئے جاچکے ہین - اس قسم کے حوالے بائبل سے بکثرت دئے جاسکتے ہین لیکن بالفعل اسیقدر کافی ہونگے ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل مین اگر یسوع کو بےعیب اور حلیم اور بدی نکرنے والا اور راستباز کہا گیا ہے تو یہی کلمات اور الفاظ سے بھی بڑھکر دوسرون کی نسبت موجود ہین اور اس لئے عیسائیون کا یہ عقیدہ کہ یسوع کے سوا باقی سب گنہگار ہین اور اکیلا یسوع ہی بیگناہ ہے محض یسوع کی خدائی کی تائید کیلئے گھڑ لیا گیا ہے اور اب بھی عیسائیون کی ایک کثیر تعداد یسوع کی طرح کسی اور انسان کو بھی بیگناہ مانتی ہے خواہ وہ مریم ہو جو عیسائیون کے محاورہ مین

"خدا کی ماں" ہے یا کوئی اور ہو کیونکہ اگر یسوع کے سوا ایک بھی اور انسان بیگناہ ٹھہر جائے تو پھر یسوع کی یکتائی اور اسکے کفارہ کی ضرورت اور اثر پر پانی پھر جاتا ہے۔ رومن کیتھولک مریم کی عصمت کے لئے جو دلیل دیتے ہیں وہ نہایت سیدھی سادھی دلیل ہے۔ اگر اصلی گناہ موروثی ہے تو ضرور ہے کہ یسوع کو بھی اپنی ماں کے ذریعہ اسکا کچھ نہ کچھ حصہ ورثہ میں ملا ہو جبتک کہ یہ نہ مان لیا جاوے کہ مریم بھی بیگناہ تھی اسلئے مریم کی عصمت یسوع کی عصمت کیلئے نہایت ضروری ہی ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر مریم کے والدین بھی معصوم ہونے چاہئیں کیونکہ انکے بغیر مریم معصوم نہیں ہو سکتی اور اسی طرح آدم تک سارا سلسلہ بیگناہ اشخاص کا ہونا چاہئے اگر اس زنجیر کی ایک کڑی بھی ٹوٹ جاوے تو ساری زنجیر نکمی ٹھہرتی ہی پس موروثی گناہ کو ماننے کیلئے یسوع کو معصوم ماننے والوں اور یسوع کے ساتھ مریم کو بھی معصوم ماننے والوں میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہی کہ کون زیادہ بیہودگی کا مرتکب ہی ہاں دونوں فریق میں سے ہر ایک اپنی بات کو بالمقابل زیادہ معقول کہہ سکتا ہی +

اس کے بعد الف میم نے کیفیت عصمت پر کچھ بحث کی ہی جسے وہ ہماری عصمت کی تعریف قرار دیتا ہے وہ انبیاء کی حالت کا ایک نقشہ تھا کہ انکے اقوال و افعال سب الٰہی سرچشمہ سے ہوتے ہیں اور ان کے اپنے نفس کی خواہشات کا نتیجہ نہیں ہوتے کچھ تعجب نہیں اگر یہ بات الف میم کی سمجھ میں نہ آسکے اور وہ اسپر اعتراض کرے۔ روحانیت کا وہ اعلےٰ مقام جسپر اسلام انسان کو پہونچاتا ہے عیسائیوں کی سمجھ سے برتر ہے کیونکہ انکے روحانی قوےٰ ایک انسان کی خدائی کے جھوٹے عقیدہ اور اسکے خون پر جھوٹے بھروسہ کے باعث مرچکے ہیں وہ نہ صرف اعمال میں ہی مردہ ہیں بلکہ ایمان میں بھی مردہ ہیں اور اس لئے روح القدس کی روشنی ان کے اندر سے بجھ چکی ہی قرآن شریف میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نبی ایسے اسکی محبت میں کھوئے ہوتے ہیں کہ خدا کے سوائے ہر ایک چیز بلکہ انکی اپنی ہستی بھی ان کی نظر میں کالعدم ہوتی ہے

ان کی اپنی خواہشات اور نفسانی جذبات پر ایک موت وارد ہو چکی ہوتی ہے اور اس لئے جب وہ بولتے یا کوئی کام کرتے ہیں تو اپنی خواہش یا نفسانی جذبہ سے نہیں کرتے یہ روحانیت کا سب سے اعلے مقام ہے اور اس مقام میں روح القدس کی روشنی سے بھر کر انکا ہر ایک قول و فعل روح القدس کی ہدایت سے ہوتا ہے نیکی انکی فطرت ہو جاتی ہے اور انکے ارادے ایسے کامل طور پر خدا کے تصرف میں اور اسکی مرضی کے تابع ہوتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے یا کرتے ہیں وہ سب الہی تصرف سے اور اسی کی مرضی سے کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اس اعلے مقام کی شہادت بکثرت موجود ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیٌ یوحیٰ۔ یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی خواہش سے کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے بلکہ جو کچھ بولتے ہیں خدا کے بلائے بولتے ہیں اور پھر فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی۔ یعنی جو کچھ فعل وہ کرتے ہیں وہ ان کا فعل نہیں بلکہ خدا کا فعل ہے۔ ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال انسانی خواہش کا نتیجہ نہیں تھے بلکہ الہی سرچشمہ سے نکلتے تھے پھر قرآن کریم صاف الفاظ میں انسان کی تین حالتیں بیان کرتا ہے سب سے پہلی حالت نفسانی خواہشات کے غلبہ کی ہے جسکو قرآن کریم میں نفس امارہ کے نام سے موسوم کیا ہے اسکے بعد دوسری حالت وہ ہے جب انسان کی نیک خواہشات اسکی بدخواہشات کا مقابلہ کر کے ان پر غالب آتی ہیں چونکہ یہ حالت ایک کشمکش کی حالت ہوتی ہے واسطے اس میں انسان کبھی ٹھوکر بھی کھا جاتا ہے جلدی سنبھل جاتا ہے لیکن یہ روحانی ترقی کا اخیری مقام نہیں تو یہ انسان ... حالت پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اسی مقام کو مجاہدات کا خام خیال کرتا ہے وہ سخت دھوکے میں پڑا ہوا ہے ابھی روح القدس کی روشنی نے پورے طور پر اسکو روشن نہیں کیا ہوتا اور نہ شیطان اس سے پورے طور پر مایوس ہوتا ہے۔ اسکے ارادے اور خواہشیں ابھی پورے

طور پر خدا تعالیٰ کے تابع نہین ہوئے اور نہ ہی اسکے نفسانی جذبات پر کبھی موت وارد ہوئی ہے جو لوگ سچے خدا کو نہین پہچانتے اور اس لئے اس کی طاقت اور جلال کو سامنے اس طرح نہین جھک سکتے جس طرح انہین جھکنا چاہیئے اسن قسم اخلاقی حالت پر مطمئن ہو جائین تو ہو جائین لیکن خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق پیدا کرنا جو مذہب کا اصل مقصد اور غرض ہے وہ ابھی بہت دور پڑا ہوا ہے۔ جب ایک انسان روحانی ترقی کے اعلےٰ مدارج پر پہونچتا ہے تو بدی کی تمام کششین مغلوب ہو جاتی ہین اور الٰہی نور سے انسان بھر جاتا اور روح القدس اسکا دائمی رفیق ہو جاتا ہے اسکے ارادے خدا تعالیٰ کی مرضی کے پورے طور پر تابع ہو جاتے ہین اور اسلئے ایسے مقام پر اسکی نسبت یہ کہنا غلط نہین ہوتا کہ وہ اس طرح خدا کے تصرف تام مین ہوتا ہے جس طرح ایک کل انسان کی تصرف مین ہوتی ہے۔ یہ ایک عجیب اعتراض ہے (ہان اگر ایک عیسائی کے منہ سے نکلے تو کچھ تعجب بھی نہین) کہ اگر انسان کے ارادے خدا کے کامل طور پر تابع ہو جاوین اور خدا کی مرضی سے اسے موافقت تامہ حاصل ہو جاوے تو پھر وہ فاعل ذی اختیار نہ رہا۔ ایسے اعتراض سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ معترض نہین سمجھ سکتا کہ روح القدس کیونکر انسان کے اندر کام کرتا ہے اور انسان کا روحانی کمال کیا ہے۔ اسلام وہ پاک مذہب ہے کہ ایک لفظ مین ہی اپنے نام کے اندر اس نے ساری حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کاش عیسائی دیکھ سکتے کہ وہ کن غلطیوں مین مبتلا ہین اور وہ سچائیان کیسی مبارک ہین جو اسلام سکھاتا ہے۔ ہم کس طرح کہہ سکتے ہین کہ انکو نجات ملگئی ہے جب کہ نجات کی اصلی حالت سے جو اسی دنیا مین انسان کو ملتی ہے وہ اس قدر ناواقف اور بے بہرہ ہین کہ اسپر اعتراض کرتے ہین کیونکہ حقیقی نجات کیا چیز ہے وہ کامل اطمینان اور سکینت کی حالت ہے جب انسان بدی کی طاقت سے پورے طور پر نکلجاوے اور گناہون سے پاک اور صاف کیا جاوے اور خدا تعالیٰ کی مرضی کو پورے طور پر تابع ہو کر اور اسکے ارادے سے موافقت تامہ حاصل کرکے کامل خوشحالی

اور سچی خوشی حاصل کرے لیکن عیسائی اس حالت سے ایسے ہی بیخبر ہین جیسے کہ وہ سچے خدا سے بے خبر ہین اور ان کا اعتراض کرنا کچھ تعجب کی جگہ نہین ان کی عقلین اس بات کو تو سمجھ سکتی ہین کہ ایک آدمی کیونکر ساری دنیا کے گناہ اٹھا کر سب کو آزاد کر گیا اور کس طرح باوجود اسکے کہ وہ گناہ کرتے ہین اور نفسانی خواہشون کے پیچھے چلتے ہین ان کو نجات مل گئی ہے لیکن سچی نجات جو گناہ سے آزادی اور روح کی پاکیزگی کا نام ہے وہ انکی سمجھ مین نہین آسکتی۔ الف میم کی اس تحدی کا جواب کہ قرآن شریف کی وہ آیتین بتلائی جاوین جسمین انسان کے اس اعلےٰ مقام پر پہونچ جانیکا ذکر ہے صرف اس قدر کافی ہے کہ اگر اسکے دل مین رائی کے دانہ کے برابر بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ یہ تحدی نکرتا کیونکہ جہان سے اسنے عبارت نقل کی ہے عمداً آیت لے اور قرآن شریف کے ذکر کو چھوڑ کر باقی عبارت نقل کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے ”انھون نے عصمت کی تعریف یہ بتلائی ہے.... الخ“ حالانکہ جہان یہ مضمون ہے وہ عبارت اس طرح پر چلتی ہے (جلد ۲ صفحہ ۷۰) ”قرآن شریف مین بکثرت ایسی آیات موجود ہین جنسے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی اپنی ہستی کچھ نہین بلکہ وہ اس طرح بلکل خدا کے تصرف مین ہوتے ہین جس طرح ایک کل انسان کے تصرف مین ہوتی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے حکم دیتا ہے۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن.... الخ“ اب یہ کیسی ایمانداری ہے کہ آیت کو اور قرآن شریف کے ذکر کو بالکل اور عمداً ترک کر کے تحدی یہ کی ہے کہ کوئی آیت پیش نہین کی۔ ایسا ہی اسی مضمون کے جو استغفار پر لکھا گیا ہے صفحہ ۷۰ و ۷۱ پر عصمت کی بحث مین دوسرے اکثر مقامات پر ان آیات کا حوالہ دیا گیا ہے جنسے پایا جاتا ہے کہ انبیاء کے اقوال و افعال سب الٰہی سرچشمہ سے ہوتے ہین اور بار بار ان آیتون کا نقل کرنا صرف موجب طوالت ہے اس جگہ اتنا بیان کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہ حالت انبیاء کی استغفار کے کسی طرح منافی نہین بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ حالت دائمی استغفار کی حالت ہوتی ہے یعنی حفاظت

آلٰہی طلب کرینگی جب انسان اپنے آپکو خدا تعالیٰ کے ارادہ اور مرضی کے تابع کردیتا ہے۔ تو وہ یہ سمجھکر کرتا ہے کہ وہ اپنی طاقت سے کوئی نیکی کا کام نہین کرسکتا۔ اور اسلیئے اپنے آپکو آلٰہی آستانہ پر گرا دیتا ہے اور سب طاقت اس سب طاقتون والے خدا سے طلب کرتا ہے اسلیئے اس کو اس طاقت کے سرچشمہ سے استغفار کے ذریعہ سے غذا ملتی ہے اور پھر جو طاقت اسکے اندر کام کرتی ہے وہ اسکی اپنی طاقت نہین ہوتی بلکہ خدا کی طاقت ہوتی ہے +

اس کے بعد ہم اسیقدر اس اصول پر بحث کرینگے جو قرآن کریم کے معنے کرنے مین ملحوظ رکھنا چاہیئے جولائی کے پرچہ مین جو کچھ اسکے متعلق ہم نے لکھا تھا اسکو الف میم نے اپنے مطلب کیلیئے بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا لیا ہے۔ ہمنے کبھی یہ نہین لکھا کہ قرآن شریف مین جب ایک لفظ ایک ہی معنے مین آئے تو ضرور ہی ہر موقعہ پر اسکے وہی معنے لینے چاہیئے ہمنے یہ لکھا تھا جیسا کہ الف میم نے اپنی کتاب مین نقل بھی کیا ہے کہ "قرآن شریف خود اپنی تفسیر آپ کرتا ہے اور اسکے بعض حصے دوسرون پر روشنی ڈالتے ہین۔ جواب دیتے وقت ہم صرف قرآن کریم کے الفاظ کو ہی پیش کرینگے اور معنی کرنیمین انھین معنوں کو صحیح سمجھینگے جو قرآن شریف کو دوسرے حصونکے مخالف نہ ہون اور جنکا مؤید خود قرآن شریف ہو" یہ وہ اصول ہے جسے خود قرآن شریف نے بیان کیا ہے اس سچے اور صحیح اصول کو الف میم بگاڑ کر یون بناتا ہے کہ جب قرآن شریف مین کسی موقعہ پر ایک لفظ ایک خاص معنے مین استعمال ہوا ہے تو دوسری جگہ بھی اس لفظ کے وہی معنے لئے جاوینگے حالانکہ جب کوئی لفظ مختلف معانی برداشت کرسکتا ہو تو اسوقت اسکے معنے کسی خاص عبارت مین کرنیکے لئے خاص امور پر غور کرنا ہوگا۔

مثلاً قرآن کریم مین آیا ہے کہ شیطان کہتا ہے لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ مین ان سبکو گمراہ کرونگا سوائے تیرے مخلص عباد کے یہان جو لفظ گمراہ کرنیکے لئے استعمال کیا گیا ہے وہ "غوے" ہے جسکے معنے ہین غلطی کرنا یا سیدھے راہ سے

انحراف کرنا اور مایوس ہونا یا اپنی خواہش کو حاصل نہ کرسکنا وغیرہ وغیرہ اور اغوا کے معنے گمراہی میں ڈالنا وغیرہ وغیرہ انہی معنوں میں دئے ہوئے ہیں۔ اسلئے لفظ اغوینہم کے معنے گمراہی یا غلطی میں ڈالنے کے ہوئے لیکن ان لوگوں میں سے جنکو شیطان گمراہی میں ڈال سکتا ہے ایک خاص گروہ مستثنی کیا گیا ہے اور وہ گروہ خدا کے ان خاص بندوں کا ہے جنکو مخلصین کے نام سے یاد کیا گیا ہے جس لفظ کے معنے لین کی ڈکشنری میں ۱۲ سطر پر گئے ہیں کہ خدا کے وہ برگزیدے جو ہر ایک آلایش سے پاک ہیں اسلئے یہ جماعت ایسی ہے جسکو شیطان گمراہ نہیں کرسکتا چنانچہ اللہ تعالے بھی اسجگہ فرماتا ہے ھذا صراط علی مستقیم۔ ان عبادی لیس لک علیہم سلطان۔ گویا خدا اللہ تعالے شیطان کو فرماتا ہے جو [illegible] لیا اسکو تو نہیں بہکا سکتا اور نہ تو اسپر قابو پا سکتا ہے اسلئے یہ صفائی سے ثابت ہوگیا کہ قرآن شریف خدا کے برگزیدہ بندوں کی ایسی جماعت بیان کرتا ہے جو ہر آلایش سے پاک ہیں جنپر شیطان کا کوئی قابو نہیں چل سکتا اور نہیں وہ صراط مستقیم سے ایک بال کے برابر بھی نہیں پھیر سکتا یہ امر ظاہر ہے اور اسپر بحث کرنیکی کوئی ضرورت نہیں کہ اس ممتاز جماعت میں سب سے پہلے انبیاء کا ہی شمار ہے۔ اب قرآن شریف نے ایک اور جگہ فرمایا ہے ان اللہ اصطفی آدم ونوحا۔ یعنی خدا نے اپنے بندے آدم اور نوح کو چن لیا اور برگزیدہ کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے آدم کو بھی برگزیدہ قرار دیتا ہے اور پہلی آیت سے ظاہر ہے کہ شیطان برگزیدہ کو بہکا نہیں سکتا۔ یہ نتائج ایسے روشن ہیں جس طرح سورج اور ان الفاظ کے سوائے ان معنوں کے اور کوئی معنے بھی نہیں ہوسکتے۔ اسلئے یہ آیت محکمات میں سے ہے متشابہات کے معنے کرنے میں اس آیت کو مدنظر رکھنا ہوگا یعنی جہاں کسی آیت کے معنے دو طرح سے ہوسکتے ہوں تو وہ معنے اختیار کرنے ہونگے جو اس آیت کے معنوں سے مطابقت رکھتے ہوں چنانچہ اس اصول کو مدنظر رکھکر اب ہم آیت وعصی آدم ربہ فغوی

کے معنی کرتے ہین یہان اگر لفظ غوی کے معنی وہی لئے جاوین جو آیت مذکورہ بالا مین لئے ہین تو صاف ظاہر ہے کہ دونون آیتین ایکدوسرے کی نقیض ہونگی اسلئے ایسے معنے کرنے یہ کہنے کے برابر ہین کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کو رد کرتا ہے حالانکہ جو اصول قرآن شریف ہمین بتاتا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے کا موید ہے اور قرآن شریف مین اختلاف جائز نہین جیسا کہ فرمایا لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا گویا قرآن کریم نے الف میم جیسون کی بیہودہ حرکات اور نکتہ چینی کا جواب پہلے سے یون دے رکھا ہے کہ مجھے تو دعوے ہے خدا کیطرف سے ہونیکا پس مجھ مین اختلاف کیون تجویز کرتے ہو مین خدا کیطرف سے ہون اور مجھ مین کوئی اختلاف نہین۔ اب پہلی آیت سے یہ تو قطعی فیصلہ ہو گیا کہ اس آیت متنازعہ فیہا مین لفظ غوی کے معنی گمراہ ہوجانیکے نہین ہوسکتے کوئی اور معنے ہونے چاہئے یہ ممکن ہی نہین کہ پہلے تو خدا تعالے کہے کہ میرے برگزیدہ بندونکو شیطان گمراہ نہین کرسکتا اور پھر کہے کہ آدم کو جو میرا برگزیدہ بندہ تھا شیطان نے گمراہ کردیا لیکن لفظ غوی کے اور معنے بھی ہین چنانچہ لسان العرب کے علاوہ اب ہم لین صاحب کی ڈکشنری پیش کرتے ہین جس مین غوی کے یہ معنے بھی لکھے ہین کہ اسکی زندگی مصیبت مین پڑ گئی (یعنی اسکے آرام مین خلل آگیا) یا وہ مایوس ہوگیا اسلئے دوسری آیت مین ان معنون مین سے کوئی معنے لفظ غوی کے ہم کرسکتے ہین مگر ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ گمراہ ہونیکا مفہوم قطعاً ان معنون سے خارج ہے کیونکہ یہ مفہوم پہلی آیت کے مضمون کے خلاف ہے یہ معنی ہین اس فقرہ کے کہ قرآن شریف کا ایک حصہ دوسرے پر روشنی ڈالتا ہے اب یہ ایک ایسی دلیل ہے کہ ہزار مفسر کی رائے بھی اسکے خلاف کچھ نہین کیونکہ مفسرون کی رائین وحی الٰہی نہین ہین اور قرآن شریف کی صریح آیت کی تکذیب کرنا یا اسمین اختلاف ڈالنا اس طریق کو کوئی مسلمان اختیار نہین کرسکتا۔ چونکہ الف میم اسوقت قرآن شریف پر اعتراض اسکی سچائی کو مانکر کرہا ہے اسلئے اسے انھین باتون کا پابند ہونا ضروری ہے جنکا پابند

ایک مسلمان ہوگا ✤

آیت لاغوینہم اجمعین الا عبادک منہم المخلصین سے اور بڑے بڑے فوائد حاصل ہوتے ہین یہ قطعی طور پر اس بات کو ثابت کرتی ہو کہ خدا کے برگزیدونکو شیطان راہ راست سی کبھی نہین پھیر سکتا۔ اگر قرآن شریف مین اور کوئی آیت ایسی نہ بھی ہوتی جس سی انبیا علیہم السلام کی عصمت ثابت ہوتی تاہم یہ ایک ہی آیت ان سارے نتائج کی تردید کے لئے کافی تھی جو اس کے خلاف نکالے جاتے ہین کسی نبی کے متعلق قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کئے ہین انکے معنے کرنے مین ہمین صرف اس حد تک آزادی ہے کہ کوئی ایسے معنے انکے نہین ہو سکتے جنسے کسی نبی کیطرف گناہ کا ارتکاب منسوب کرنا پڑے کیونکہ اس آیت کے معنے تو سوائے اسکے کچھ اور ہو ہی نہین سکتے کہ اللہ تعالے نے اپنے بندون کی ایک خاص جماعت کو شیطان کے قابو سے باہر نکالکر خالص اپنے لئے بنا لیا ہے یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ دو لفظ ہین جنسے اس جماعت کو بیان کیا گیا ہے یعنی عبادک اور المخلصین۔ عباد کے معنی مراد ہین انکے عبد ہین اور عبد کے معنے پوری فروتنی اور عاجزی سی اطاعت کرنے کے ہین اسلئے عبد کے مفہوم مین عاجزی سے پوری پوری اطاعت کا مفہوم لازمی ہے اور عبد کے معنے مین غلام جو آقا کے ہر ایک حکم کو مانتا اور اسکی پوری فرمانبرداری اختیار کرتا ہے۔ لہذا عباد سے مراد وہ بندے ہین جو پوری عاجزی اور فروتنی سے خدا کے ہر ایک حکم کو مانتے ہین اور اسکے کسی حکم کی خلاف ورزی نہین کرتے (لفظ عباد صیغہ جمع ہے۔ یہ ہم اس غرض سے بیان کرتے ہین کہ مبادا کوئی یہ کہدے کہ اسجگہ مراد صرف بیٹے سے ہی) اگر شیطان نے یہ لفظ نہ بھی کہے ہوتے کہ خدایا تیرے مخلص عباد پر مجھے کوئی قابو نہین تاہم لفظ عباد ہی اس بات کو بتا رہا ہے کہ وہ خدا کے پورے پورے فرمانبردار ہین اور اسلئے شیطان کے فرمانبردار نہین ہو سکتے شیطان کی فرمانبرداری کرنیوالونکو قرآن شریف مین عبد الطاغوت کہا گیا ہے جس طرح پر عبد الطاغوت شیطان کی

فرمانبرداری کرتے اور خدا کے حکمونکی خلاف ورزی کرتے ہین اسی طرح پر عباد اللہ صرف خدا کے
احکام کو مانتے ہین اور شیطان کا انمین کوئی حصہ نہین ہوتا اسلئے وہ انکو گمراہ بھی نہین کرسکتا۔
لفظ المخلصین کا استعمال جو عباد کی تعریف مین ہوا ہی اس مضمون پر اور بھی روشنی ڈالتا ہے
اسکا مادہ خلص ہی جسکے معنے صاف ہونا پاک ہونا ہر ایک ملاوٹ سی یا کھوٹ سی پاک ہونا امن یا
حفاظت مین ہونا یا آزاد ہونا ہین اسلئے مخلصین وہ لوگ ہین جو ہر ایک میل کچیل سی اور کھوٹ سی
پاک کئے گئے ہون اور شیطان سی جو ملاوٹ کرنے والا ہے محفوظ لئے گئے ہون۔ چنانچہ اخلص للہ العمل
کے معنے ہین کہ اسکا عمل جو خدا کے لئے اسنے کیا ہر ایک کھوٹ اور ملاوٹ سی پاک تھا اور خالص خدا کیلئے
ہی تھا اور اخلصناھم بخالصۃ ذکری الدار جو قرآن شریف مین آیا ہی اسکے بھی یہی معنے
ہین کہ ہمنے ان کو ایک نہایت پاک صفت سی پاک کردیا ہے اور وہ کیا ہی دار آخرت کا یاد رکھنا۔ اسلئے
لفظ مخلصین کا عباد کی صفت مین لانا اس بات کو بتارہا ہی کہ اللہ تعالی یہ ظاہر کرنا چاہتا
ہے کہ اطاعت کا جو مفہوم عباد کی مین پایا جاتا ہے وہ ایسی اطاعت نہین جس مین غیر کی اطاعت
بھی ملی ہوی ہو بلکہ وہ اطاعت خالص خدا کی اطاعت ہی اور اس مین کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہین
مخلص جسکی جمع مخلصین ہی اسکے معنی جو لین نے اپنی ڈکشنری مین کئے ہین وہ ہم پہلے دیکھچکے ہین کہ اسکے
معنے ہین وہ جسے خدا نے چن لیا اور جو ہر ایک قسم کی آلایش سی پاک ہی اور یہ بھی اسکے معنے ہین کہ جو وہ کہے یا
کرے اپنے قول و فعل مین خالص اور بالکل پاک ہو۔ اب یہ بات نہایت آسانی سی سمجھ مین آسکتی ہی
کہ شیطان کا قابو ان لوگون پر نہین چل سکتا جو خدا کے ہاتھ سے پاک اور محفوظ کئے گئے ہون اور
جنکو فطرتاً ایک پاکیزگی نفس کی عطا کیگئی ہو جو ان سی جدا نہین ہوسکتی اور جنکے دلونکو ہر قسم کی بدی کے
خیال سی محفوظ کیا گیا ہو۔ ایسے لوگون پر شیطان کا کوئی تصرف نہین ہوسکتا اور وہ پیدایش سے ہی
پاک اور معصوم ہوتے ہین اس تمام بحث کا یہ یقینی نتیجہ ہی کہ ان لوگون کیطرف گناہ ہرگز منسوب نہین ہوسکتا

جنکو عباد اللہ اور مخلصین کہا گیا ہے خصوصاً اس حالت مین کہ جب کبھی کہ یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ شیطان کا انپر کوئی تصرف اور وہ کبھی شیطان کی اطاعت نہین کرتے ٭

جو کچھ ہمنے اوپر لکھا ہی اس سے نہ صرف یہی معلوم ہوتا ہے کہ لفظ غوی جہان حضرت آدم کیلئے استعمال ہوا ہے اسکے معنی وہان گمراہ ہونیکے نہین بلکہ اس سے صاف طور پر یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء جو سب سے پہلے مخلصین مین شامل ہین بالکل معصوم ہین۔ اور اس لئے قرآن شریف کی بہت سی آیتونکے معنے کرنے مین ہمین اس اصول کو مد نظر رکھنا ہوگا جو قرآن کریم نے ایک جگہ بیان کر دیا ہے اور ایسے صاف الفاظ مین بیان کیا ہے جنکے معنون مین کسی تاویل یا شبہ کی گنجایش نہین رہی یہی ہماری مراد تھی جب ہمنے کہا تھا کہ قرآن شریف بعض بعض کی تفسیر کرتا ہے مگر الٹ میم تے اسکو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہتے ہے اور وہ اس سے مراد یہ سمجھتا ہے کہ جب قرآن شریف مین ایک جگہ ایک لفظ کسی خاص معنے مین مستعمل ہوجائے تو پھر ہر جگہ اس لفظ کے وہی معنے لینے ہونگے لیکن یہ اصول ہمارا بیان کردہ نہین نہ کوئی سمجھدار آدمی اس سے متفق ہو سکتا ہے کیونکہ ہر جگہ لفظ کے معنے کرنے مین مختلف باتونپر غور کرنا ہوگا یہ نہین کہ ایک جگہ ایک معنے آگئے تو اب اندھا دھند ہر جگہ وہی معنے لگاتے چلے جائین ہم اس کی اور بہت سی مثالین دیسکتے ہین لیکن بالفعل صرف ایک مثال اور دیکر ہم اس بحث کو ختم کرتے ہین ٭

یہ مثال لفظ ظالم کے متعلق ہے قرآن شریف کی سورہ بقر مین اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔
واذ ابتلے ابراھیم ربه بكلمات فاتمهن قال انی جاعلك للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عهدی الظالمین ۔ ترجمہ جب ابراہیم کو اسکے رب نے احکام بھیجکر آزمایا تو ابراہیم نے ان سب احکام کو پورا کیا اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مین تجھپر لوگون کیلئے امام بناؤنگا ابراہیم نے عرض کیا اور میری ذریت مین سے بھی فرمایا ظالمونکو میرا عہد

پہونچ چکا ہے چونکہ لفظ ظالم مختلف معنون مین آیا ہی اسلئے سب سے پہلا امر قابل غور آیت مذکورہ
بالا مین یہ ہی کہ لفظ ظالم سے یہان کیا مراد لی گئی ہی۔ مضمون آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کو
اللہ تعالے نے جب دیکھ لیا کہ وہ اسکے پورے طور پر فرمانبردار ہین اور احکام الٰہی کی بجا آوری مین
انکی طرف سے کوئی کوتاہی نہ کبھی تو عنایت الٰہی نے انکو اس قابل دیکھا کہ امامت یعنی نبوت کا منصب عطا
فرمایا۔ پھر جب حضرت ابراہیم نے دعا کی کہ میری اولاد مین بھی نبی مبعوث فرمائے جاوین تو خدا تعالے
نے فرمایا کہ ان مین بھی نبی بناؤنگا لیکن انکو نہین جو ظالم ہون۔ اس لفظ کے اسجگہ معنی کا فیصلہ
کرنے سے پہلے ہمین دیکھنا ہی کہ حضرت ابراہیم نے کیا کام کیا تھا جو انکو نبوت عطا کی گئی کیونکہ ظالم
مین اسکا خلاف ہونا چاہیے۔ وہ کام احکام الٰہی کی کامل طور پر فرمانبرداری تھی جسکا اسی آیت مین
ذکر ہے اسلئے لفظ ظالم سے مراد لا محالہ اسجگہ پر یہی ہونگے کہ جس سے احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری
مین کوئی نقص سرزد ہو۔ اب لغت کو دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ ظالم کے ایک معنی یہی ہین جو اس آیت
سے ثابت ہوتے ہین پس اس مین کوئی شک نہین کہ ظالمین سے اس جگہ وہ لوگ مراد ہین جو کسی حکم الٰہی
کی عمداً نافرمانی کرتے ہین اب اس لفظ کے معنے سمجھ لینے سے ایک نہایت ضروری اور
یقینی اصول ہمارے ہاتھ مین آجاتا ہے۔ ابراہیم کو حکم ہوتا ہی کہ تیری اولاد مین سے اسی کو نبی بناؤنگا
جو میرے حکمونکا کامل طور پر فرمانبردار ہو۔ لیکن اللہ تعالے نے اسکو ایک عام رنگ مین یہ بیان
کیا ہے کہ **لا ینال عہدی الظالمین** جسکے معنی یہ ہوئے کہ میرا عہد ظالمونکو کبھی نہین پہونچتا
اسکے یہ معنے تو ہو ہی نہین سکتے کہ اس سے پہلے خدا تعالے ظالمون کو نبی بنا دیا کرتا تھا مگر اب
آئندہ کیلئے اسنے ایک نیا اصول بنا دیا ہی خدا تعالے کے قانون اٹل اور لاتبدیل ہین خود حضرت
ابراہیم کو بھی اولاد کیساتھ یہ وعدہ ہوتا ہی اسیوقت نبوت عطا ہوئی جب انہون نے احکام الٰہی
مین کامل فرمانبرداری دکھائی چنانچہ انکے متعلق لفظ ہین فاتمھن یعنی سب کے سب احکام کو پورا

کیا اور خدا کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کیا اسلئے خدا تعالےٰ نے یہاں اپنی ایک سنت بیان کی ہو کہ میں ظالم کو
کبھی نبی نہیں بناتا۔ اب اگر ہم اسی کلام میں جس نے خود یہ اصول بیان کیا ہو کسی نبی کے متعلق لفظ ظلم
کا استعمال پاویں تو ہم اسکے معنے حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے کیونکہ ایسے معنے قرآن شریف کے
اپنے بیان کردہ اصول کی نقیض ہیں بلکہ ایسے موقعہ پر لفظ ظلم کے اور کوئی معنے کرینگے کیونکہ یہ لفظ ایسا ہے
کہ اسکے مختلف معنے ہوسکتے ہیں۔ اس آیت سے ہمیں صرف یہی پتہ نہیں لگتا کہ قرآن شریف میں اگر کسی
نبی کے متعلق لفظ ظلم کا استعمال ہوا ہو تو اسکے کیا معنے ہونے چاہئیں بلکہ یہ ایک قطعی شہادت انبیاء
علیہم السلام کی عصمت پر ہے اور اسلئے ہم اس سے ان تمام آیتوں کے معنے کرنے میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں
جن سے ہمارے مخالف انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال کرتے ہیں۔ اب یہ کوئی کہے کہ معنے کرنے میں یہ اصول
مد نظر نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اگر لفظ ظلم ایک جگہ ایک معنے میں استعمال ہوا ہے تو ہر جگہ قرآن شریف میں
اسکے وہی معنے مراد لینے چاہئیں تو یہ محض جہالت ہے۔ الغرض یہ کہ قرآن شریف کے معنے کرنے میں اس امر کو مد نظر
رکھیں کہ ایک آیت دوسری آیت کے مضمون کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس اصول کو مد نظر رکھکر قرآن شریف کے الفاظ
کے معنے بتاویں تو وہ تمام آیتیں جنسے انبیاء کے گنہگار ہونیکا استدلال کیا جاتا ہے بالکل صاف ہو
جاتی ہیں۔ سچا اصول یہی ہے کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ دوسرے کے مخالف نہیں۔ اسلئے جب اس میں
ایک دفعہ اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا کہ انبیاء ظالم نہیں ہوتے اور وہ ایسے ہوتے ہیں کہ شیطان انکو راہ راست سے
پھیر نہیں سکتا اور کوئی خدا کے حکم کی نافرمانی کرنیوالا نبی نہیں ہوسکتا تو پھر کسی لفظ یا آیت
سے اسکے خلاف نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا بلکہ معترضین اس اصول کو مد نظر رکھکر اعتراض کرتے تو انہیں سب
اعتراضات کا جواب خود بخود قرآن شریف سے ہی مل جاتا۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی زبان کے الفاظ کا مختلف
معانی کیلئے استعمال ہونا اسکی بڑی خوبی ہے لیکن یہی بات ہے کہ معترض ٹھوکر کھاتے ہیں عربی زبان
اس بات میں ہر ایک زبان پر فوقیت رکھتی ہے اور معترضین اسی سے ٹھوکر کھاتے ہیں لیکن انکو مشکل

خاطر انکو یہ سب کام کرنے پڑتے ہیں - وہ اپنی کتابوں میں یہ لکھا ہوا پڑھتے ہیں کہ خود مسیح نے پطرس حواری کو شیطان کہا لیکن تو بھی انکو کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوتا مگر جب حضرت آدم کے متعلق لفظ ظلم انکو ملجاتا ہے تو اسکو بڑی فتح سمجھتے ہیں کہ اب آدم گنہگار ہوگیا حالانکہ خود قرآن شریف ایسے صحیح . صاف الفاظ میں جنکے اور کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے یہ فرماتا ہے کہ خدا کے نبی کبھی خدا کے حکم خلاف نہیں چلتے اور لفظ ظلم کے ایسے معنی لغت کی کتابوں میں موجود ہیں جو قرآن شریف کے بیان کردہ اصولوں کے بالکل مطابق ہیں یوں پادری صاحبان مچھر چھانتے ہیں اور اونٹ نگل جاتے ہیں ۔

یہ دلائل الف میم اور ایمسن کے اعتراضوں کی تردید کیلئے کافی ہیں لیکن اس مضمون کو پورا کرنیکے لئے انکے چھوٹے چھوٹے اعتراضوں کا جواب بھی مختصر طور پر اب ہم دیتے ہیں ایمسن اپنے اعتراضوں کے شروع میں لکھتا ہے کہ (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت انبیا کے بے خطا ہونے پر موقوف ہے اور لکھتا ہے کہ یہ امر سب کے نزدیک مسلم ہے گذشتہ پرچہ میں الف میم کے دیباچہ کا جواب دیتے وقت ہم نے واضح طور پر بیان کیا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ایک ثابت شدہ امر ہے اور اسلئے اسکی عصمت پر ہمیں اور کوئی دلیل دینے کی ضرورت نہیں - اصل میں اس بحث کے ختم کرنیکی ایک نزدیک راہ ہے مگر اسلئے کہ وہ نزدیک راہ ہے عیسائی اسکو اختیار کرنا پسند نہیں کرتے کہ عصمت شفاعت کا جزو ہے اور اسلئے اگر شفاعت کا ثبوت قطعی ہاتھ میں آجائے تو عصمت خود ثابت ہو جاتی ہے برعکس اسکے محض عصمت شفاعت کیلئے کافی نہیں ہے کم از کم مسلمانوں کے نزدیک کیونکہ ہر ایک معصوم شفیع نہیں ہو سکتا چنانچہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ثبوت جو اس دنیا میں آپ نے دکھلائے پیش کئے تو عیسائی صاحبان سے یہ سوال کیا تھا کہ مسیح کی شفاعت کا بھی کوئی ایسا [illegible] پیش کریں لیکن عیسائیوں نے اسکے برعکس طریق اختیار کیا ہے اور اسلئے ہم بھی اسی طریق پر اب انکے اعتراضوں کا جواب دیتے ہیں اسکے بعد ایمسن آدم اور داؤد وغیرہ کے تذکرہ کو لیتا ہے اور انہی

دو مثالون سے عصمت کے کل سوال کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر آدم اور داؤد گنہگار ہون تو گنہ گار کو چاہیے کہ وہ نجات کیلئے کوئی اور ذریعہ تلاش کرے۔" معلوم ہوتا ہے پادری صاحب نے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اگر مسیح کے علاوہ ایک شخص بھی ایسا ثابت ہو جائے جسکی عصمت پر عیسائی حملہ نہ کرسکین تو انکے ہاتھ مین خاک بھی نہین رہتی اور تعجب یہ ہے کہ یسوع کی عصمت کو ثابت نہین کرسکتے جس صورت مین ہم قرآن شریف سے یہ دکھلاتے ہین کہ شیطان کا انبیاء علیہم السلام پر تصرف نہین ہوتا اور خدا ظالم کو نبی نہین بناتا جس سے انبیاء علیہم السلام کی بالعموم عصمت ثابت ہوتی ہے تو اسکی تردید ایک یا دو نبیونکو لیکر نہین ہوسکتی انکو یہ ثابت کرنا چاہئے کہ قرآن شریف مین ایسی آیات ہین جن مین عام طور پر انبیاء علیہم السلام کو گنہگارون کی جماعت کہا گیا ہو یا یہ نہ ہو تو کم از کم انکا فرض ہے کہ جسقدر انبیاء کے قرآن شریف مین نام آئے ہین ان سبکو گنہگار کہا گیا ہے لیکن ان دونون باتون مین سے وہ کسیکو بھی ثابت نہین کرسکتے تعجب ہے کہ کبھی ان لوگونکے دلمین یہ خیال نہین آتا کہ قرآن شریف تو کھلے لفظون مین انبیاء کی نسبت بار بار فرماتا ہے کہ وہ خدا کے حکمونکے خلاف نہین چلتے اور اعلے سے اعلے درجہ کی تعریف کے الفاظ مین انکی تعریف کرتا ہے اور انکے اقوال و افعال کو الٰہی سرچشمہ سے نکلے ہوئے بیان کرتا ہے اور اسکے برعکس ایک آیت بھی ایسی نہین جسمین سی عمومیت سے انبیاء کو گنہگار کہا گیا ہو یا خدا کے حکمونکو نہ ماننے والے کہا گیا ہو۔ اور جب یہ صورت ہے تو ہر طالب حق و بے تعصب محقق کا فرض ہے کہ جہان کسی خاص نبی کے خاص فعل کا ذکر ہے اسکے معنی کرنیمین ایسا طریق اختیار کرے جو انبیاء کی عام تعریف کے مطابق ہو اسلئے ہم بار بار اسبات پر زور دیتے ہین کہ پادری صاحبان قرآن شریف سے ایک ہی ایسی آیت پیش کرین جسمین انبیاء کو عمومیت کے ساتھ گنہگار کہا گیا ہو اور جبتک وہ ایسی آیت پیش نہین کرسکتے تو کسی ایک فعل کی بنا پر جسکے مختلف معنے ہوسکتے ہین کسی خاص نبی پر حملہ کرنا اصول مناظرہ کے خلاف اور مباحثہ کی ایک ... ہے ہم ضروری تشریح کر ... تعجب ہے کہ اگرچہ ... بارہا اس امر کیطرف توجہ دلائی ہے اور ان پہلے مضامین جنکی تردید بھی ...

لکھی ہو لیکن اس ضروری بات کو وہ ایسا ٹال جاتے ہین کہ گویا پیش ہی نہین ہوئی ✦

اب ہم ان اعتراضونکو لیتے ہین جو پادری امین نے حضرت آدم کی عصمت پر کئے ہین اور چونکہ امین اور الف میم کے اعتراض قریبًا قریبًا ایک ہی ہین اور انمین سے بعض اعتراضات کا جواب پادری مانز دکو ہم دے چکے ہین اسلئے ہم ان اعتراضون کا جواب دیتے وقت الف میم کو مخاطب کرنیکی ضرورت نہین سمجھتے ہان اگر کوئی ضروری امر ایسا ہوگا جو امین صاحب نے پیش نکیا ہو تو اسوقت ہم الف میم کو جواب دینگے۔ پادری امین سب سے پہلے آیت ولقد عھدنا الی ادم من قبل فنسی ولم نجد لہ عزما کو لیتا ہی اسکے معنی کرنے مین وہ امام رازی کی سند پیش کرتا ہی لیکن جہانسے رازی اور کشاف کا حوالہ لیتا ہی وہان نسیان کے دو معنے لکھے ہین یعنی اول ماھو نقیض الذکر (بھول جانا) اور دوسرا ترک (چھوڑ دینا) اور دونون نے اول الذکر معنونکو پہلے بیان کرکے یہ ظاہر کردیا ہی کہ انکے نزدیک ترجیح اول معنی کو ہی یعنی بھول جانا۔ امام رازی انھین معنونکے نیچے حسن رحمۃ اللہ کا یہ قول نقل کرتے کہ خدا کی قسم ہی آدم نے خلاف ورزی حکم الہی کی نہین کی مگر بھول جانیکے باعث۔ اگر یہ ترجیح نہ بھی پائی جاتی تو بھی ہمارا فرض ہی کہ ہم ایسے معنی کرین جو ان آیتونکے مخالف نہون جنمین انبیاء کو معصوم کہا گیا ہی اور علاوہ ازین جب وہ نسیان کے معنے ترک کے دیتے ہین تو انکی یہ مراد نہین ہوتی کہ حضرت آدم نے گنہگارونکی طرح حکم الہی کی نافرمانی کی بلکہ اسوقت وہ اسے اجتہادی غلطی قرار دیتے ہین اب امین صاحب اس معنی کو جسکو ترجیح دیگئی ہی ترک کرکے صرف دوسرے معنے کو پیش کرتے ہین اور وہ بھی الٹے رنگ مین اور اس طرح پر ناظرین کو دھوکہ دیتے ہین۔ علاوہ ازین جہان امام رازی نسیان کے یہ دو معنی دیتے ہین وہ صرف مختصر طور پر دو مختلف راؤن کا جو علما کے درمیان ہین اظہار کرتے ہین اور مفصل بحث کیلئے سورۂ بقرہ کا حوالہ دیتے ہین۔ اسجگہ انھون نے ان دونون راؤن پر مفصل بحث کی ہی پہلے وہ اس صورت پر بحث کرتے ہین کہ حضرت آدم بھول گئے اور اسکی مثال دیتے ہین جو روزہ رکھتا ہی مگر بھولکر کھا پی لیتا ہی ایسی

صد مین کبھی یہ نہین کہا جاتا کہ اسنے گناہ کیا اسکے بعد وہ دو اعتراض بیان کرتے ہین جو ان معنونپر کئے گئے ہین اور دونون کی تردید کرکے دکھاتے ہین کہ یہ اعتراض صحیح نہین ہین اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ وہ انھین معنونکو ترجیح دیتے ہین یہ ہم صرف اسلئے لکھتے ہین تا ایسن صاحب کی غلط بیانی کو ظاہر کرین ورنہ اگر امام رازی اس معنی کو ترجیح نہبھی دیتے تاہم اس معنی کی تائید مین دلائل اسقدر زبردست موجود ہین کہ کوئی انصاف پسند طبیعت انکو رد نہین کریگی۔ مذکورہ بالا دو اعتراضونمین سے پہلے اعتراض کا جواب دیتے وقت امام رازی لکھتے ہین۔ "ہم اسبات کو تسلیم نہین کرتے کہ آدم اور حوا نے ابلیس کی بات کو مان لیا نہ ہی یہ کہ انھون نے اسکو صادق سمجھا آیت مین کوئی ایسا لفظ نہین جس سے معلوم ہو کہ آدم اور حوا نے یہ کام اسیوقت کیا جب ابلیس کے لفظ سنے یا بعد مین اور اسبات کا ثبوت کہ آدم جانتا تھا کہ ابلیس اسکا دشمن ہی قرآن شریف کی یہ آیت ہے اِنَّ ھٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ اسکے بعد امام رازی اس پہلو پر بحث کرتا ہی کہ حضرت آدم کا یہ فعل عمداً تھا اس صورت مین نسیا کے معنے ترک کے کئے جاوینگے پھر اس مین چار مذہب بیان کئے گئے ہین اور ان دو کو جو حضرت آدم کی طرف گناہ عائد کرتے ہین رد کیا گیا ہے +

افسوس ہی کہ اسقدر مضمون ایک غیر ضروری بحث کیلئے ہمین لکھنا پڑا لیکن پادری صاحبان کی غلط بیانی نے ہمین اس طریق کے اختیار کرنیکے لئے مجبور کیا ہی کیونکہ اگر انکی غلطی کو ظاہر نکیا جاوے تو پھر انکی باتین سچی سمجھی جاوینگی اسکے بعد عزم کے معنونپر اعتراض کیا گیا ہی اسکا مفصل جواب پادری لمز والے مضمون مین ہم دے چکے ہین اور اسلئے اسکا دہرانا ضروری نہین ...... اس سے پہلے ہم سند مین پیش کر چکے ہین کہ کیونکر ہم نے وہ معنے لئے ہین جو وہان بیان کئے گئے ہین۔ یہان اسجگہ الف میم کا ایک اعتراض قابل غور ہی وہ کہتا ہی کہ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ حضرت آدم اولوالعزم انبیا مین سے نہ تھے یہ اسی قسم کی ایک غلط فہمی معانی الفاظ کے متعلق ہی جیسے ہم اوپر بیان کر چکے ہین کیونکہ

لفظ عزم دونون جگہ ایک ہی معنون میں نہین آیا اس آیت کے متعلق کہ فاصبر کما صبر اولوا العزم
من الرسل مفسرین کی دو رائین ہین بعض کہتے ہین کہ اس سے مراد کل انبیاء ہین اور من تبیین کے
لئے ہے نہ تبعیض کیلئے یہ رائے دوسری رائے پر ترجیح رکھتی ہے جسکے رو سے بعض انبیاء اولوا العزم ہین اور
بعض نہین اور اسکے کئی وجوہات ہین اول تو یہ کہ قرآن شریف کل نبیون کا نام نہین لیتا تا کوئی یہ کہسکے کہ فلان
فلان نبی اولوا العزم ہین اور فلان نہین۔ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ منہم من قصصنا علیک
ومنہم من لم نقصص علیک یعنی بعض نبیون کا ہمنے ذکر بھی نہین کیا۔ دوئم بعض انبیاء
کو اولوا العزم کی تعریف مین داخل نہ سمجھنا ان آیات کے خلاف ہے جنمین کل انبیاء کی عصمت کا ذکر ہے
سوئم مختلف نام اولوا العزم انبیاء کے تجویز کئے جاتے ہین اور اس امر پر کبھی اتفاق نہین ہو سکتا کہ فلان
فلان نبی ضرور اولوا العزم ہین اور دوسرے ضرور ہی اس تعریف سے خارج ہین اسلئے احسن طریق یہی ہے کہ سب
انبیاء کو اولوا العزم سمجھا جائے بلکہ عیسائیون کو لے تو ایک اور مشکل بھی ہے یعنی یہ کہ کم سے کم نام انبیاء کے
جو اولوا العزم کی فہرست مین داخل سمجھے گئے ہین ان مین حضرت مسیح شامل نہین ہین اسلئے وہ بھی
حضرت آدم کیطرح انہین مین سے سمجھے گئے ہین جنمین عزم نہین پایا گیا یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو
پورا کرنیکا انمین عزم نہین تھا چنانچہ صرف چار انبیاء اس طرح اولوا العزم سمجھے گئے ہین جو بعض کے
نزدیک حضرت نوح۔ ابراہیم۔ موسیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہین اور بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ
کی بجائے انمین حضرت ہود شامل ہین لیکن دونون مین حضرت مسیح شامل نہین ہین حالانکہ الف میم
صاحب کے عجیب استدلال کے رو سے صرف وہی ایک شخص تھا جو قرآن شریف اور حدیث کے رو سے معصوم
تھا گیا بعض مسلمانون نے حضرت مسیح کو اولوا العزم مین بھی داخل نہین سمجھا اور اسلئے اگر حضرت آدم
مین الف میم کے معنون مین عزم نہین پایا گیا تو حضرت مسیح بھی اس عزم سے خالی ہین الف میم کی اس
بحث سے ایک اور نتیجہ خیز بات پیدا ہوتی ہے اسکے نزدیک حضرت آدم نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی اور اسلئے

وہ اولوالعزم انبیار مین سے نہ سمجھا گیا اسکا صاف نتیجہ یہ ہو کہ اولوالعزم وہی نبی ہین جنھون نے کبھی حکم الٰہی کی نافرمانی نہین کی لیکن چونکہ قرآن کریم صاف الفاظ مین اولوالعزم انبیار کا ذکر کرتا ہو اسلیئے اگر الف میم کی بات کو بھی مان لیا جاوے تو بھی بعض انبیار تو قرآن کریم کے نزدیک ضرور معصوم ٹھہرے لیکن چونکہ رسولون مین اس قسم کی تفریق کو قرآن شریف نے جائز نہین رکھا اسلیئے اگر بعض انبیار معصوم ہین تو کل معصوم ہین اور یہ نتیجہ الف میم کی اپنی بحث کا ہے +

اسکے بعد الف میم صاحب آیت **عصےٰ ادم ربہ فغوٰی** کے معنی پر بحث کرتے ہین ہمنے کبھی اس سے انکار نہین کیا کہ عصیان کے معنے نافرمانی ہین ہمنے تو یہ لکھا تھا کہ جہان ایک طرف اللہ تعالےٰ نے آدم کے اس فعل کا نام عصیان رکھا ہو خود ہی یہ بھی کہدیا کہ وہ بھول گئے تھے قرآن شریف مین جو کھانے کی چیزون کی متعلق ممانعت کا حکم ہے اس مین ہم دوسری تو اہم مین خداتعالی نے ایک خاص اشیا ذکر کیا ہو انکی ممانعت کا حکم قرآن کریم مین چار جگہ ہو دو جگہ حکم کو بیان کرکے اسکے بعد یہ استثنا دیا گیا ہو **فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فان اللہ غفور رحیم** دوسری جگہ ہو **فان ربک غفور رحیم** یعنی جو کوئی مضطر ہو جائے لیکن حکم کو توڑنے کی خواہش نہ رکھتا ہو اور نہ حد سے گذرنیوالا ہو تو اللہ غفور رحیم ہو تیسری جگہ جہان یہ استثنا بیان کیگئی ہو وہان یہ لفظ ساتھ اور بڑھا دیئے گئے ہین **فلا اثم علیہ** کہ اسپر کوئی گناہ نہین اس استثنا مین یہ امر غور طلب ہے کہ قرآن شریف فرماتا ہو کہ ایسے شخص کا گناہ کوئی نہین اور اللہ غفور ہے اب اگر لفظ غفر کے معنی جیسا کہا جاتا ہو گناہونکی معافی کے سوا اور کچھ نہین تو غفور کے معنی بھی بھی صرف یہی ہوسکتے ہین کہ جو گناہ سرزد ہوچکے ہین انکا معاف کرنیوالا لیکن ان معنونکے رو سے لفظ غفور یہان استعمال نہین ہوسکتا کیونکہ خداتعالی خود فرماتا ہو کہ ایسے شخص کا کوئی گناہ نہین اور جب گناہ نہین تو معاف کیا چیز ہوگی اس سے صاف معلوم ہوتا ہو کہ لفظ غفر کے معنی صرف گناہ کی معافی کے نہین بلکہ انسانی فطرتی کمزوری جس سے انسان گناہ مین پڑتا ہے اس کو [illegible] بھی ہین ورنہ اسکے کیا معنی کہ خدا اس شخص

کیلئے غفور ہی جسنے کوئی گناہ نہین ۔ اس سے استغفار کے معنے پر روشنی پڑتی ہی لیکن اسجگہ یہ بحث ہمارا مقصود نہین ہی چوتھی جگہ اسی استثنا کو ان لفظون مین بیان کیا گیا ہی فمن اضطر فی مخمصة غیر متجانف الاثم فان الله غفور رحیم ۔ جو کوئی مضطر ہو جائے بھوک سے لیکن گناہ کیطرف جھکنے والا نہو تو اللہ غفور رحیم ہی اس سے بھی استغفار کے معنے کے متعلق وہی نتیجہ پیدا ہوتا ہے جو اوپر بیان ہوا ۔ ان استثناؤنکو ہمنے اسلئے بیان کیا ہے کہ قرآن شریف مین جہان جہان کھانیکی چیزون کی ممانعت کا ذکر ہی وہان ضرور اس استثنا کو بھی بیان کیا ہی لیکن دوسری نواہی کیساتھ اس استثنا کو ہرگز بیان نہین کیا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ کھانیکی چیزونکے متعلق خدا تعالی نے انسانی کمزوری کو مد نظر رکھکر ایکیا جازت دی ہی جو دوسری نواہی کے متعلق نہین دی ۔ اب حضرت آدم کو جو حکم تھا وہ بھی کھانیکے متعلق ہی تھا کہ فلان درخت کا پھل نہ کھانا لیکن ایسی صورتمین خدا تعالی نے یہ فرمادیا ہی کہ جو شخص مجبوری کیحالتمین کھاتا ہی وہ گناہ کا مرتکب نہین اگرچہ یہ عیان ہی کہ خدا تعالی کی نہی کی خلاف ورزی تو اس سے ہو گئی اب بھولجانا اگر اضطرار کیحالت سے بڑھکر نہین تو کم از کم اس جیسا عذر تو ضرور ہی اور اسلئے حضرت آدم کا فعل گناہ نہین کہلا سکتا حضرت آدم کے متعلق یہ لفظ کہ وہ ایسا کہین باغ یا عاد تھا یعنی حکم الہی کو توڑنیکی خواہش رکھنیوالا یا حد سے گذرنیوالا کہین نہین آئے حضرت آدم کی دعا کے الفاظ بھی اللہ تعالی کی ان صفات کے مطابق ہین جو استثناء مذکورہ بالا کے بعد بیان ہوئے ہین یعنی غفور اور رحیم ۔ کیونکہ حضرت آدم بھی یہی دعا کرتے ہین کہ ان لم تغفر لنا و ترحمنا اور اسطرح اللہ تعالی کی صفات غفر اور رحم سے ہی پناہ مانگتے ہین اور یہی وہ صفات ہین جو اس شخص کیلئے حرکت مین آتی ہین جو مضطر ہوکر ممنوع کھانیکی اشیاء مین سے کوئی چیز کھا بیٹھے اس تمام تحقیقات سے ظاہر ہے کہ حضرت آدم کا فعل گناہ ہرگز نہین کہلا سکتا +

اعتراض کا دوسرا حصہ لفظ غوی کے معنے کے متعلق ہی اور ہمین پھر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اسکی تر

تردید بھی اس سے پہلے ہو چکی ہے ایسا ہی یہ بھی خیال ہے کہ لسان العرب مین جو غوی کے معنی "فسد علیہ عیشہ"
لکھے ہین اسکے معنے سمجھنے ٹھیک نہین کیونکہ اسمین شک نہین کہ فساد کے معنے وہ بھی ہین جو ایسن صاحب نے لکھے ہین
لیکن اس لفظ کے معنے کسی قسم کا خلل واقع ہونا بھی آتے ہین جیسے کہ کم ازکم لین کی ڈکشنری کو دیکھا جا
سکتا ہے ایسن کے نزدیک اس فقرہ کے صحیح معنے یہ ہین کہ اسکی زندگی پاکیزگی کی حالت بگڑ گئی یعنی وہ ناپاک
زندگی بسر کرنے لگا۔ ایسے خیال پر قرآن شریف لعنت بھیجتا ہے اور ایسے الفاظ سے اسکے سوائے اور کوئی نتیجہ نہین
نکل سکتا اب ہم ان وجوہات کو بیان کرتے ہین جنکی بنا پر ہمنے اس فقرہ کے یہ معنے کئے تھے کہ اسکے امن مین خلل
آگیا جس جنت مین حضرت آدم رکھے گئے تھے اسکے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہے ان لک الا تجوع
فیہا ولا تعری وانک لا تظمؤا فیہا ولا تضحی اس جنت مین ہم تجھ کو یہ آرام دیتے ہین
کہ یہان نہ تو بھوکا ہوگا نہ ننگا اور نہ تجھے پیاس لگیگی۔ نہ دھوپ ۔ یہ آرام کی زندگی کا نقشہ ہے جو اسے جنت
مین حاصل تھی۔ اور اسے ہم امن کی زندگی نہ کہین تو اور کیا کہین اسی امن کی حالت مین جو حضرت آدم کو
میسر تھی ممنوع درخت کے کھانے سے خلل آیا اور اسکو روح کی پاکیزگی یا پلیدی سے کچھ تعلق نہین بلکہ یہ زندگی
کی ایک خاص حالت کا نقشہ ہے جو بعد مین جب حضرت آدم کو وہ جنت چھوڑنا پڑا بدلگیا کیونکہ اس جنت
سے باہر یہ آرام اسکو نہ مل سکتے تھے کہ نہ بھوک لگے نہ پیاس نہ دھوپ چنانچہ جہان خدا تعالی نے حضرت
آدم کے دانہ کھانیکا ذکر کیا ہے وہان ساتھ ہی اسکا یہ فوری نتیجہ لکھا ہے کہ فبدت لہما
سوأتہما یعنے انکا ننگا ہونا انپر ظاہر ہو گیا اسی کے مطابق اللہ تعالی حضرت آدم کو فرماتا ہے
فلا یخرجنکما من الجنۃ فتشقی شیطان تمہین جنت سے نہ نکالدے جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ
تو تکلیف مین پڑ جاوے گا اسی بات سے اللہ تعالی نے حضرت آدم کو پہلے متنبہ کیا تھا کہ تو تکلیف مین پڑ
جاویگا اور اسی تکلیف مین پڑ جانیکا اقرار حضرت آدم نے ان الفاظ مین کیا ربنا ظلمنا
انفسنا یہ کوئی سزا نہ تھی بلکہ الہی نتیجہ اس فعل کا تھا جو حضرت آدم سے ہوگیا خواہ بھولکر ہی ہوا

پس اس تمام بحث سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جو امن حضرت آدم کو اس جنت میں حاصل تھا ممنوع پھل کھانے سے اسمین خلل آگیا ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے ممنوع پھل کھانے کے متعلق ہم کل بحث اس سے پہلے کر چکے ہیں اور انکے باقی اعتراضوں کا جواب جو حضرت آدم کے متعلق یا بعد مسیح حضرت داؤد کے متعلق ہیں اب دیتے ہیں۔ ان الزامات کا مفصل جواب ہم بذریعہ ریویو آف ریلیجنز دے چکے ہیں اور ایسن یا الف میم دونوں میں سے کسی نے ہماری ایک دلیل کا بھی جواب نہیں دیا اور نہ جواب دہی کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ہمنے دس دلائل اس دعوے کے اثبات میں دیئے تھے کہ سورہ اعراف کی آیت زیر بحث میں آدم اور حوا کا ذکر نہیں ہے لیکن ہر دو معترضین نے جنکا دعوے یہ ہے کہ وہ ہمارے مضمون کی تردید کر چکے ہیں ایک دلیل پر بحث نہیں کی۔ شاید ہم یہ کہنے میں غلطی پر نہیں کہ اس طریق بحث سے یہ لوگ پبلک کو دھوکہ دے رہے ہیں یعنی اس امر کو جانتے ہوئے کہ انھوں نے تردید کوئی نہیں کی۔ کتابوں میں اور اخباروں میں مضمون اس رنگ میں لکھ رہے ہیں کہ گویا ہمارے دلائل کی تردید کر چکے ہیں مشکل یہ ہے کہ اگر مباحثہ اسی صورت میں چلا جائے تو کبھی ختم نہیں ہو سکتا چونکہ بے ضرورت ان مضامین کو طوالت دینا فضول ہے اسلئے جو دلائل ہم پہلے دے چکے ہیں اور جنکا اب تک کوئی جواب نہیں دیا گیا انکو ہم اسجگہ نہیں دہرائینگے ناظرین کو چاہیئے کہ مضمون کو پورے طور پر سمجھنے کیلئے پہلے مضامین کو ساتھ پڑھیں +

الف میم روحانی امور میں قدم قدم پر ٹھوکر کھاتا ہے۔ اسکے طریق مناظرہ سے یہی سمجھ آتا ہے کہ وہ کسی اور کام کیلئے بنایا گیا ہے اسکے نزدیک یہ ناممکن ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں میں چل سکے اور اسکے نزدیک صالحین کبھی گناہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے بلکہ ہر ایک آدمی جو دنیا میں پیدا ہو شیطان کے قابو میں چلا آیا ہے اسلئے اسے اس بات سے بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم صالحین کے متعلق بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو گناہ سے محفوظ کر دیتا ہے صرف اگر وہ صالح کے معنے ہی کسی لغت کی کتاب میں دیکھے

لیتا تو ایسا اعتراض جسکی وجہ صرف ناواقفیت ہی نکتا۔ صالح کے معنی ہین ایسا انسان جو نیک ہو کسی قسم کا فساد اپنے اندر نہ رکھتا ہو۔ راستباز ہو۔ پاک ہو۔ اور نیک کام کرنیوالا ہو۔ قرآن شریف انبیاء کو صالحین مین سے قرار دیتا ہی اور نہ ہی جیسا کہ پادریونکا خیال ہی حضرت مسیح کو مستثنےٰ کرتا ہی کہ وہ صالحین مین سی ایک نہ تھے بلکہ انکو خصوصیت سے من الصالحین کہا ہی یعنی وہ بھی صالحین مین سی ایک تھی اور یہ کلمہ تعریف کے موقعہ پر استعمال کرتا ہی تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ حضرت مسیح کو تو صالحین مین سی ہونیکا فخر ہو اور انکے جھوٹے پیروؤنکو آج شرم آتی ہو کہ نہین صالحین مین ایک سمجھین۔ اور اس سی زیادہ تعجب یہ ہی کہ جب صالح کے معنے ہی یہ ہین کہ وہ راستبازی اور نیکی کی راہ پر ہین جیسے والا اور فساد سی خالی ہو تو انکو معصوم کہنے پر اعتراض کیسا۔ ہان پادری صاحب لغت پر یہ اعتراض کرین کہ کیون اسکے معنی دئے ہین اگر الف میم صرف عیسائیونکے متعلق یہ کہتا کہ انمین سی کوئی بھی گناہ سی محفوظ نہین ہو سکتا اور کبھی کوئی عیسائی اس اعلیٰ مرتبہ تک نہین پہنچ سکتا تو ہمیں اس سی کچھ سروکار نہ تھا بلکہ ہم اسکو تسلیم کرتے ہین کہ واقعی یہ سچ ہے اور دراصل یہی فخر تو اسلام کو ہی کہ اسکے اندر ایسے راستباز ہر زمانے مین پائے جاتے ہین کیونکہ وہ زندہ مذہب ہے اور اسکی برکات قیامت تک اپنا دامن پھیلائے ہوئے ہی حالانکہ دوسرے کسی مذہب مین ایسے کامل افراد نہین پائے جاتے یہی نہین بلکہ عیسائی تو اس قدر اور زندہ خدا سے بسبب اپنی مردہ پرستی کے اسقدر دور جا پڑے ہین کہ انکے فہم اسبات کے سمجھنے سی بھی قاصر ہین کہ کیونکر ایک انسان گناہ کی نجاستون سے نکلکر نیکی کے اس مضبوط چٹان پر قائم ہو جاتا ہی جہان شیطان اسپر تصرف نہین پا سکتا۔ وہ انسان کو ایک نہایت حقیر ہستی سمجھتے اور اسکی اخلاقی حالت کو اسقدر گرا ہوا سمجھتے ہین کہ وہ اس خیالکو بھی پسند نہین کرتے کہ انسان کبھی شیطان کے قابو سے نکلے۔ انسان جس کمال کو پہونچ سکتا ہی محض اسکی ناواقفیت کیوجہ سی الف میم اسبات کو نہین سمجھتا کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد بھی جنکو وہ انتی راستبازی کہتا ہی عصمت کے بلند مقام پر پہونچ سکتے ہین۔ اگر یہ سچ نہین تو پھر مذہب کی ضرورت ہی کیا ہی

کیونکہ اگر مذہب کی غرض صرف یہی ہی کہ انسان کسیقدر نیک ہوجاوے اور ایک قسم اخلاقی حالت تک پہونچ جاوے تو وہ غرض تو اسکے بغیر بھی پوری ہوسکتی ہی۔ الغرض ہم انکار کرے تو اسکا اختیار ہی مگر کوئی سمجھدار آدمی اسبات سے انکار نہین کرسکتا کہ دہریون اور بت پرستون کو نیک صفات سے خالی نہین کہا جا سکتا مذہب کی غرض اس سے بہت بڑھکر ہے کیونکہ وہ انسانکو کمال تک [illegible] اور اگر کوئی مذہب اس غرض کو پورا نہین کرتا تو یقینًا وہ مذہب بیہودہ جانیگا خواہ [illegible] مفید [illegible] اسبات کو جانتا ہے اور اسے یقین ہو کہ عیسائی مذہب انسان کو اس مرتبہ تک نہین پہونچا سکتا اور ہم بھی جانتے ہین کہ یہ بالکل صحیح ہی اور یقین رکھتے ہین کہ یہ سچ ہی کیونکہ ساتھ ہی ہم اسکو یہ بھی دیکھتے ہین کاش وہ دل رکھتا ہو اس بلند مقام پر انسان اسلام کے پاک مذہب کے ذریعہ پہونچ سکتا ہے اسنے عیسائی مذہب کو آزمایا اور تجربہ کرکے دیکھ لیا ہی (جیسا کہ اسکے اس تعجب سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کے علاوہ اور افراد انسانی بھی عصمت کے مرتبہ پر پہونچ سکتے ہین) کہ یہ مذہب اُس غرض کو پورا کرنیسے قاصر ہے جو سچے مذہب سے ہوسکتی ہی اور اصل مین اسبات کو تو وہ پہلے بھی سمجھ سکتا تھا اگر غور سے سمجھ دیتا کیونکہ وہ دیکھ سکتا تھا کہ جو نشان انجیل راستبازونکے لئے مقرر کرتی ہی وہ کسی عیسائی مین نہین پائے جاتے اور اسلام کے متعلق جو ہمنے دعوے کیا ہی وہ بے دلیل نہین ابتدا سے اسلام نے یہی تعلیم دی ہی کہ وہ انسانکو کمال کے بلند مقام تک پہونچا سکتا ہی بلکہ اسکا نام ہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس مقصد عالی کو پورا کرتا ہی۔ جو راستہ اسلام انسانکو بتاتا ہی اسکا ذکر اس آیت شریف مین ہے۔

بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنے جو شخص اپنے سارے قوے کیساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پورے طور پر تابع ہوجاتا ہے اور نیک کامون پر قائم ہوجاتا ہی وہ اللہ تعالیٰ سے نیک اجر پاتا ہے اور یہی وہ لوگ ہین جنپر نکوئی خوف ہی اور نہ انہین کوئی حزن ہوگا۔ لفظ اسلم جو یہان استعمال کیا گیا ہے

اسکے معنے یہ بھی ہین کہ کامل طور پر اللہ تعالی کی مرضی کے نیچے چلنے والا ہو۔ اور یہ معنے بھی ہین کہ مذہب
اسلام کو اختیار کرے اس اشتراک معنوی سے صاف سمجھہ مین آتا ہو کہ سچے طور پر وہی مذہب اسلام
کو اختیار کرتا ہی جو پورے طور پر اللہ تعالے کی فرمانبرداری اختیار کرے۔ اب الف سیم ہمین بتاوے کہ
اس مرتبہ تک انسان اپنے وجود کو اپنے سارے قوے کے ساتھہ خدا تعالی کو سونپ دے اور ہر ایک امر مین
اسی کی مرضی کو دیکھے اور اسی کی فرمانبرداری کرے جو اسلام کا مفہوم ہی اس مرتبہ سے بڑھ کر کون
سا مرتبہ کمال کا ہی جسکے حاصل کرنے کی انسانکو خواہش کرنی چاہیے عصمت کا مفہوم کیا ہی یہی تو ہے
کہ انسان خدا کی رضا کے خلاف نہ چلے۔ جو شخص پورے طور پر اللہ تعالے کی رضا کے مطابق چلتا
ہے وہ عصمت کے مرتبہ پر پہونچا ہوا ہی۔ حضرت ابراہیم کے متعلق اللہ تعالی فرماتا ہی اذ قال له
ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین جب اسکے رب نے اسے حکم دیا کہ میرا فرمانبردار ہو تو
اُسنے کہا مین سارے جہانونکے خداوند کا فرمانبردار ہوں۔ یہ فرمانبرداری حضرت ابراہیم کی دوسرے
رنگ مین قرآن شریف مین یون مذکور ہی و اذ ابتلی ابراهیم ربه بکلمات
فاتمهن جسکا منشا یہ ہی کہ جو احکام اللہ تعالے نے ابراہیم کو دیئے تھے ان سبکو اسنے پورا کیا۔
اور پھر اسی مقام کیطرف اشارہ کرکے اللہ تعالی فرماتا ہی و ابراهیم الذی وفی یعنی
ابراہیم نے احکام الہی کی فرمانبرداری مین اور اللہ تعالے کے ساتھہ تعلق مین پوری وفاداری دکھلائی
ان تمام باتون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے کی رضا کے پورے طور پر تابع ہو جانا ہی وہ اعلے مقام
ہے جس پر پہونچنے کو انسان کو کوشش کرنی چاہیئے اور جب وہ اس مقام پر پہونچ جاوے تو پھر وہ ہر طرح سے
اللہ تعالی کے احکام کے نیچے ہو کر چلتا ہی اور نافرمانی اس سے صادر نہین ہو سکتی اور یہ بھی ظاہر ہے
کہ اسلام انسانکو اس اعلی مقام پر پہونچاتا ہی۔ اس مقام کے کمال کے متعلق خود قرآن شریف فرماتا ہی
ومن احسن دینا ممن اسلم وجهه لله وهو محسن و اتبع ملة ابراهیم

حنیفاً واتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً ۔ یعنی فرمانبرداری مین اس سے اچھا کون ہو جانے آپکو پورے طور پر اللہ کو سونپ دے اور اسی کی رضا کے تابع ہو جاوے ۔ اور نیک کامون پر قائم ہو جاوے اور ابراہیمی طریقہ کو اختیار کرے جو فرمانبرداری الٰہی مین خالص اور یکرنگ تھا اور اللہ تعالٰے نے ابراہیم کو دوست بنایا ✦

ہم نہین کہہ سکتے کہ ان تمام امور سے القسیم جیسے عیسائی کی تسلی ہو سکتی ہے یا نہین لیکن کوئی سمجھ دار آدمی اس نتیجہ کے سوا اور کسی نتیجہ پر نہین پہنچ سکتا کہ اسلام انسان کو کامل فرمانبرداری کے مرتبہ پر پہونچا سکتا ہے ۔ اس مرتبہ پر جسکی تعریف حضرت ابراہیم کے بارہ مین کیگئی ہے اور جسکے سبب سے اللہ تعالٰے نے اسے دوست کے نام سے یاد فرمایا ۔ یہ وہ مرتبہ ہے جسپر سچا مسلمان پہونچتا ہے لیکن یہ راستہ ان لوگونکے لئے بند ہے جو اسلام پر نہین چلتے ۔ قرآن شریف سب مسلمانونکو یہی ہدایت فرماتا ہے کہ وہ اس راستے کو ڈہونڈین اور اسپر چلین چنانچہ سورۂ فاتحہ مین جو ہر مسلمان کو پانچوقت نماز مین پڑھنی پڑتی ہے ۔ یہ دعا سکھائی گئی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم ۔ ہمین استقامت کے راستے پر چلا ان لوگونکے رستے پر جنپر تیرے انعام نازل ہوتے رہے ۔ یہ صاف طور پر سمجھ مین آتا ہے کہ یہ راستہ انبیاء اور برگزیدونکا راستہ ہے کیونکہ اللہ تعالٰے کے انعام سب سے بڑھکر انہی لوگونپر نازل ہوئے جب خدا تعالیٰ ہمین خود یہ تعلیم دیتا ہے کہ ہمین وہی نعمتین طلب کرنی چاہئیین جو پہلے برگزیدون اور انبیاء کو عطا ہوئین تو اسکا صاف اور سیدھا نتیجہ یہ ہے کہ جنکو وہ اس قابل پاتا ہے انکو وہ نعمتین کامل طور پر بھی عطا فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ جو انعامات انبیاء پر نازل ہوئے وہ اور کسی فرد کو نہ دئیے جاوین تو کیون یہ دعا سکھائی جاتی جسکے ذریعہ سے ہمین وہ نعمتین طلب کرنی چاہئیین اور کیون اس دعا کو ہر ایک مسلمان پر فرض کیا جاتا ۔ نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان انعامات سے مراد وہ انعامات ہین جو نبیون پر نازل ہوئے کیونکہ دنیوی نعمتین اسجگہ کسی صورت مین مراد نہین ہو سکتین ۔ علاوہ ازین اس دعا کے بعد جو الفاظ غیر المغضوب

علیہم ولا الضالین واقع ہوئے ہین وہ بھی اس امر پر روشنی ڈالتے ہین کیونکہ ان لفظون
سے ہمین غضب الٰہی اور غلطی مین پڑنے والے راہون کی نفی کیگئی ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمین وہ راہ طلب
کرنی چاہیے جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہو اسلئے ہمکو محض اسباب پر مطمئن نہین ہوجانا چاہیے کہ ہم اگرچہ
کسیقدر غلطیون مین پھنسے ہوئے ہین لیکن کسیقدر حقیر بھی رہین گے جو راہ ہمین بتائی گئی ہے وہ راہ کامل
راستبازی کی راہ ہے وہ راہ جسپر چلکر ہم غضب الٰہی کے محرک نہون وہ راہ جو ہر قسم کی غلطی سے پاک ہو
اگر یہ راہ ہمین شیطان کے قابو سے نہین نکال سکتی اور گناہ سے محفوظ نہین کر سکتی تو پھر کیا یہ غرض اس
راہ پر چلنے سے حاصل ہو سکتی ہے جو عیسائی ہمین بتاتے ہین کہ گناہ کرو اور یسوع کے خون پر بھروسہ رکھو
الف میم کو یہ دوسرا راستہ آسان تو ضرور نظر آتا ہوگا مگر یہ ہلاکت کا راہ ہے امن اور حفاظت کا راہ
صرف ایک ہی ہے جو قرآن کریم نے بتایا ہے جسکا جی چاہے اسپر چلکر دیکھ لے +

ایک اور امر جسکا ہمنے ذکر کیا تھا الف میم کی سمجھ سے بالاتر معلوم ہوتا ہے ہمنے یہ دلیل پیش
کی تھی کہ چونکہ سزا گناہ کا لازمی نتیجہ ہے اور چونکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کیلئے سزا سے بری قرار دیتا ہے
اسلئے انبیاء کو گنہگار کہنا غلطی ہے۔ الف میم اسکا جواب یہ دیتا ہے کہ اس سے تو صرف یہ معلوم ہوا کہ وہ سزا
سے محفوظ تھے اور یہ ثابت نہین ہوتا کہ گناہ سے بھی محفوظ تھے۔ یاد رہے کہ قرآن شریف جس اصول کو سزا
بارہ مین عام طور پر بیان کرتا ہے وہ یہ ہے من یعمل سوءً یجز بہ جو کوئی بدی کریگا اس
پاداش اسکو ملکر رہیگا لیکن ایک خاص گروہ کی نسبت وہ ہمین یہ اطلاع دیتا ہے کہ انکے خالص نیکی
اور سزا سے بریت کا وعدہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے پہلے سے ہو چکا ہے جیسا کہ ان الذین سبقت
لہم فیہا الحسنٰی سے ظاہر ہے۔ اگر انکے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ کا امکان ہوتا تو
ایسا وعدہ انکے لئے نہ ہو سکتا۔ اسلئے چونکہ انکی صورت مین سزا کا امکان نہین اور نہ انکا وعید ہی
جنکے باعث گناہ کا امکان بھی نہوا۔ امکان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم مین وہ ایسے ہین

غور کرو کہ اللہ تعالے فرماتا ہی واللہ لا یحب الظالمین سے ظالم محبوب نہیں ہو سکتا
اور فرماتا ہی وما للظالمین من انصار ظالم کو نصرت نہیں ملتی - اور پھر فرماتا ہی قل
ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ - کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو
تو میری پیروی کرو تا خدا تم سے محبت کرے - اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پورے
طور پر پیروی کرتا ہی وہ محبوب الٰہی بنجاتا ہے لیکن ظالم محبوب الٰہی نہین ہو سکتا - اسلئے ایسا
شخص ظالم نہین ہو سکتا - اسلئے اگر آپکے ایک سچے تابعدار کو یہ مرتبہ حاصل ہی کہ وہ ظالم نہین تو
اس امر کے ثابت کرنیکے لئے کہ متبوع بھی ہر عیب سے پاک ہر خطا سے مبرا اور ہر ظلم سے خالی ہی کسی اور دلیل
کی حاجت نہین - پھر ایسا ہی قرآن کریم یہ بھی فرماتا ہی - انا لننصر رسلنا والذین امنوا
فی الحیوۃ الدنیا - یعنی ہم رسولونکو اور مومنونکو دنیا کی زندگی مین نصرت بھیجتے ہین - لیکن قرآن
شریف سے یہ بھی ثابت ہی کہ ظالمونکو نصرت نہین دیجاتی اسلئے رسول اور سچے مومن ظالمونمین شامل
نہین ہو سکتے - کیونکہ انکے لئے صاف صاف وعدہ نصرت الٰہی کا ہی - اس سے ثابت ہوتا ہی کہ اگر کسی نبی کی
نسبت لفظ ظلم قرآن شریف مین استعمال بھی ہوا ہی تو بھی وہ نبی ان معنون مین ظالم نہین جن معنون مین
انبیاء کے مخالفین کو ظالم کہا گیا ہی یعنی خدا کی نافرمانی کے معنے مین ظالم نہین ہوگا جو لفظ ظلم کا
موٹا مفہوم ہی بلکہ جیسا اسکا خدا کے ساتھ تعلق دنیا کے نرالے رنگ کا ہوتا ہے ویسا ہی اسکا ظلم
بھی دنیا سے الگ رنگ کا ہوگا اسکو ہم واضح الفاظ مین پھر بیان کرتے ہین +

قرآن شریف مین اللہ تعالے کافرونکے اس اعتراض کے جواب مین کہ ہم ایمان نہین لائینگے جب
تک ہمپر بھی رسول کی طرح وحی نازل نہ ہو فرماتا ہی اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ - اللہ خوب
جانتا ہی کہ رسالت کے منصب کے کون قابل ہی اس سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ خدا تعالے جسکو رسول
بنانا چاہتا ہے اسے خاص طور پر چنتا ہے اور وہ کوئی معمولی انسان نہین ہوتا بلکہ خدا تعالے

دیکھ لیتا ہی کہ اسکے قوے اس قابل ہین کہ وہ رسالت کے فرائض کے بوجھ کو برداشت کرنیکی طاقت رکھتا ہے اور اس منصب کے قابل ہی جبوقت وہ دنیا مین بھیجا جاتا ہی اسوقت کی دنیا ان عقاید کو جنکی وہ تعلیم دیتا ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہی اور جن عقاید سے دنیا پیار کرتی ہی انکو وہ برا کہتا اور انکی برائیان بیان کرتا ہی۔ اسلئے دنیا اسکی دشمن ہو جاتی ہی اور اسکے دوست اور پیارے اقربا اسکو چھوڑ دیتے ہین۔ اسکی مخالفت کیجاتی ہی اور اسکو طرح طرح کے دکھ اور ایذائین پہونچائی جاتی ہین۔ دنیا کی تمام طاقتین اسکی اور اسکی تعلیم کی بیخکنی کیلئے جمع ہو جاتی ہین لیکن وہ ساری دنیا کی کچھ پروا نہین کرتا اور اسکی دہمکیون اور تدابیر کو جو اسکے استیصال کیلئے کیجاتی ہین ہیچ سمجھتا ہی۔ ایک طرف اسکے تمام فواید اور منافع اور انسانی خواہشات اور خون اور محبت کے گہرے تعلقات اور آرام اور آسایش کی کششین ہوتی ہین اور اسکے بالمقابل دوسری طرف صرف خدا کی فرمانبرداری ہوتی ہی لیکن وہ اللہ تعالے کی رضا کے لئے تمام منافع اور خواہشات کو قربان کر دیتا ہی خوشی سے ساری دنیا کی عداوت اور دشمنی کو قبول کرتا ہی ہر ایک قسم کے تعلق کو توڑ دیتا ہی۔ ہر ایک آرام اور آسایش کو چھوڑ دیتا ہی۔ ہر ایک تکلیف کو اٹھاتا ہی تمام ایذاؤن اور تکالیف کی برداشت کرتا ہی بلکہ موت کو قبول کر لیتا ہی لیکن اسکے دل مین ایک لمحہ کیلئے بھی یہ خیال نہین آتا کہ وہ خدا کی فرمانبرداری کو چھوڑے اسکے دل کا تعلق اللہ تعالی کے ساتھ اسقدر مضبوط ہوتا ہی کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی۔ پھر یہ کیسا قابل شرم جھوٹ ہے کہ وہ شخص جو ان تمام امتحانون مین سے کامیابی کیساتھ ہو گذرتا ہی تمام تکلیفون اور ایذاؤنکو برداشت کر لیتا ہی تمام منافع کو قربان کر دیتا ہی ہر ایک دنیا کی آسایش کو ہیچ سمجھتا ہی اور دنیا کے تمام تعلقات کو قطع کر دیتا ہے لیکن اللہ تعالے کی فرمانبرداری سے ایک بال برابر انحراف نہین کرتا۔ وہی شخص کسی چھوٹی سی نفسانی غرض کیلئے عمداً خدا کے احکام کو توڑتا اور اسکے خلاف چلتا ہے۔ کیا وہ تمام خواہشات اور منافع اور آسایشونکو قربان کر کے اور تمام تعلقات کو قطع کر کے دنیا پر یہ ثابت نہین کر چکا کہ

ے احکام کے بالمقابل یہ سب چیزین اسپر کوئی اثر نہین کر سکتین مگر انکے دلمین کوئی کمزوری آتی جو بزدلی یا خواہش کی بغت اسکو خدا کی فرمانبرداری سے الگ کر سکتی تو وہ اسوقت ظاہر ہونی چاہئے تھی جب تمام دنیا انکی ذات سے مخالفت مین کھڑی ہوئی تھی جب وہ گھر سے نکلے تو انکا کوئی اٹھانیوالا نہ تھا اور جبکہ اپنے اغراض کے پیچھے چلنے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنیسے کلی طور پر اسے یہ فائدہ پہونچ سکتا تھا کہ تمام مخالفتین فرو ہو جاتین اور تمام تکلیفون سے نجات ہو جاتی مگر نہین وہ استقامت کے جلتے ہوئے تنور مین ڈالا جاتا ہے اور مصائب شدائد کی کٹھالی مین ڈالکر پاک کیا جاتا ہے اور اسطرح صبر ثابت کیا جاتا ہے اسلئے درحقیقت کوئی کمزوری نہین اور خدا کی فرمانبرداری سے کوئی چیز اسے منحرف نہین کر سکتی اگر خدا کی اطاعت مین اسکو ایسی اسقدر فوق الطاقت استقامت اور وفاداری نہوتی تو وہ رسالت کے منصب کے لائق نہوتا اور اللہ تعالی ایسے شخص کو نبی نہ بناتا جسکو وہ ایسا کمزور سمجھتا کہ خدا تعالی کے احکام فرمانبرداری کو چھوڑکر اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کریگا ایسا آدمی ایک لمحہ کیلئے بھی دنیا کی مخالفت کی برداشت نہین کر سکتا اور نہ ان دکھون اور تکلیفون کو اٹھا سکتا ہے جو انبیاء کو اٹھانے پڑتے ہین۔ اس تمام تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کی نسبت یہ خیال کرنا کسیطرح جائز نہین کہ وہ خدا کی اطاعت سے پھر جاتے یا اپنی نفسانی خواہشون کیلئے گناہون کے مرتکب ہوتے ہین ✦

اب ہم حضرت آدم کے متعلق شرک کے الزام کو لیتے ہین پادری اسبن اپنے دعوی کی تائید مین کشاف اور امام رازی کی تفسیر کو پیش کرتا ہے دونون تفسیرون سے ایک ہی قول نقل کرکے وہ لکھتا ہے "اسطرح ہم دیکھتے ہین کہ بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ہماری بات کی تائید کرکے اپنے مقدمہ کو ثابت کر دیا ہے" ہمین بارہا اس مباحثہ کے اثنا مین عیسائی مناظرین کی غلط بیانی کی شکایت کرنیکا موقعہ ہوا ہے مگر تعجب ہے کہ پھر بھی پادری صاحبان اس امر کی طرف کچھ توجہ نہین کرتے۔ پادری اسبن غلط بیانی کو اختیار کرکے کشاف کے الفاظ سے اپنے مطلب کے موافق ایک نتیجہ نکالتا ہے حالانکہ جو کچھ کشاف نے آگے چلکر لکھا ہے وہ پادری نے چھپا لیا۔

قول کی تردید کرتا ہے کشاف نے پہلے ان معنوں کا ذکر کیا ہے جیسے روح نفس واحدہ سے حضرت آدم مراد لئے گئے ہیں اور جب وہ ان الفاظ کی تفسیر پر پہنچتا ہے۔ لئن آتیتنا صالحاً لنکونن من الشاکرین فلما آتاہما صالحاً جعلا لہ شرکاء فیما آتاہما۔ تو لکھتا ہے " آتیتنا اور لنکونن میں ضمیر کا مرجع وہ دونوں اور انکی اولاد ہے۔ جعلا لہ شرکاء یعنے انکی اولاد نے خدا تعالےٰ کے شریک ٹھیرائے۔ مضاف حذف کرکے اور مضاف الیہ کو اسکے قائمقام کرکے اور ایسا ہی فیما آتاہما میں یعنی جو کچھ انکی اولاد کو دیا اور اسپر خدائے تعالےٰ کے یہ الفاظ فتعالی اللہ عما یشرکون دلالت کرتے ہیں کیونکہ یہاں ضمیر جمع لائی گئی ہے اور آدم اور حوا شرک سے بری ہیں ..... ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب قریش کو ہے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل تھے اور وہ قصی کی اولاد ہے ... اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ خدا وہ ہے جسنے تمام ایک نفس یعنی قصی سے پیدا کیا اور اسی جنس کی اسکی بیوی بھی بنائی یعنی عربیہ۔ قریشیہ۔ لیسکن الیہا۔ لیکن جب خدا تعالےٰ نے انکو جو مانگتے تھے ایک صحیح سالم بچہ دیا تو پھر وہ اسکے شریک ٹھیرانے لگے کیونکہ انھوں نے اپنے چاروں بیٹوں کے نام عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد قصی۔ اور عبد الدار رکھے اور یشرکون کی ضمیر ان دونوں کیطرف پھرتی ہے اور نیز انکی اولاد کیطرف جو انکے نقش قدم پر چلے۔ اور یہ نہایت عمدہ تفسیر ہے جسمیں کسی قسم کی مشکل نہیں ہے" اخیری الفاظ پر پادری ہیسن کو خاص طور پر غور کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہیں اسکے نتیجہ کے عین خلاف بڑے بڑے مسلمان مفسرین نے ان معنوں کو پسند تو نہیں کیا جو پہلے اختیار کئے تھے اور جو نتیجہ وہ نکالتا ہے اسکی صاف الفاظ میں یہ کہکر تردید تو نہیں کی کہ آدم اور حوا شرک سے بری ہیں۔ امام رازی صاحب اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے قول کو قول فاسد کہکر اسکی تردید کرتے ہیں اور اسکے وجوہات دیتے ہیں ان غلط بیانیوں کے بعد پادری ہیسن بڑی جرأت کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کو " زمرۂ مشرکین " میں داخل کرتا ہے (نعوذ باللہ من ذالک)

تعجب ہے کہ ایک شخص کو جو خود مشرک ہے اور ایک یہودی کو خدا سمجھ رہا ہے اسقدر دلیری ہو کہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کو شریر مشرک کہے۔ اسی نبی کو جسکی نسبت اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ثم اجتبٰہ ربّہ فتاب علیہ وھدیٰ۔ خدا نے اسے برگزیدہ بنایا اور اسپر رجوع برحمت کیا اور اسکو سیدھی راہ پر چلایا

اب ہم الف میم کے بعض اعتراضات پر غور کرتے ہین وہ اسبات پر زور دیتا ہے کہ ان الفاظ ھو الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ وجعل منھا زوجھا لیسکن الیھا سے صاف ایسی ہے کہ ان سے مراد سوائے آدم کے اور کچھ مراد نہین ہو سکتی اور اسکی تائید مین سورہ نساء کی اس آیت کے پیش کرتا ہے۔ ھو الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ وخلق منھا زوجھا۔ بس ہم مفسرین نے عموماً حضرت آدم کو ہی مراد لیا ہے۔ اسکے علاوہ وہ ایک حدیث پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئین اور ایک اور حدیث کو پیش کرتا ہے جسکا مضمون یہ ہے کہ آدم نے اپنے لڑکے کا نام عبد الحارث رکھا تھا۔ اور جلالین کے مصنف کی رائے کو بھی پیش کرتا ہے۔ جہانتک مفسرین کی رائے ہے اول تو ہم انکے پابند نہین اور دوسرا کوئی مفسر حضرت آدم کو اس طرح مشرک نہین سمجھتا جس طرح کہ پادری صاحبان اور الف میم پبلک کو یقین دلانا چاہتے ہین۔ باقی رہین حدیثین سو آجتک اہل اسلام نے قرآن شریف کے برابر انکو نہین مانا اور اسلئے جو حدیث قرآن کریم کے مخالف ہوگی وہ رد کیجاویگی اسلئے صرف قرآن شریف کے الفاظ ہی زیر بحث ہین اس سے پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہین کہ قرآن کریم کے الفاظ کے معنے کرنے مین کس اصول کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اگر ایک جگہ ایک لفظ یا فقرہ استعمال کر کے ایک معنی مراد لئے گئے ہین تو یہ اس امر کی دلیل نہین ہے کہ دوسری جگہ جہان اس لفظ یا فقرہ کا استعمال ہوا ہے وہان بھی وہی معنے مراد لئے جاوینگے جس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ایسے معنے قرآن شریف کے الفاظ کے کئے جاوین جس سے مختلف حصوں مین اختلاف واقع نہ ہو۔ الفاظ اور فقرات اکثر اوقات مختلف معانی کے متحمل ہوتے ہین اور اسبات کا فیصلہ کرنا کہ ہمین کسی خاص موقعہ پر کونسے معنے

لینے چاہیئں۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان معنوں سے قرآن شریف کو کسی اور حصہ کی تردید نہوتی ہو۔ نہ یہ کہ انہیں الفاظ کے کسی اور جگہ جو معنی لئے گئے ہوں انکے علاوہ دوسرے معنی ہی نہ لئے جاویں۔ موخر الذکر قاعدہ کی پابندی کرنا نہ صرف زبان کی وسعت معنی کا انکار کرنا ہے بلکہ قرآن کریم کے بعض حصوں میں بعض سے اختلاف ڈالنا ہے ✦

اسلئے سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ آیا قرآن شریف ہمیں یہ اجازت دیتا ہے کہ ایک نبی کیطرف شرک منسوب کریں مفصلہ ذیل آیات پر غور کرو۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہٖ (خدا شرک کو نہیں بخشتا) ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداً (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے وہ سخت گمراہی میں پڑ جاتا ہے) انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ وماواہ النار وما للظالمین من انصار (جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسپر جنت کو حرام کر دیتا ہے اور اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں) ومن یشرک باللہ فقد افترے اثماً عظیما (جو شخص اللہ سے شرک کرتا ہے وہ گناہ عظیم کا افترا کرتا ہے) ہم عیسائی صاحبان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس امر پر غور کریں اور ایک سچے طالب حق کیطرح اور خدا کے خوف کو دل میں جگہ دیکر غور کریں کہ ان آیات کے وعید انبیاء علیہم السلام کیلئے ہو سکتے ہیں افسوس ہے کہ ان لوگوں نے انبیاء کی حقیقت کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور کیونکر سمجھ سکتے ہیں جبکہ وہ روحانیت سے اسقدر دور جا پڑے ہیں کہ مردہ پرستی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ ان آیات کے مطابق مشرک مفتری ہے جسپر جنت حرام اور جسکا گناہ معاف نہیں ہو سکتا۔ کیا ایک پیغمبر کو خود خدا تعالیٰ مفتری ٹھہراتا اور دوزخ اسکی جگہ قرار دیتا ہے نعوذ باللہ من ذالک یہی وجہ ہے کہ خواہ مفسرین نے الفاظ زیر بحث کے کوئی معنی اختیار کئے ہوں۔ انہوں نے حضرت آدم کو شرک سے بری سمجھا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ عیسائی اپنے ایمان کی کمزوری کے سبب سے جسکی بنا قصوں اور کہانیوں پر ہے اور سچے ایمان کے نشانوں سے بالکل خالی ہے۔

یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ انبیاء کا ایمان اللہ تعالیٰ پر کسقدر مضبوط اور زندہ ایمان ہوتا ہے اور انکا تعلق اللہ تعالیٰ
کیساتھ کیسا گہرا اور طاقتور ہوتا ہے۔ ہمیں بعض اوقات یہی خیال گذرتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو ان لوگوں کا
برا بھلا کہنا اسقدر کینہ کے سبب سے نہیں جتنا جہالت کے باعث ہے۔ کیونکہ انہوں نے اس شخص کو بھی باہر نہیں چھوڑا
جسکو وہ خدا بناتے ہیں۔ عجیب مسئلے نجات کا ایجاد کیا ہے کہ اسکی خاطر نہ صرف تمام انبیاء کو ہی گنہگار ٹھہرا دیا
بلکہ یہ بھی جزو ایمان ٹھہرانا پڑا کہ یسوع نعوذ باللہ ملعون ہوا اور تین دن تک خدا کی لعنت کے نیچے رہ کر خدا سے بیگانہ
بلکہ خدا سے بیزار اور خدا کا دشمن رہا۔ انکو معلوم نہیں کہ انبیاء کے دل کا خدا سے کیا تعلق ہوتا ہے اور اسلئے ناواقفیت
کے سبب جو منہ پر آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ اگر انکو اس گہرے تعلق کی کچھ بھی خبر ہوتی جو انبیاء علیہم السلام کو
اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے۔ اور جو تعلق ہر ایک انسان کو پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تو کبھی یہ جرأت نہ کرتے کہ اس
قسم کی بیباکی اور گستاخی کے الفاظ منہ سے نکالتے۔ اصل میں جن لوگوں نے انبیاء کے بعض افعال کے متعلق
ٹھوکر کھائی ہے اپنی بدعملی اور اللہ تعالیٰ سے بُعد کے باعث ہی کھائی ہے جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی تعلق ہے
وہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان انبیاء کی جنکی برکت سے انہیں وہ تعلق حاصل ہوا ہے کسقدر اعلیٰ درجہ کا اور گہرا تعلق اللہ تعالیٰ
سے ہوتا ہے جب ایک شخص خود اپنے نفس میں اس واقعہ کا مشاہدہ کرتا ہے کہ ایک مقدس اور برگزیدہ نبی کی پیروی
اور اسکی برکات سے وہ اس اعلیٰ درجہ کے روحانی مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ شیطانی طاقت سے آزاد اور محض
اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہو جاتا ہے تو اس مشاہدہ کے بعد وہ کیونکر یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ وہ برگزیدہ انسان
جسکی برکات سے ایک تھوڑا سا حصہ پا کر وہ اس اعلیٰ مقام روحانیت پر پہنچ گیا ہے۔ شیطان کے تصرف میں
رہا اور نفسانی جذبات کے ماتحت ہو کر خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتا رہا۔ اور پھر وہ بھی قرآن شریف کے صریح اور
صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے جو فرماتا ہے "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ"
جو گناہ حضرت آدم کیطرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس قسم کا ایک قبیح فعل ہے کہ کوئی معمولی مسلمان بھی
جسکو اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کچھ بھی یقین حاصل ہے اسکا مرتکب نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ایک برگزیدہ نبی کی

طرف سے منسوب کیا جو صحت توحید کے حفظ اور تعلیم کیلئے دنیا مین بھیجا جاتا ہی اور جسکا تعلق خدا تعالی سے ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہین سکتی ہر ایک نبی کا سب سے پہلا اور اہم فرض دنیا مین آنیکا توحید الہی کا پھیلانا اور شرک کی بیخکنی کرنا ہی رہا ہی کیونکہ شرک ایک ایسی بری چیز ہے جسپر سب سے بڑھکر اللہ تعالی کا غضب ہے اور یہ عیسائیونکا ہی خیال ہی کہ کسی نبی کو بھی شرک کا مرتکب سمجھین کیونکہ وہ اپنے نبی کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہین کہ اسنے خدا سے برابری کا دعوی کیا اور دوسرونکو نہین تو اپنے آپکو خدا کا شریک بنایا قرآن کریم ایسی آیات سے بھرا پڑا ہے کہ ہر ایک نبی کا سب سے پہلا پیغام دنیا مین خدا کی توحید ہی رہا ہے چنانچہ فرماتا ہی يٰقوم اعبدوا الله ما لكم من اله غيره (اے میری قوم خدا کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی معبود تمہارا نہین) لا تشركوا بالله (اللہ کیساتھ کسی کو شریک مت بناؤ) ءاله مع الله (کیا خدا کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہوسکتا ہی) ایسا ہی کثرت سے اور آیات موجود ہین اور قوم یہی جواب دیتی ہی۔ (اجئتنا لنعبد الله وحده ونذر ما كان يعبد اباءنا فاتنا بما تعدنا ان كنت من الصادقين۔ کیا تو اسلئے آیا ہی کہ ہم اکیلے خدا کی پرستش کرین اور ان اپنے معبودونکو چھوڑ دین جنکی ہمارے آبا و اجداد پرستش کرتے چلے آئے ہین اگر تو سچا ہی تو وہ عذاب لا جسکا تو وعدہ کرتا ہی اب اگر خود نبی ہی خدا کے ساتھ اورونکو معبود بناتے تھے تو یاد رہے صاحبان بتائین کہ یہ عذاب کسپر آنا چاہئے تھے آیا نبی اور اسکے ساتھیوں پر یا اسکے مخالفین پر سیاہ ہر دو پر اگر اب بھی یہ لوگ اپنی غلطی کو نہین سمجھ سکتے تو پھر کوئی ذریعہ نہیں کہ ہم انکو سمجھا سکین +

" الفاظ خلقكم من نفس واحدة وجعل منها زوجها۔ اور انکے قریب قریب الفاظ جو سورہ نساء مین واقع ہوئے ہین انکے متعلق الف میم مانتا ہی کہ دونون جگہ مین آدمؑ کا نام نہین اور ہم تسلیم کرتے ہین کہ سورہ نساء مین مفسرین کی رائے کا رجحان اسی طرف ہی کہ ان الفاظ سے مراد حضرت آدم ہی ہین لیکن بعض لوگون نے یہ بھی خیال کیا کہ الناس سے جو ان الفاظ کے پہلے واقع ہوا ہی مراد عرب

اہل مکہ ہی ہین اور اسی آیت کا آخری حصہ واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام
شاہد ہے کیونکہ عرب مین ہی خصوصیت سے یہ محاورہ بولا جاتا ہو "انشدک اللہ والرحم" مین تجھو
خدا کی اور رحم (قرابت) کی قسم دیتا ہون لیکن ہمین اس بحث سے کچھ سروکار نہین ہم کہتے ہین کہ یہ الفاظ
عام ہین اور انسے مراد حضرت آدم یا کوئی اور ہو سکتا ہے جسپر ان لفظونکا اطلاق ہو سکے خالی الفاظ
سے پورے یقین سے کوئی تعیین نہین ہو سکتی اور اس امر کے فیصلہ کیلئے بہت سے دوسرے وجوہات پر غور
کرنا ضروری ہی چنانچہ بڑی وجہ جسکے سبب سے سورہ نساء مین مراد حضرت آدم لئے گئے ہین یہ ہی کہ انجگہ
خطاب یہ ہی یا ایہا الناس اتقوا ربکم — لوگو اپنے خدا سے ڈرو۔ اور یہ خطاب عام سب
دنیا کیلئے ہی۔ اسلئے الناس سے مراد صرف اہل مکہ نہین ہو سکتے بلکہ کل دنیا مراد ہے۔ برخلاف اسکے

سورہ اعراف ان الفاظ مین جو زیر بحث ہین یہ وجہ موجود نہین اور نہ صرف یہی بلکہ صاف الفاظ
مین الفاظ زیر بحث کے پہلے اور پیچھے مشرکین عرب کو خطاب کیا گیا ہی چنانچہ اس سے پہلا رکوع اس طرح
شروع ہوا ہی۔ والذین کذبوا بایتنا سنستدرجہم من حیث لا یعلمون
جن لوگون نے ہماری آیتونکی تکذیب کی ہی انپر بتدریج ہم اپنا عذاب ایسی راہ سے لائینگے جسکو وہ نہین جانتے
واملی لہم ان کیدی متین۔ اور مین انکو ڈھیل دے رہا ہون میری تدبیر بڑی مضبوط ہے
یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا۔ یعنی اس عذاب کی گھڑی کا وقت پوچھتے ہین کہ
وہ کب آئیگی۔ جواب ملتا ہی کہ کہدے آئیگی ضرور مگر اسکا علم اللہ تعالےٰ کو ہی ہی کہ کب آئیگی جب آئیگی تو ناگہان ہی
آئیگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خطاب مخالفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی۔ پھر اسی خطاب کے اثنا مین فرماتا ہے
ھو الذی خلقکم الخ۔ جو آیات متنازع فیہا ہین جنکا ترجمہ یہ ہے۔ وہی خدا ہی جسنے تمہین ایک نفس سے پیدا
کیا۔ اور اسکی جنس سے اسکی بیوی بنائی۔ لیکن جب خدا نے انکو صالح بچہ دیا تو وہ اسکے ساتھ شریک ٹھہرانے لگے اس
چیز مین جو انکو دی مگر بلند تر ہے خدا اس سے جو یہ لوگ اسکے ساتھ شریک ٹھہراتے ہین انکو جو کچھ پیدا نہین کرسکتے

اور خود پیدا کئے گئے ہین۔ اور نہ اپنے پرستارونکی مدد کر سکتے ہین اور نہ اپنی مدد کر سکتے ہین اور اگر تم ان لوگونکو ہدایت کیطرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہین چلینگے برابر ہی تمہارے لئے کہ تم انکو بلاؤ یا خاموش رہو یقیناً وہ جنکو تم خدا کے سوا بلاتے ہو تمہاری طرح مخلوق ہین پس انکو بلاؤ اگر تم سچے ہو تو چاہئے کہ وہ تمکو جواب دین۔ کہو بلاؤ اپنے شرکاء کو پھر تدبیر کرو میرے لئے اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو یقیناً میرا کارساز خدا ہی جسنے مجھپر وحی نازل کی ہی۔ اور وہی اپنے صالح بندونکا متولی ہوتا ہے اور وہ جنھین تم اسکے سوا بلاتے ہو نہ وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہین اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہین

جو شخص ان آیات کو غور سے پڑھیگا اسپر واضح ہو جائیگا کہ انمین ایک ہی مضمون پر بحث کیگئی ہی اور وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کا شرک اور اسکی سزا ہی اور یہ بھی بتایا گیا ہی کہ وہ بت جنکو وہ خدا کے شریک ٹھہراتے ہین وہ نہ خود تباہی سے بچینگے اور نہ اپنے پرستارونکو بچا سکینگے بفرض محال اگر حضرت آدم شرک کے مرتکب بھی ہوتے تو کیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین مین داخل تھے جو انکا ذکر اس مضمون مین کیا گیا۔ قرآن کریم دو جماعتون کا ذکر کرتا ہے ایک انبیاء علیہم السلام اور ایک انکے مخالفین۔ انبیاء علیہم السلام خدا کی توحید اور راستبازی کا پیغام لاتے ہین اور انکے مخالفین انکا مقابلہ کرتے ہین اور انکے انذار کی کچھ پروا نہین کرتے اسلئے جب انبیاء علیہم السلام کو بہت تکلیفین دی جاتی ہین اور انکے کام مین طرح طرح کی روکین ڈالکر اسکو بند کرنیکی کوشش کیجاتی ہی تو وہ عذاب الٰہی جسکا پہلے سے وعدہ ہو چکا ہوتا ہی انبیاء علیہم السلام کے مخالفین پر نازل کیا جاتا ہی اور نصرت الٰہی انبیاء علیہم السلام کے شامل حال ہوتی ہی۔ ہر ایک پیغمبر کا ذکر جو قرآن کریم مین ہوا ہی وہ اس عام اصول کی ایک تشریح ہی۔ اور ان آیات مین جو آیات زیر بحث کے پہلے اور پیچھے ہین ایسا ہی عذاب کا ایک وعدہ دیا گیا ہی۔ یہ دراصل پیشگوئی ہی کہ تمام بت ہلاک کئے جائینگے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخرکار اپنے مخالفین پر فتحیاب ہونگے اور آپکے مخالفین ذلیل و خوار ہونگے۔ اسلئے اندر حضرت آدم کے ذکر کو داخل سمجھنا محض حماقت ہی۔ الفہیم نے یہ بھی لکھا ہی کہ امام رازی نے دوسری جگہ جہان مخالفین کے اعتراضونکا ذکر نہین تھا اچھی بات کا بھی اعتراف کر لیا ہی۔ ہم پوچھتے ہین کہ کیا رازی نے کہین اسبات کو تسلیم کیا ہی کہ حضرت آدم شرک کے مرتکب ہوئے ہر گز نہین بلکہ ایک اور بحث کرتے ہوئے اتفاقاً انہون نے یہ بھی لکھ دیا ہی کہ آیت

خلقکم من نفسٍ واحدةٍ وجعل منہا زوجہا سے آدم اور حوا مراد ہین لیکن وہان انہون نے نہ ان معنون پر کوئی بحث کی ہے اور نہ انکی تائید نہ انکے خلاف دلائل پر غور کیا ہے لیکن جب اس آیت کی تفسیر پر پہنچے ہین اور ان دلائل پر غور کیا ہے جو مختلف معنون کی تائید مین یا انکے خلاف پیش ہو سکتی ہین تو انہون نے اسی معنے کو اختیار کیا ہے جو ہمنے بیان کئے ہین۔ علاوہ ازین بعض مفسرین نے نفس واحدہ سے حضرت آدم کو بھی مراد لیا ہے لیکن وہ آیت کے اخیری حصے کی جہان شرک کا ذکر ہے اور تفسیر کرتے ہین جیسا کہ ہمنے کشاف کے حوالے سے اوپر لکھا ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ ان الفاظ کے معنون کے متعلق مختلف رائین ہون بلکہ ہم اوپر یہ بھی دکھلا چکے ہین کہ سورہ نساء مین ایسے ہی الفاظ جہان آتے ہین انکے متعلق بھی مفسرین مین اختلاف رائے ہے +

اسکے بعد الف میم ایک حدیث پیش کرتا ہے لیکن ہم لکھ چکے ہین کہ کوئی حدیث جو قرآن کے مخالف ہوگی ہم اسکو نہین مانتے۔ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ قل یاایہا الکافرون لا اعبد ما تعبدون۔ یعنے اے کافرو مین ہرگز اس چیز کی عبادت نہین کرتا جکی تم عبادت کرتے ہو ان الفاظ مین قرآن شریف نے گویا ہر بنی کی فطرت کا نقشہ کھینچ دیا ہے اور یہ الفاظ جیسے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر چسپان ہین ویسے حضرت آدم پر بھی چسپان ہین ایسا ہی حضرت یوسف ؑ قیدیونکو مخاطب کرکے فرماتے ہین ما کان لنا ان نشرک باللہ من شیءٍ۔ یعنے یہ کب ہو سکتا ہے کہ ہم یعنی گروہ انبیاء اللہ کیساتھ کسی کو شریک کرین۔ تمام نبی ایک جماعت کے حکم مین ہین اور جو نقشہ قرآن شریف کسی ایک بنی کا کھینچتا ہے وہ ساری جماعت کا نقشہ ہے۔ ایسا ہی یہان قرآن شریف عباد الرحمٰن کی صفات بیان کرتا ہے۔ تو ایک صفت انکی یہ بیان فرماتا ہے۔ والذین یدعون مع اللہ الٰہا اٰخر۔ اور وہ لوگ جو اللہ کیساتھ کسی دوسرے کو نہین پکارتے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ انبیاء سب سے پہلے عباد الرحمٰن مین شامل ہین اور اسلئے جب حضرت آدم نبی ہین ثابت ہوا کہ انہون نے شرک نہین کیا ہم خیال نہین کرتے کہ کون سمجھدار آدمی قرآن شریف کے ان صاف اور صریح الفاظ کے بالمقابل اب بھی حضرت آدم کو شرک کا مرتکب سمجھیگا +

تمام شد

آؤ! عیسائیو!! اِدھر آؤ — نورِ حق دیکھو۔ راہِ حق پاؤ
جسقدر خوبیان ہین قرآن مین — کہین انجیل مین تو دکھلاؤ
سر پہ خالق ہے اُسکو یاد کرو — یون ہی مخلوق کو نہ بہکاؤ
کب تلک جھوٹ سے کروگے پیار — کچھ تو سچ کو بھی کام فرماؤ
کچھ تو خوفِ خدا کرو لوگو! — کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ
عیشِ دنیا سدا نہین پیارو — اس جہان کو بقا نہین پیارو
یہ تو ہنسنے کی جا نہین پیارو — کوئی اس مین رہا نہین پیارو
اس خرابہ مین کیون لگاؤ دل — ہاتھ سے اپنے کیون جلاؤ دل
کیون نہین تمکو دینِ حق کا خیال — ہائے سو سو اٹھے ہے دل مین اُبال
کیون نہین دیکھتے طریقِ صواب — کس بلا کا پڑا ہے دل پہ حجاب
اسقدر کیون ہے کین و استکبار — کیون خدا یاد سے گیا یکبار
تمنے حق کو بھلا دیا ہیہات — دلکو پتھر بنا دیا ہیہات
اے عزیزو سنو کہ بے قرآن — حق کو ملتا نہین کبھی انسان
جن کو اِس نور کی خبر ہی نہین — اُنپہ اُس یار کی نظر ہی نہین
ہے یہ فرقان مین اک عجیب اثر — کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر
جس کا ہے نام قادرِ اکبر — اُسکی ہستی سے دیتا ہے یہ خبر
کھینچ لاتا ہے دلبر مین — پھر تو کیا کیا نشان دکھاتا ہے
دلمین ہر وقت نور بھرتا ہے — سینہ کو خوب صاف کرتا ہے
اسکے اوصاف کیا کرون مین بیان — وہ تو دیتا ہے جان کو اور اک جان
وہ تو چمکا ہے نیرِ اکبر — اِس سے انکار ہو سکے کیونکر
وہ ہمین دلستان تلک لایا — اُسکے پانے سے یار کو پایا۔۔۔۔نعم

بحر حکمت ہے وہ کلام تمام + عشقِ حق کا پلا رہا ہے جام۔ بات جب اُس کی یاد آتی ہے + یاد سے ساری خلق جاتی ہے۔
سینہ مین نقشِ حق جماتی ہے + دلسے غیرِ خدا اٹھاتی ہے۔ دردمندو کی ہے دوا وہی ایک + ہے خدا سے خدا نما وہی ایک۔ ہمنے پایا خورہے وہی ایک + ہمنے دیکھا ہے دلربا وہی ایک۔۲

۲...اسکے منکر جو بات کہتے ہین + یونہی اک واہیات کہتے ہین۔ بات جب ہو کہ میرے پاس آوین + میرے منہ پر وہ بات کہہ جاوین۔
مجھسے اُس دلستان کا حال سنین + مجھسے وہ صورتِ جمال سنین۔ آنکھ پھوٹی تو خیر کان سہی + نہ سہی یونہی امتحان سہی۔

۲۵ جلد کے خریدار کے لئے خاص رعایت ہوگی۔

اشتہار کتب موجودہ

غلامی:۔ اس مین اسلام کے وہ اصول جو غلامون اور لونڈیونکے بارے مین بتائے گئے ہین قرآن شریف اور موقع موقع پر حدیث نبوی سے ثابت کر کے دکھایا گیا ہے کہ اب کوئی مخالف اعتراض نہین کر سکتا دیکھنے کے قابل ہے قیمت ۴ر

سرمہ چشم آریہ قیمت ۱۲ر

عقائد اہل سنت الجماعت اردو مصنفہ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ۔ قیمت ۴ر

مسٹر ووب کے لکچر قیمت ۳ر

تائید محمد والقرآن یعنے ترجمہ اپولوجی فار محمد اینڈ قرآن مصنفہ جان ڈیون پورٹ قیمت ۷ر

براہین احمدیہ معہ سوانح عمری امام ربانی میرزا غلام احمد صاحب قادیانی نیا چھاپا قیمت ۵ر در ثمین نو طبع قیمت ۶ر

کشف المحجوب اردو مصنفہ حضرت علی ہجویری عرف داتا گنج بخش صاحب لاہوری قیمت ۱۴ر

تذکرۃ الاولیا۔ مصنفہ حضرت شیخ عطار رحمۃ اللہ علیہ قیمت ۱۲ر

قرآن کی حقیقت کا جواب قیمت ۱ر

تفسیر کبیر مترجم جلد اول اردو مصنفہ حجۃ الاسلام امام فخر الدین رازی تقطیع کلان موٹی کاغذ اعلے صفحہ ۵۳۶ قیمت للعہ ر

انوار قدسیہ مترجم اردو مصنفہ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ۔ یہ کتاب امام صاحب کی بینظیر یادگار ہے اس کتاب مین نمبروار ان علامات اور نشانات کا مفصل ذکر ہے جسکا پایا جانا ہر ایک مومن ولایت کے لئے ضروری ہے صفحہ ۱۲۰ تقطیع کلان قیمت ۱۰ر

کتاب الروح مترجم اردو۔ اسمین روح کے متعلق نہایت شرح و بسط کیساتھ بحث کی گئی ہے قیمت عہ ر

حدوث مادہ اس زمانہ مین مادہ کے حادث یا قدیم ہونے پر نہایت دلچسپ بحث کی گئی ہے قیمت ۱ر

دیانندی الہام اس رسالہ مین وید کے منتر و نیز ان شرائط کی تردید کی گئی ہے جنکی بنا پر دیانند نے وید کو الہامی قرار دیا ہے۔ قیمت ۱ر

بدور السافرہ مترجم اردو۔ یہ کتاب امام جلال الدین سیوطی کی تصنیف ہے اسمین قرآن کریم کے رو سے ان جملہ آیات کو جنمین حشر و نشر حساب کتاب پلصراط حوض کوثر شفاعت میزان نشر اعمال بہشت دوزخ کا بیان ہے قابل دید کتاب ہے۔ قیمت ۹ر

تمام درخواستین بنام شیخ احمد الدین پبلشر کشمیری بازار کوچہ کوٹھیداران آنی چاہیئے

[illegible] کشمیری بازار لاہور [illegible]